

آشنا نا آشنا

ایمان سیتاپوری



آشنا

آشنا نا آشنا

مسکند، دودھی کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کے بیٹے ابراہیم دودھی نے اقتدار سنبھالا، ابراہیم دودھی اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ مسکند دودھی کے زمانے تک افغانوں کو بڑا عروج و اقبال حاصل رہا لیکن اس کے جانشین نے انھیں ان کے حقوق اور اعزاز سے یکسر محروم کر دیا، شیخی، غیر معمولی انا کا خوگر اور ظالم ابراہیم دودھی ان سے ایسے سلوک کرنے لگا کہ ان کے دلوں میں نفرتیں اور کدورتیں جمع ہونے لگیں۔ وہ امر اور جو قصر حکومت کے ستون کہلاتے تھے، ابراہیم دودھی کے نظریں محض معمولی خدمت گزار رہ گئے تھے، اور سیاست و تدبیر کے وہ بڑے لوگ جن کی فراست پر نظم و نسق ریاست کا دار و مدار تھا۔ اب صرف حاشیہ فتن تصور کئے جانے لگے تھے۔ بڑے بڑے امر اور جو کل تک بادشاہ کے ارد گرد پیش دوزانو بیٹھا کرتے تھے۔ اب انھیں یہ حکم ملا تھا کہ وہ بادشاہ سے دس قدم دور آب سے کھڑے رہا کریں۔ بات اگر یہیں تک رہتی تو شاید قدر سے عنیت سمجھی جاتی لیکن نئے بادشاہ نے اپنے دشمنے داروں اور عزیزوں تک کو معاف نہیں کیا، اس نے بڑے بڑے امر اور وزیر بادشاہ کے نام ایک فرمان جاری کر دیا جس کا مفہوم تھا: ہم فرماں بردارے ہند، ابراہیم دودھی صاف صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی دشمنے دار نہیں اور اگر بفرض کسی سے کوئی دشمنے دار ہی بھی ہے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بھی بادشاہ کا نوکر ہے اور کسی نوکر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی حیثیت کو ایک لمحے کیلئے بھی اپنے ذہن سے نکلے۔

اس فرمان اور اس اعلان نے افغان امر اور دودھی فراست داروں میں انتشار اور بے چینی پیدا کر دی۔



۱۔ احمق کو زبردستی کھڑا رکھا جائے!

امرا نے اُسے پکڑ لیا۔ محبت خان نے آنراوی کے لئے بڑی جہد کی لیکن اُسے چھوڑا نہیں گیا۔ بادشاہ کا مارے غصے کے برا حال تھا۔ اُس نے جنوں میں چیخ کر حکم دیا۔ اس کی جائیداد اور املاک کو بحقی حکومت ضبط کر لیا جائے۔ محبت خان نے جوش پیر جھٹکے دے دیکر حیرانے کی کوشش کی اور جیسا مجھے قتل کر دیا، مجھے جان سے مار دیا، مجھے ہلاک کر دیا، میں بے غیرت بن کر نہ رہ سکتا ہوں۔

اب ابراہیم لودھی شاید اس کے قتل کا حکم صادر کر دیتا لیکن اس وقت خان جہاں لودھی نامی ایک امیر و قدیم آگے بڑھا اور چہرہ اُپر اٹھ کے، بادشاہ کے قریب جانے کی اجازت طلب کی۔ بادشاہ نے اُسے قریب آنے کو اشارہ کیا۔ خان جہاں لودھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا یا بادشاہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے بادشاہ کا سیدھا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے نگار بوسہ دیا اور آہستہ سے عرض کیا: ”جہاں پناہ کو بظاہر مشورے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی محبت خان کے بارے میں ناچیز کے ذہن میں ایک ایسی تجویز آگئی ہے کہ شاید حضور بھی اُسے بے حد پسند فرمائیں!“

ابراہیم لودھی غصے میں تھکے تھکے کانپ رہا تھا۔ اُس نے دانت پیستے ہوئے کہا: ”اس ناہنجاری کی ناپاک جسارت اور احمقانہ جرات کی سزا قتل کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتی!“

خان جہاں لودھی نے ایک بار پھر بادشاہ کے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت کو بوسہ دیا اور عرض کیا: ”خاکا کر کچھ تنہائی میں عرض کرنا چاہتا ہے!“

بادشاہ نے حکم دیا: ”تخلیہ!“

اور امرا اس طرح سمٹ کر نظروں سے اُدھل ہو گئے گویا وہ دربار میں تھے ہی نہیں۔ خان جہاں لودھی نے مڑ کر درباری امراء کی خالی منہان جگہ کو دیکھا اور بادشاہ سے عرض کیا: ”حضور والا! محبت خان کی جسارت اور احمقانہ جرات کی معمولی ترین سزا جو ہو سکتی ہے وہ قتل ہے لیکن وہ اس سے بڑی سزا کا مستحق ہے!“

”یعنی!“ بادشاہ نے حیرت سے پوچھا ”نہیں کھول دیں!“ یعنی قتل سے بڑی سزا کیا ہو سکتی ہے؟

تمام امراء ابراہیم لودھی کے زور و ادب سے نیچی نگاہیں کئے کھڑے تھے ان میں سے اچانک ایک نوجوان اپنی صف سے نکل کر شاہانہ انداز میں ابراہیم لودھی کی طرف بڑھا اور جا کے اس کے برابر بیٹھ گیا۔ دربار میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ امراء بادشاہ کے حکم کے منتظر تھے۔ ابراہیم لودھی کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے اس بے باک نوجوان کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اور اس کا چہرہ اپنے زور و زور کے دریافت کیا: ”تو کون ہے اور تیرا اس گستاخی سے مطلب؟“

نوجوان نے نہایت سکون سے جواب دیا: ”مجھے محبت خان مہرچی کہتے ہیں اور پورا دربار جانتا ہے کہ میں ہیبت خان کا بیٹا ہوں، وہ ہیبت خان جس نے لودھی خاندان پر اپنی جان قربان کر دی اور اس کی جگہ میں نے اس دربار میں یہ مرتبہ حاصل کیا۔“

ابراہیم لودھی نے تشریف لے کر کہا: ”اس ناقابل تلافی جرات کا مقصد؟“ محبت خان نے جواب دیا: ”میں پچھانوں کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا، بادشاہ کے زور و زور کا اس طرح دست بستہ کھڑا ہونا افغان امراء کی بے عزتی ہے معلوم نہیں یہ کیسے افغان ہیں جو اس بے غیرتی کو ایجن کر کے بے آرماء ہو گئے۔ وہ نہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔ پورے دربار پر ستمنا طاری تھا۔ امراء کی غیبت انھیں بے چین کر رہی تھی اور وہ کدے اُچکانے، ہاتھ پیروں کو ہلانے اور پٹلیں جھپکانے پر مجبور تھے، بادشاہ نے گریبان کو جھٹکا دیتے ہوئے دریافت کیا: ”تو جانتا ہے ہم اس کی کیا سزا دے سکتے ہیں؟“

محبت خان نے لاپرواہی سے جواب دیا: ”زیادہ سے زیادہ قتل کی سزا لیکن آپ بھی یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ میں نے اپنے نام کے ساتھ فقط ”مہرچی“ بھی لگا رکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں موت سے نہیں ڈرتا، آپ مجھے شوق سے قتل کرادیں۔ لیکن میرا قتل افغان امراء اور آپ سے لودھی قربان اڑوں میں بے چینی اور بغاوت کی تدرج بھونک دے گا، اور یہ آپ کی ذات اور آپ کی حکومت کے حق میں ایک بدترین خال ہوگی!“

ابراہیم لودھی نے اُسے امراء کی طرف دھکیل دیا اور امراء کو حکم دیا۔

خان جہاں لوحانی نے عرض کیا۔ "حضور والا! افغانوں کو جو بدترین سزا دی جا سکتی ہے وہ ایک ایسی سزا ہے جو ایک افغان کو غیرت اور محبت سے محروم کر دے۔"
بادشاہ نے کہا۔ "مجھ سے پہلیاں نہ بچاؤ، بلکہ یہ بتاؤ کہ وہ کون سی سزا ہے جو افغان سے اس کی غیرت اور محبت کو چھین لے؟"

خان جہاں نے کہا۔ "ان دنوں حاجی پوری کا گیر مرحوم امیر کی زوجہ بیوہ بخششی بیگم کے زیر انتظام ہے کہتے ہیں یہ بیوہ حسین بھرنے کے ساتھ ساتھ بڑے عجیب و غریب خیالات کی مالک ہے۔"

بادشاہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "خان جہاں! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"
خان جہاں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "محبت خان کو جلا وطنی کا حکم سنایا جائے اور اسے صاف صاف یہ بتادیا جائے کہ یہ جلا وطنی کا زمانہ حاجی پوری کا گیر دار بخششی بیگم کی یہ سرکش نادان افغان اگر واقعی غیرت مند ہے تو حاجی پوری کی بیوہ کا گیر دار بخششی بیگم کی ملازمت سے کترائے گا اور اگر اس کی غیرت وحیت بھی کاغذی پھولوں کی طرح خوشبو سے محروم ہے تب پھر اس کا گیر دار بیوہ کی ملازمت میں چلے جانے کے بعد اس کی افغانی غیرت اور حیت اس جبری طرح مجبور ہوگی کہ یہ کسی افغان امیر سے آنکھ تک نہ ملا سکے گا۔"

بادشاہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر ہلکی سی مسکراہٹ نے چہرے کو نرم اور خوش اخلاق بنا دیا۔ اس نے پوچھا۔ "یہ بخششی بیگم کس قسم کی عورت ہے؟"

خان جہاں نے جواب دیا۔ "حضور والا! اس عورت کی جس خصوصیت اور خوبی سے ہمیں کام لینا ہے دو یہ ہے کہ بخششی بیگم کسی ایک مرد سے محبت کرنے کی قائل نہیں ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ وہ بیک وقت کئی کئی مردوں سے عشق کرنے کی قائل ہے۔ اس ناپسندیدہ یقین ہے کہ اگر محبت خان اس کے دربار میں پہنچ گیا تو بخششی بیگم اس سے محبت کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اور یہ زوجہ بھی اس کی زلفوں کا اسیر ہو کر ایسی ہی بے غیرتی کی حرکتیں کرے گا کہ بس مزہ آجائے گا۔"

بادشاہ کچھ دیر اس سزا پر غور کرتا رہا پھر بڑا "امین تمہاری یہ سزا پسند آئی۔ تم ان سبھوں کو دوبارہ دربار میں طلب کر کے محبت خان کو سزا سنایا دو۔"

خان جہاں نے بادشاہ کی طرف سے نالی بجائی۔ "ام حاضر ہوتے اہل کو دوبارہ میں دوبارہ حاضری دینے کا حکم سنایا اور غور فرمایا دربار میں دوبارہ پھر آباد ہو گیا۔ خان جہاں نے بلا تامل بلند بادشاہ کا فرمان سنایا۔

"ایک بادشاہ کسی ملک کا صرف حکمران ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی رعایا کا باپ بھی ہوتا ہے۔ اسی نکتے کو ذہن میں رکھتے ہوئے بادشاہ نے محبت خان کو حکم دیا ہے کہ محبت خان فوراً آگے کو چھوڑ دے اور حاجی پوری کا گیر میں چلا جائے اور تا حکم نئی رہیں موجود رہے۔"

محبت خان نے سکون دل سے اپنی سزا سنی اور کہا۔ "اگر میری یہ سزا انجیلیم نہ کر دو تو؟"

خان جہاں نے جواب دیا۔ "تمہاری نادانی ہے۔ تم سزا کی نرمی پر غور کر سزا دلاؤ اس وقت حاجی پور جا کے بخششی بیگم کی ملازمت کر لو۔"
محبت خان نے سزا سے جواب دیا۔ "میں ایک عورت کی ملازمت نہیں قبول کر سکتا۔"

خان جہاں نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔ "محبت خان! تمہاری نوعمری اور نا تجربہ کاری تمہیں کہیں کا بھی نہ رکھے گی۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہارے بھلے کو کہہ رہا ہوں۔"
محبت خان نے بادشاہ کو مخاطب کیا۔ "حضور والا! آج میں کھڑے یہ سوچ کر حاضر ہوا تھا کہ مجھے واپس نہیں آنا ہے۔ میں افغان امراء کی بے عزتی کو ادا نہیں کر سکتا۔ مغل افواج ہندوستان کے دروازوں پر کھڑی ہیں، افغان اسخا اور اتفاق سے محروم ہو چکے ہیں، جہاں بناہ اپنی انا اور غرور کے شکار ہو چکے ہیں۔ میں نے کوشش کی تھی کہ دربار میں غیر معمولی جرأت و جسارت کا قدم اٹھا کے افغان امراء میں غیرت کو میدان کر دوں اور جہاں پیادہ کے غرور کو پاش پاش کر دوں لیکن اس کا جو نتیجہ نکلا وہ ہے خدا افسوس ناک ہے افغان امراء با ستونہ جوئے تو بے غیرتی سے کھڑے تماشہ دیکھ رہے ہیں اور میرا ساتھ دینے کو تیار نہیں۔ اکیلا چڑ بھڑا نہیں بھڑک سکتا۔ پھر نہایت دکھ سے گردن جھکا کر بولا۔ "اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میری جان کی قربانی افغان امراء کے مرض بزدلی اور آزار بے غیرتی کو دور کر دے گی تو میں اپنی جان دے کر بھی تیار ہوں، لیکن میں جانتا ہوں کہ ہمارا مرض اپنے آخری درجے میں ہے اور یہ جان لے کر ہی ٹلے گا۔ پھر خان جہاں سے کہا۔ "میں بخششی بیگم کی جاگیر میں جانے کو تیار ہوں اس کی وقت؟"

خان جہاں نے بادشاہ کی ایسا پر بخششی بیگم کے نام ایک فرمان جاری کیا۔ جس میں حاجی پوری کی بیوہ کو حکم دیا گیا تھا کہ "لو جی دس بارہ کا محبت خان اس کے پاس آ رہے اور اس وقت تک وہیں رہے گا جب تک لو جی دس بارہ اس کے نام کوئی دوسرا فرمان جاری نہیں کرتا۔"

محبت خان کے جاتے ہی بادشاہ کے آدمیوں نے محبت خان کی جائداد اور مالک بہ قید کر لیا۔ اس کی ہاں فیروز خان نے ڈال دی گئی اور بہن کو کسی درباری امیر کے حوالے کر دیا گیا۔ باپ کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب محبت خان آگرم سے دوسرا حاجی پور کے قریب پہنچ چکا تھا۔

پہنچتے پہنچتے لوگوں کے سب سے بلند حصے میں حاجی پور کا قلعہ میلوں دُور سے صاف نظر آ رہا تھا۔ محبت خان نے دھوپ کی تلاوت سے اپنی آنکھیں کسی حد تک کھینچ رکھی تھیں۔ اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر دی اور پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گیا۔ پتلے پتلے بل کھانے والے استون کے ایک طرف تو پہاڑیاں سر اٹھاتے کھڑی تھیں اور دوسری طرف گہرے گھٹن منہ گھوڑے موجود تھے۔ کہیں کہیں مسطح سبزہ زار بھی نظر آتے۔ ان سبزہ زاروں میں مویشیوں کے ریوڑ اپنی دُموں کو ہلا ہلا کر اور جسموں کو ہنسنے ہنسنے میں مشغول تھے، کوئی جانور دستی میں آتا تو دوسرے کے پیٹ سے اپنا سزا کر لے دھکیلے لگتا اور بد جانور خود کو سنبھالنے کی کوشش میں پھسل پھسل کر سنبھل جاتا۔ کچھ جانور سایدار درختوں کے سائے میں بیٹھ کر چاکی کر رہے تھے۔ مویشیوں کے رکھوانے کا نہیں پتہ نہ تھا۔ محبت خان نے گھوڑے کی رفتار مست کر دی اور سنبھل سنبھل کر ادھر بڑھنے لگا۔ کچھ ای دیر بعد چاند گھڑے سوار گھوڑوں کو سر پٹ کھگانے سے وار جھٹے اور انہوں نے سنے ہتے ہی محبت خان کو اپنے گھیرے میں لے لیا، انہوں نے تلواریں سونٹ رکھی تھیں محبت خان بھی کسی سے کم نہیں تھا، اس نے بھی تلوار سونٹ لی۔ ایک سوار ذرا آگے بڑھا اور محبت خان سے سوال کیا۔ ”قاصد کیا کچھ اور ہے“

محبت خان نے جواب دیا۔ ”قاصد نہیں، دھوپ دربار کا معترب اور جلا وطن۔ میں قلعے کی بیوہ سے ملنا چاہتا ہوں“

سوار نے دریافت کیا۔ ”جلا وطنی کے لئے تم نے حاجی پور ہی کو کیوں پس کیا ہے“

محبت خان نے جواب دیا۔ ”جلا وطنی کے لئے بادشاہ نے خود ہی حاجی پور کو نافر کیا ہے!“

اس کے بعد اس نے ابراہیم لودھی کا فرمان اس سوار کے سامنے پیش کر دیا۔ فرمان پڑھ چکے سے بعد سوار گھوڑے سے نیچے اتار پڑا اور محبت خان کو بھی نیچے اتار دیا۔ اس نے محبت خان کو اپنے گلے سے لگایا اور مسکراتا ہوا بولا۔ ”یہ تمزاقینا خان جہاں لوہا کی نچوڑ کی ہو گئی ہے“

محبت خان نے سر سرے انداز میں جواب دیا۔ ”ہاں۔ بس وہی ایک ہم افغان امراء کا ہمدرد باقی رہ گیا ہے ورنہ بھی نفسا نفسی کے شکار ہو چکے ہیں“

سوار نے خان جہاں کا مذاق اڑایا، بولا۔ ”لو، خان دوست تم خان جہاں کو نہیں سمجھ سکتے وہ بڑا چالاک امیر ہے، کچھ عرصہ پہلے اس نے ہی مجھے بھی حاجی پور روانہ کیا تھا۔ حاجی پور غیرت مند اور محمد دار افغانوں کی آزمائش گاہ ہے“

”وہ کس طرح ہے“ محبت خان نے سوال کیا۔

سوار نے خلوص سے محبت خان کا کن رہا تھپتھپایا اور اپنے گھوڑے کی طرف جاتا ہوا بولا۔ ”اب اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ، قلعے میں چل کر باتیں ہوں گی“

محبت خان اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور سوار کی طرف منہ پھیر کے دریافت کیا۔ ”تمہیں میری آرا کا پتہ کس طرح چلا ہے“

سوار نے جواب دیا۔ ”گھر بیٹے سے۔ یہ گھر یا دولوں ہی کام انجام دیتا ہے اپنے ریوڑ کی گلہ بانی بھی اور جاسوسی بھی“ پھر سوال کیا۔ ”کیا تمہیں یہ جگہ اچھی لگ رہی ہے؟“

محبت خان نے جواب دیا۔ ”دلیسے مناظر کے اعتبار سے تو اچھی جگہ ہے، لیون بھی کچھ کھنا فضول ہے“

سوار نے اپنے ساتھیوں کو چلنے کا اشارہ کیا اور بھی ایک ساتھ چل پڑے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد سوار نے کہا۔ ”تم نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟“

محبت خان نے جواب دیا۔ ”محبت خان موحی!“

”محبت خان موحی!“ سوار ہنس دیا۔ ”یہ موحی کا کیا مطلب ہے؟“

محبت خان نے ہنس کر جواب دیا۔ ”محبت خان تو میرا نام ہے لیکن میں نے اپنے نام میں موحی کا اضافہ کیا ہے کہ میرے مزاج میں موحی بن بہت ہے کبھی کبھی حب

طبیعت موج ہیں آتی ہے تو میں سی بھی کام کے پیچھے جن کی طرح لگ جاتا ہوں اور جب بھی طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے تو پھر ہفتوں بے کارہ کے گزار دیتا ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ میں ذرا موحی واقع ہوا ہوں، اس لئے نام کے ساتھ لفظ موحی کا اضافہ کر دیا“

”خوب“ سوار ہنس لگا۔ ”وہی میرا نام شادی خان ہے“ پھر ہنس کر بولا۔ ”میں تمہاری طرح موحی تو نہیں ہوں لیکن ہر وقت خوش مزاج رہنا چاہتا ہوں اور بڑے سے بڑا صدمہ

ہنسی خوشی برداشت کر جاتا ہوں“

محبت خان کی نظر پر سترخ پنھروں والے حاجی پور کے قلعے پہنچی ہوئی تھیں۔
اُس نے بے خیالی میں کہا: ”خوب۔ نام تو نہ ہا، ابھی بہت اچھا ہے“ پھر کچھ سوچ کر ایک
غیر متوقع سا سوال کر دیا: ”یہ حاجی پور کی بیوہ بخشی بیگم کیسی عورت ہے؟“
شادی خان کے گویا کان کھڑے ہو گئے۔ بولا: ”اچھی عورت ہے۔ کیوں؟ اس
سوال سے تمہارا مقصد؟“

محبت خان نے کہا: ”بھائی شادی خان! معلوم نہیں مجھے حاجی پور میں کتنے
عرصے تک رہنا پڑے اور یہاں واسطہ اس خاندان سے پڑے گا۔ بس یہی سوچ رہا تھا کہ
معلوم نہیں یہ کیسی عورت ہے؟“
شادی خان نے کہا: ”ویسے عورت تو بہت اچھی ہے لیکن ذرا اکل گھری ضرور ہے
طبیعت میں بے مروتی بہت زیادہ ہے۔“

محبت خان کو اس کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ چھپا رہا ہے شادی
خان پوچھتا رہا۔ بہتر دوست! یہ بات بہتر یاد رکھنا کہ خان جہاں جس امیر کو بھی حاجی پور
بھیجتا ہے اس کا بس ایک ہی مقصد ہوتا ہے وہ یہ کہ اس امیر کو اس بے مروت اور اکل گھری
عورت کے ہاتھوں ذلیل و خوار کیا جائے۔“

محبت خان نے اکثر افغان کی طرح کہا: ”میں کسی عورت کا دعب داب ماننے سے
رہا۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ اگر اُس نے مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کی تو میں اس کے دو
ٹکڑے کر کے قصہ ہی پاک کر دوں گا۔“

شادی خان کے چہرے کا رنگ بدل گیا، ناگوار لہجے میں بولا: ”ایسا کبھی غضب بھی
نہ کرنا بخشی بیگم کے پاس پانچ ہزار جیالے ملازم ہیں جن میں کا ایک میں بھی ہوں، وہ
تمہاری زکا بونی کر ڈالیں گے۔“

محبت خان نے بے نیاز سے جواب دیا: ”بعد میں کچھ بھی ہو، مجھے اس کی کوئی
بہرواہ نہیں لیکن میں کسی عورت کے دعب داب میں آنے سے رہا۔“

شادی خان نے کہا: ”بس تم ذرا دور رہنے کی کوشش کرنا، باقی میں متجھال لوں گا
تم یہ کوشش بھی کرتے رہنا کہ کسی طرح تمہاری جلا وطنی ختم ہو جائے۔“

محبت خان نے شادی خان کے چہرے کا گہری نظروں سے جائزہ لیا اور اُسے بہ
تشبیہ گمراہ کہ شادی خان کچھ نہ کچھ اس سے چھپا ہوا رہا ہے۔ اس نے پوچھا: ”بخشی بیگم
میرے سپرد کیا کام کرے گی؟“

شادی خان نے کہا: ”تمہاری ذمہ داری میں قبول کروں گا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ
تم اس خیر و مال کے سامنے جانے سے بچ جاؤ گے۔“
محبت خان نے کہا: ”مہیں۔ میں اس سے ضرور ملوں گا اور اسے راہ راست پر
لانے کی کوشش کروں گا۔“

شادی خان نے غصے میں کہا: ”تم اس حق ہو۔ میری بات مانتے کیوں مہیں؟“
”میری اپنی ایک شخصیت ہے، میرا اپنا ایک کردار ہے۔ پھر میں تمہاری بات
کس طرح مان لوں؟“
شادی خان نے تیز تیز نظروں سے محبت خان کو گھورا اور پھر گھڑے کی
رفتار تیز کر دی۔

جب اُن کے سائے اپنے قدموں تلے آنے لگے اس وقت وہ قلعے کے سامنے پہنچ
چکے تھے۔ انہیں مرکزی پھاٹک پر روکا نہیں گیا۔ یہ سب گھوڑے دوڑتے ہوئے پھاٹک
میں داخل ہو گئے۔ اور نصف فلاٹنگ طے کرنے کے بعد داہنی طرف حملات بنے ہوتے تھے
انہیں میں سے ایک پڑ نکلف محل میں بخشی بیگم رہ رہی تھی۔ بخشی بیگم کے محل سے ہزار
قدم دور ایک دوسری عمارت موجود تھی۔ یہ حاجی پور کا مہمان خانہ تھا۔ شادی خان نے
اسے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا اور خود ادھر ادھر گھومنے لگا۔

مہمان خانے کی روٹیاں کھاتے کھاتے محبت خان اُٹھا گیا اور اسے شرم سی آنے لگی
اُس نے روٹیاں لانے والے کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ بولا: ”بڑے صاحب! کیا
میں تمہاری مالک سے بھی مل سکتا ہوں؟“

اُس نے جواب دیا: ”کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ میں تمہارا پیغام اُن تک پہنچا
دوں گا۔“

محبت خان نے سونے کا ایک سکہ اپنی جیب سے نکالا اور اُسے روٹی والے
کی طرف بڑھا دیا۔ بولا: ”تم مجھے اپنی مالک سے ملو، وہ میں یہ سونے کا سکہ تمہیں زور
کمرنے کو تیار ہوں۔“

روٹی والے نے جواب دیا: ”تم فیکر نہ کرو، میں بہت جلد اس سے تمہاری
ملاقات کر دوں گا۔“

اتنا کہ نہ کہ وہ چلا گیا اور محبت خان اس ملاقات کی گھڑی کا بے چینی
سے انتظار کرنے لگا۔

سورج ابھی سواہیرے ہی چڑھا ہوا تھا کہ یحشی نے اسے طلب کر لیا۔ دو مسلح سواروں نے اسے آگے پیچھے سے گھیر لیا اور اسی طرح محاصرے میں لے کر یحشی کی دیوڑھی تک پہنچ گئے۔ وہاں محبت خان سے اس کے ہتھیار لے لئے گئے اور وہ بالکل مہتا ہو کر ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جس کے برابر والے کمرے کے دروازے پر ایک باریک کپڑے کا پردہ پڑا ہوا تھا اور دوسری طرف صرخ لباس میں ملبوس یحشی بیگم کی جھلک بھی دکھائی دینے لگی۔ جس قسم کا ماحول پیدا ہو گیا تھا اس سے محبت خان کچھ کچھ مرعوب ہو گیا۔ یحشی کے سپاہی ہتھیاروں سے لیس بار بار اس کے کمرے میں آ جا سنے تھے۔ یحشی بالکل پرمس کے قریب آگئی اور اس نے سوال کیا: ”بادشاہ نے تمہیں معتب کیوں کر دیا؟“

محبت خان نے بادشاہ کی شکایت کی: ”بیگم صاحبہ! بادشاہ نے افغان امراء اور سرداروں کو ذلیل کرنا شروع کر دیا ہے، وہ کہتا ہے اس کا کسی سے بھی کوئی رشتہ نہیں۔ وہ بادشاہ ہے اور سب اس کے ملازم ہیں حالانکہ بیگم صاحبہ کو اچھی طرح معلوم ہو گا کہ جنت مکان فرماں روا تھے ہندو حضرت سکندر کو دھکی کے عہد میں ایسا نہیں تھا اور اگر کوہد سار میں اعزاز و اکرام سے بیٹھنے کی اجازت حاصل تھی، اب بادشاہ ہر ایک کو اپنے دربار کو کھڑا رکھتا ہے۔“

یحشی نے حکمانہ انداز میں کہا: ”کلام مختصر کیا جلتے۔ میں طول طویل باتیں پسند نہیں کرتی۔“

محبت خان کی انا کو چٹ لگی، غصے سے چہرہ صرخ ہو گیا، بولا: ”یہی صورت حال بادشاہ کے دربار بھی پیش آگئی تھی۔ ایک معزز نہ چٹھان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے بادشاہ کے بندہ اور نیکر کو نوٹہ نے کے لئے گھس کے برابر پیچھے جانے کی جسارت کی تھی جس کے عتاب میں مجھے حاجی پور چھڑا گیا۔“

یحشی غالباً ہنس رہی تھی۔ اس کی رسائی اور متمم آواز فضا میں آئی اور نغمے بکھیرنے لگی، وہ کہہ رہی تھی: ”محبت خان! تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ مالک اور نوکر میں حفظ مراتب بہت ضروری ہے۔ بادشاہ پھر بادشاہ ہے اور ملازم پھر ملازم ہیں۔ ان دونوں کو تم ایک سطح پر کس طرح کھڑا کر سکتے ہو؟“

محبت خان نے جوش میں کہا: ”بہر حال میں اس بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکتا۔“

یحشی نے کہا: ”لیکن حاجی پور میں تمہیں یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ میں خود بھی یہ باتیں بالکل پسند نہیں کرتی۔“

محبت خان نے غصے میں کھڑے ہو جانا چاہا لیکن اس نے اپنے اس پاس کئی مسلح سپاہیوں کو کھڑے دیکھا۔ ان کی سوئی ہوئی تلواریں بد زبان حال یہ کہہ رہی تھیں کہ ذرا جی بے جا جسارت سے کام لیا تو کھڑے اڑا دیئے جائیں گے۔ وہ ناچار اٹھ کر پیڑ پڑ گیا۔ یحشی بیگم کہہ رہی تھی: ”محبت خان! کیا تمہارے گھروں میں بیڑوں کا حکم نہیں مانا جاتا۔ کیا تم لوگ بچوں کو اتنی چھڑت دے دیا کرتے ہو کہ وہ اپنے بندہ گروں کی بے عزتی اور حکم عاری دلی کریں؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”نہیں، ہمارے گھروں میں بے گستاخ نہیں ہوتے۔“

”تب پھر یحشی بیگم نے ہنستے ہوئے کہا: ”تم کو اپنے حکمرانوں کے خلاف گستاخوں کی کس طرح اجازت دی جا سکتی ہے؟ بادشاہ کے لئے ملک اس کا خاندان ہے اور بادشاہ اس کا سربراہ ہے، پھر خاندان کے لوگ اس کی عزت کیوں نہیں کریں گے؟“

محبت خان اس دلیل سے بے بس اور لا جواب ہو گیا۔

یحشی نے مزید کہا: ”بادشاہ نے اپنے ملازمین پر جو پابندیاں عائد کی تھیں وہ یہاں بھی عائد رہیں گی۔ اور تم کو ہماری غیر مسترد و طعنت مانتی پڑے گی، کیونکہ میں یہ قطعی پسند نہیں کرتی کہ ملازمین اپنی من مانی کرتے پھر یہ اندر اس طرح غلاتے ہیں انتشار اور خلقتار کے باعث بن جائیں۔“

محبت خان نے اٹک اٹک کر کہا: ”عودت کی حکومت۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک عورت مردوں پر حکومت چلائے اور غیر متمم چٹھان اس بات کو کس طرح برداشت کر سکتا ہے کہ۔“

یحشی نے بدستور ہنستے ہوئے کہا: ”میں حاجی پور نامی خاندان کی سربراہ ہوں اور تم اس خاندان کے ایک معمولی فرد ہو، تمہیں میرا حکم ہر حال میں ماننا پڑے گا ورنہ۔“

”وہ نہ کیا؟“ محبت خان نے غصے میں کھڑے ہو کر پوچھا۔

دوسری طرف یحشی بھی کھڑی ہو چکی تھی، اچانک جاتی ہوئی بولی: ”ورنہ یہ کہ تم ہمیشہ میری قربت سے محروم رہو گے، ہمیشہ مجھ سے دور رہو گے اور اس خاندان میں تمہاری حیثیت اس ہندو اچھوت جیسی ہوگی، جو اعلیٰ ذات والوں کے ساتھ کھڑے بیٹھ نہیں سکتا۔ تم میری عنایات اور مہربانیوں سے محروم رہو گے۔“

کی آواز بڑی دلکش تھی اور باریک پردوں کے پیچھے سے صرخت لباس میں میس جو جسم متحرک دکھائی دیتا تھا وہ خاصا پرتکش تھا۔ اسے شادی خان پر دستک آیا کہ اسے بخشی کی موتوں میں بھی موجودگی کا شرف حاصل تھا۔ اس کی افغانی آنا جو روح اور مترنزل ہوتی تھی۔ اس نے پہاڑیوں کی چوٹیوں کی آڑ سے سورج کو اُبھرتے دیکھا۔ وہ مشرق میں نظریں جھانکے کھڑا ہو گیا۔ روفی کے گالوں جیسے بالوں کے ٹکڑے آوارہ و پریشان اڑے چلے جاسے تھے۔ اس وقت اس کے پاس ایک شخص آیا اس نے محبت خان کو بخشی بیگم کا یہ زمان پہنچایا کہ قلعے کے مشرقی حصے کے جنگلات کا کچھ حصہ کاٹا جا رہا ہے اس کام کی نگرانی محبت خان کو کرنی ہے۔ اس فرمان نے اس کی انا پر تازہ دینے کا کام کیا، وہ نکل گیا، اس کے جی میں آئی کہ وہ اس شخص کو ایک در در دارم کھد رسید کرے تا کہ آئندہ وہ کوئی ایسا غورن لسنے کی جرات نہ کرے، لیکن مصلحت اندیشی نے اس کے ہاتھ روک لئے۔ اس نے پوچھا۔

”جنگل کی کٹائی میں کتنے لوگ لگے ہوتے ہیں؟“

آدمی نے جواب دیا ”نقریاد سو آدمی“

محبت خان نے پوچھا ”یہ فرمان کس نے جاری کیا ہے؟“

آدمی نے جواب دیا ”شادی خان نے“

محبت خان کو پھر غصہ چڑھا، بولا ”یہ شادی خان حکم دینے والا کون ہوتا ہے؟“

آدمی نے کوئی جواب نہیں دیا، بس اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

محبت خان نے صاف جواب دے دیا ”جاق، شادی خان سے کہہ دینا محبت خان تیرا حکم نہیں ملے گا“

آدمی نے گدڑی کھلانے ہوتے کہا ”لیکن شادی خان وہی حکم دیتا ہے جو بیگم صاحبہ دیتی ہیں“

”تب پھر تم اپنی بیگم صاحبہ سے جان کر کہہ دو کہ محبت خان ان کے حکم کے سوا کسی اور کا حکم نہیں مانے گا“

”لیکن جناب، یہ شخص بہت پریشان نظر آتا تھا۔ بولا۔ بیگم صاحبہ جو حکم بھی دیتی ہیں شادی خان کے ذریعے دیتی ہیں، وہ براہ راست کوئی حکم بہت کم دیتی ہیں کیونکہ وہ ہر ایک کے سامنے آنا جانا بالکل پسند نہیں کرتیں“

محبت خان نے زچ ہو کر کہا۔ ”بس میں نے جو کچھ کہہ دیا، کہہ دیا، میں شادی خان

اس کے قریب بعد سختی کسی طرف چلی گئی اور اب باریک پردے کے پیچھے سے صرخت لباس غائب ہو چکا تھا۔ وہ آواز جو ابھی ذرا دیر پہلے فضا میں ترنم گھول رہی تھی گم ہو چکی تھی۔ اس کے پاس متعین سپاہیوں نے اسے مطلع کیا کہ اب اس کا یہاں بیچھنا یا رکن فصول ہے۔ وہ شکستہ دل گرفتہ اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ ابھی کچھ ہی دور گیا ہوگا کہ اس نے داہنی طرف کے چھوٹے سے باغیچے میں دہی مرغ لباس پھر دیکھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کے قدم ٹک گئے سپاہیوں نے بھی سختی نہیں کی۔ اس نے درختوں کی جھڑیوں کے اس پار بخشی کو جھپٹتے ہوتے دیکھا لیکن وہ اندر تہا نہیں تھی۔ اس وقت اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ اس نے پورے انہماک اور توجہ سے اس دوسرے شخص کو پہچاننے کی کوشش کی۔ سپاہیوں نے اسے ٹوکا۔

”چلتے رہو، رکنے کی ضرورت نہیں ہے“

محبت خان نے بے بسی سے سپاہیوں کو دیکھا اور پھر چل پڑا۔ صرخت لباس اب بھی متحرک نظر آ رہا تھا۔ باغیچے کی فضا بخشی کے ترنم قہقہوں سے گونے رہی تھی۔ اس کے کانوں میں مرد کی ہلکی سی آواز آتی۔ ”وحشی ہے، آدمی بننے میں کچھ وقت لگے گا“

محبت خان نے یہ آواز پہچان لی، یہ شادی خان کی آواز تھی۔ وہ گفتگو کا رخ بھی پہچان گیا کہ بہ روئے سخن خود اس کی جانب ہے۔

✽

✽

✽

کئی دن تک اس سے کوئی کام نہیں لیا گیا، کھانے پینے کو ملتا رہا، کسی سی وقت باہر نکلتا تو جھاڑی مناظر طبیعت میں بڑی تازگی پیدا کر دیتے اور دیر تک جھاڑیوں میں تنہا گھومتا رہتا تھا۔ بظاہر تو وہ آزاد نظر آتا تھا لیکن وہ آزاد نہیں تھا، اس کی نگرانی کے لئے اس پاس بخشی کے آدمی موجود ضرور رہتے تھے۔ محبت خان سوچتا، وہ کیسی نسبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ لودھی دربار میں وہ ایک معزز امیر کی حیثیت رکھتا تھا لیکن حاجی پور میں اس کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔ یہاں کی بہ نسبت اسے لودھی دربار بڑا غنیمت محسوس ہوا۔ شادی خان بھی اس سے سرد مہری برت رہا تھا۔ ان چند دنوں میں وہ جن نفسی کیفیات کا شکار رہا ان میں ایک کیفیت یہ بھی تھی کہ اسے واقعی کسی نئی مذاقی سرسبز کی حیثیت سے بخشی کا انتخاب قبول کر لینا چاہیے اس کی بالادستی مان لینا، اسے بخشی دلیلوں نے لا جواب کر دیا تھا اس فکرت و تردید میں ایک اور جذبہ بھی اپنا کام کر رہا تھا بخشی

کا حکم نہیں مان سکتا ہاں بیگم صاحبہ کا حکم سرائے کے لوگوں پر“
اس شخص نے بڑی معنی خیز نظروں سے محبت خان کو دیکھا پھر بولا: کیا آپ واقعو
جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں سنجیدہ ہیں؟“

محبت خان چیخ پڑا: ”ہاں ہاں، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں بالکل سنجیدہ ہوں،
تم میری بات سمجھنے کیوں نہیں اور تم یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ میں تم سے ملنا کر رہا ہوں؟
اس آدمی نے کھوئی کھوئی نظروں سے محبت خان کو دیکھا، بولا: ”آپ ابھی تک
یہاں کے لوگوں کے سرائے سے آگاہ نہیں ہیں، شادی خان کا حکم کیا معنی رکھتا ہے۔ آہ،
آپ اس سے بخوبی واقف نہیں ہیں۔“

محبت خان نے اسے ڈانٹ دیا، بولا: ”تم یہاں سے بھاگ جاؤ، میں شادی خان
وادی خان کسی کو بھی نہیں جانتا۔ میری نظر میں شادی خان کی اس سے زیادہ کوئی عزت نہیں
کہ حاجی پور کے کامیابوں میں وہ بھی شامل ہے۔“

اس آدمی نے ایک بار پھر زور دیا: ”جناب شادی خان وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ
رہے ہیں، وہ کچھ اور بھی ہے۔“

محبت خان نے اسے پھر چھڑک دیا: ”اس کی وہ حیثیت، جس کی طرف تم اشارہ کر
ہو، میں نہیں جانتا۔ میں تو اسے حاجی پور کا ایک ادنیٰ ملازم سمجھتا ہوں میں بخشی بیگم کا حکم
نوامان سکتا ہوں لیکن شادی خان کا ہرگز نہیں۔“

وہ آدمی واپس چلا گیا۔ محبت خان اس کے رد عمل کا اندازہ لگانے لگا۔ شادی خان
کی حیثیت کا کچھ کچھ اندازہ وہ پہلے ہی لگا چکا تھا لیکن آج اس کا صحیح اندازہ لگ چکا تھا
شادی خان اس کو نظر انداز کرتا چلا آ رہا تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ آج وہ سب بھی معلوم ہو
تھا۔ محبت خان نے ایک ہجراتی کیفیت محسوس کی، یہ بیجانی کیفیت جذبہ حسد و رقابت سے
پیدا ہوئی تھی، اس نے خوب اچھی طرح یہ سمجھ لیا تھا کہ شادی خان کے حکم کو نہ ماننے سے
کوئی بھی ہنگامہ کھڑا ہو سکتا ہے۔ حاجی پور میں وہ تنہا تھا اور یہاں بخشی بیگم کی حکومت
تھی، بخشی بیگم پر شادی خان کا اثر تھا۔ دونوں مل کے اسے کوئی بھی سزا دے سکتے تھے۔
اس کشمکش میں اسے اپنے انکار پر ذرا سی دیر کے لئے کچھ ندامت بھی محسوس ہوئی لیکن یہ
ندامت جلد ہی دھڑ ہو گئی اور اس کی جگہ فطرتِ انسانی نے لی۔ وہ شادی خان کو اس
کی حیثیت سے بٹاکے اس کی جگہ خود لے لینا چاہتا تھا، گو یہ کام بہت مشکل تھا لیکن
ناممکن نہیں تھا۔ اس کو بخشی میں وہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو سکتا تھا اور کامیاب

بھی ہو سکتا تھا۔ اس نے یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر شادی خان نے اسے ذلیل کرنے کی کوشش
کی تو وہ اس کا مقابلہ کرے گا۔ لیکن بخشی بیگم کا کس طرح مقابلہ کرے گا، یہ بات اس کی
سمجھ میں نہ آتی تھی۔

دو پہر سے ذرا پہلے دس سپاہیوں کا ایک دستہ اسی کی گرفتاری کے لئے آگیا۔
محبت خان دروازے بند کر کے اندر بیٹھ رہا۔ دسٹے کا ایک سپاہی دروازے کو ٹھپٹھپاتے ہوئے
بولا: ”باہر آ جاؤ اور خود کو ہمارے حوالے کر دو، ورنہ بیچنا ڈنگے۔“

محبت خان نے جواب دیا: ”میں ان حالات میں باہر نہیں آ سکتا، تم لوگ میرے
پاس کیوں آئے ہو؟“

سپاہی نے کہا: ”تمہیں گرفتار کرنے۔“
”کیوں؟“ محبت خان نے پوچھا۔ ”تم لوگ مجھے کیوں گرفتار کرنا چاہتے ہو؟“
سپاہی نے کہا: ”تمہیں شادی خان کی حکم عدولی کی ہے۔ تمہیں اس حکم عدولی
کی سزا جھگٹنی ہوگی۔“

محبت خان نے حقارت سے کہا: ”میں یہ سزا جھگٹنے کو تیار نہیں ہوں۔ میں مر جاؤں گا
لیکن خود کو گرفتار نہیں ہونے دوں گا۔“

سپاہی نے دروازے پر زور زدہ لائیں۔ سپاہیوں، گالیاں دیتا ہوا بولا:
”اگر تم یوں دروازہ نہ کھولو گے تو ہم دروازہ توڑ کے اندر آ جاتیں گے۔ بہر حال تم گرفتاری
سے نہیں بچ سکتے۔“

محبت خان نے انہیں جلانے کے لئے قبضہ لگایا۔ بولا: ”جب تم دروازہ توڑے
انار آؤ گے تو مجھے شمشیر کف استقبال کے لئے مستعد رہنا پڑے گا۔“

سپاہیوں نے طیش میں کہا: ”تم یوں نہیں مانو گے۔ میں دیکھتا ہوں تم کس طرح
نہیں قتلے۔“

محبت خان نے کہا: ”تم شادی خان کو بلاؤ، میں اس سے دربار مقابلہ کر کے
اسے مار دوں گا یا خود مر جاؤں گا۔ کیونکہ میں خود ہی دربار کا ایک معزز امیر ہوں اور حاجی پور
کی بنیاد میں ایک وقت میں ایک ہی نواں رہ سکتی ہے۔“

سپاہی نے جلانے ہوئے کہا: ”جب ہم نہ ہوں گے تو شادی خان بھی مقابلے پر مجاہد
گا لیکن ہماری موجودگی میں شادی خان کو صرف حکم ہی دینا چاہیے۔“

محبت خان نے ہتھیاروں پر نظر ڈالی۔ اس نے نیروں سے بھری نرکش شانے میں

بھوت گئی۔ دوسرے کی تلوار تو نہیں چھوئی لیکن کافی کوسخت جھٹکا ضرور لگا۔ محبت خان نے پھرتی سے اٹھ کر پے درپے دودا کر کے ان کی ٹانگیں تہمتی کر دیں، وہ بیچ مار کر مہیر ہو گئے۔

اس ہنگامے کی خبر ہی دُور دُور تک پہنچ چکی تھیں۔ محبت خان نے اس سنگین صورت حال سے گھبر کے دفعتی طور پر کہیں رو پوچھنا چاہا لیکن کہاں چھپے یہ بات سمجھ میں نہ آئی تھی۔ یہ بہاڑی جٹوں اور درختوں کی آڑ لیتا ہوا ایک ایسی جگہ پہنچ گیا، جہاں ایک پھر منور جھڑا گر رہا تھا۔ یہ جیسے تیسے چھترے کے قریب ایک چھترے سے غامدیں گھس گیا، اندر سخت اندھیرا تھا۔ وہ گمراہ کہیں کوئی مسانپ، پھتھر موجود نہ ہو جو دُور سے یاد آئے بلکہ موت تو اس کے تعاقب میں تھی، مابہرہہا تو شادی خان کے آدمیوں کا دھڑکا لگا ہوا تھا اور وہ اسے قتل کئے بغیر نہ رہتے۔ غار کے اندر کوئی نہر ملا کیڑا انھں کا کام تمام کر سکتا تھا۔ اُسے یہ منظور تھا کہ کوئی کپڑا اُسے ہلاک کر دے لیکن وہ تڑاکی خان کے کسی آدمی کے ہاتھوں مرنے کو ہرگز تیار نہ تھا۔ اُسے غار میں بڑے بڑے کافی دیر ہو گئی اور جہاں تک کہ اُسے بھوک ستانے لگی۔ اندر اندھیر کی درجہ سے یہ بھی نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ دن کتنا باقی رہ گیا ہے۔ بھوک کا اُس نے یہ علاج سوچا تھا کہ رات کو نکل کر وہ جھاڑی چھنوں کو تلاش کرے گا اور انہیں کھڑکے پیٹ کا جہنم بھجائے گا۔ اُس کی تیز فوٹ سامعہ باہر سے آنے والی آوازوں پر لگی اُڑتی تھی، کبھی گھٹنے بعد اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے باہر بہت سارے لوگ آچکے ہوں۔ لوگوں کی زور زور سے باتیں کرنے کی بے شک آوازیں بھی شامل ہو رہی تھیں۔ وہ لیٹ کر پیٹ کے بل سرکتا ہوا غار کے دہانے کے ذرا قریب چلا گیا۔ اس طرح وہ باہر کے لوگوں کی باتیں بھی سنا جاتا تھا۔ چانک شادی خان کی کی آواز سناؤ دی۔ وہ سسپی سے کہہ رہا تھا: ”ناہنجا رہد معاش مجھ سے بچے کے نکل نہیں سکتا۔ میں اس کی پوٹیاں چیل کوڑوں کو کھلاؤں گا“

جواب میں کسی مدح نہ کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ محبت خان یہ نہیں کہیں رو پوچھ رہے ہیں؟

شادی خان نے بڑک دلاؤ دیا ”جواب دیا“ وہ بے ادب اسی غار میں ہے۔ پھر چرچہ مگر کہاں محبت خان! باہر نکل آؤ گے تو تمہارے بڑا نقصان پہنچا یا ہے۔ میں نے پھر کبھی نہیں معاف کر دینے کو آدہ ہوں آدہ یہ معافی اس وقت مل سکتی ہے جب تک کسی منظر کے بغیر باہر نہیں آجاتے۔ محبت خان! تم نے جو کچھ کیا اُس کا کوئی حساب کتاب تم سے نہیں

چھٹائی، پیش قبض پہلو میں لٹائی اور عریاں تلوار ہاتھ میں لے لی۔ اُس نے دروازے کی جھری سے جھانک لے دیکھ۔ سپاہیوں کا دستار اس کے مکان کے آس پاس حواط چنکا جمع کر رہا تھا۔ وہ غمناک ہی سمجھ گیا کہ سپاہی اس کے مکان کو بچونک کر لے آئے باہر نکلے ہر ہر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کچھ گھبراہٹیں پھر حاضر دعا غی کام آگئی۔ اُس نے دروازے کی جھری سے آکھڑکاتے دیکھی۔ وہ آگ لگاتے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں گھاس پھوس اور کھڑکیوں کا ایک ڈھیر مکان کے آس پاس لگ گیا۔ پھر ایک شخص سنگتی، بونی نکڑی لے کر آس ڈھیر کی طرف بڑھا۔ محبت خان تیزی سے مکان کے دلالان میں گیا اور دیوار سے جھٹ پر چڑھ گیا۔ چھت کے چاروں طرف تقریباً نصف گراؤچی دیواریں اُٹھتی آتی تھیں اُس نے دیوار کی آڑ میں بیچھ کے مکان سنبھالی اور ترکش سے تیر نکال کر چلے ہیں کسا اور ایک سپاہی کو نشانہ بنا دیا۔ سناٹا ہوا تیر سپاہی کے حلق میں نزلہ نہ ہو گیا اور وہ بیچ مار کے ڈھیر ہو گیا بقیہ نو سپاہی جبروت اور خوف سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ تیر کہاں سے اور کدھر سے آیا تھا۔ تیر سپاہی اُسے والے سپاہی کے پاس پہنچ گئے اور اُسے بچنے کر ایک طرف لے جانے لگے۔ محبت خان نے ایک سپاہی کو درجہ دیا۔ یہ دوسرا تیر سپاہی کے سیرھے پہلو میں آڑا پیوست ہوا تھا۔ یہ سپاہی بھی بیچ مار کے دیوار ڈھیر ہو گیا اور اس بار وہ پھر یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ تیر کدھر سے آیا تھا۔ اب انہوں نے ازراہ احتیاط ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔ آگ بہت تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی، محبت خان نے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو بھی اپنے تیروں سے نرمی کر کے گمراہ دیا اور مکان کے پھیلے حصے سے بچان کر باہر پہنچ گیا۔ ایک سپاہی نے اسے اتنے ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اُس نے چیخا چلانا شروع کر دیا ”وہ رہا، وہ رہا، پکڑو ورنہ نہ پائے“

محبت خان نے دیوار کی آڑ سے تیر چھوڑنے سے منع کر دیتے۔ سپاہیوں پر بھڑاوسی طاری ہو چکی تھی لیکن اُنہ میں دوسرا سپاہی بڑے جری نکلے وہ درختوں اور پتھروں کی آڑ لیتے ہوتے محبت خان کی طرف بڑھنے لگے۔ ان سپاہیوں کی ہر قسمی یہ تھی کہ ان کے پاس تیر مکان نہیں تھے یہ دونوں بڑھتے بڑھتے محبت خان کے قریب پہنچ چکے تھے مکان کے گرد لگائی ہوئی آگ مکان کو جلا رہی تھی اور ادھر ادھر سے لوگ بھاگ بھاگ کر وہاں جمع ہو رہے تھے۔ محبت خان نے وہاں سے ماہ فرما اختیار کرنا چاہی، وہ ایک چھوٹی سی چٹان کی آڑ میں جیسے ہی پہنچا دونوں سپاہی اُس کے سر پر پہنچ گئے اور انہوں نے محبت خان پر حملہ کر دیا۔ محبت خان لیٹ گیا۔ دونوں کی تلواریں چٹان پر پڑیں۔ ایک کی تلوار ہاتھ سے

محبت خان خاموش رہا۔ اس طرح وہ انہیں اپنی عدم موجودگی کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ لیکن شادی خان کو پورا یقین تھا کہ محبت خان اسی غار میں موجود ہے۔ اس نے ایک بار پھر بیچ کر کہا۔ ”محبت خان! زیادہ چالاک نہ بنو۔ میں چاہتا ہوں تم فوراً باہر آ جاؤ اور ہم دونوں گہرے دوستوں کی طرح ہنسے کا ایک پائیدار عہد کریں۔“

محبت خان نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ شادی خان پھر چیخا۔ ”میں کہتا ہوں محبت خان! تم حماقت کا ثبوت نہ دو۔ خود آ جاؤ۔ میں نے غار کے باہر تمہارے قدموں کے نشان دیکھ لئے ہیں۔“

محبت خان بدستور خاموش رہا۔ شادی خان نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ ”محبت خان یوں نہیں مانے گا، ہم لوگ غار کے منہ پر دھواں کر دو، جب دھواں اندر بھرتے گا اور محبت خان کا دم گھٹے گا تو یہ گھبرا کر خود بخود باہر آ جائے گا۔ اس وقت اس کی جہاد کی کا امتحان بھی لے لیں گے۔“

شادی خان کے آدمیوں نے غار کے دیانے پر بہت ساری گھانسی پھونک دی۔ اس میں گیلی لکڑیاں ڈال دیں۔ ان گیلی لکڑیوں نے تیزی سے دھواں دینا شروع کر دیا۔ محبت خان کا خون خشک ہونے لگا۔ اب وہ غار میں مزید نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ دھوئیں کے غٹ غٹ غار میں داخل ہونے لگے اور اس پر کھانسی کا دورہ پڑا۔ کھانسی کی آوازیں باہر تک سنائی دیں۔ شادی خان خوشی میں چلا آیا۔ ”دیکھو میرا خیال درست نکلا نا محبت خان! اندر کھانسی سہا ہے۔ اب یہ کسی رعایت کا مستحق نہیں رہا۔“

محبت خان کو اپنا حشر صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے کھانتے ہوئے مشکل پیچ کر کہا۔ ”شادی خان! میں باہر آ رہا ہوں لیکن تمہیں قسم ہے کہ تم مجھ سے تہا مقابلہ کرنا۔ میں اپنی زندگی سے بیزار ہوں اور چاہتا ہوں کہ میں تمہارے ہاتھوں قتل ہو جاؤں۔ میں کسی معمولی سپاہی کے ہاتھ سے مرنے میں بے عزتی محسوس کرتا ہوں۔“

شادی خان نے خوشی میں قہقہہ لگایا۔ ”آ کر کہا۔“ محبت خان! اگر تم میری پہلی آواز پر باہر آ جاتے تو میں تمہاری ہر بات مان لیتا لیکن تم نے میری بات کا جواب تک نہ دیا اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں رہے اور مجھے نہیں (معاذم) کہ تمہاری موت کس شخص کے ہاتھوں مقدّر ہو چکی ہے۔“

محبت خان نے تلملہ کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور آنسوؤں سے لبریز آنکھیں

لمتا ہوا غار کے دیانے کی طرف بڑھا۔ وہ برابر کھانسی جا رہا تھا۔ شادی خان کے آدمی بہت کے فرشتوں کی طرح غار کے دیانے پر پھیل گئے اور تلوار کی نوکیں دیانے کی طرف کسریں۔ غار کے دیانے پر پہنچ کے محبت خان نے پوری قوت ارادی سے کام لے کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ آنکھیں ذرا سی کھلیں اور دھوئیں نے گھس کر انہیں پیر بند کر دیا۔ اس نے دھندلے دھندلے غار کے دیانے کی ایک جھلک دیکھ لی تھی جس میں بہت ساری تلواروں کی نوکیں اس کی طرف اٹھی ہوئی دکھائی دی تھیں۔ محبت خان نے سوچا اگر وہ اس حالت میں باہر نکلے گا تو بیک چھٹکے ہی قتل کر دیا جائے گا اور اندر کا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس نے جان پر کھیل کر غار میں دائیں بائیں کوئی تیار دستہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں اسے ایک تیار سا شگاف مل گیا۔ یہ شگاف پہاڑی کے پیچ سے پھٹ جانے سے پیدا ہوا تھا اور اس میں اتنی گھانسی موجود تھی کہ محبت خان اس میں داخل ہو کر جہاں تک کھانسی ہوتی چلا جاتا۔ جہاں دھواں بھی زیادہ نہیں تھا۔ محبت خان اس شگاف میں داخل ہوا اور آہستہ آہستہ اگے بڑھنے لگا۔ اس کے کھانسنے کی آواز بھی دور نہ ہونے لگی۔ شادی خان معلوم نہیں کیا سمجھا کہ چراغ کر بولا۔ ”محبت خان! باہر نکل آؤ ورنہ مر جاؤ گے۔“

محبت خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شادی خان کی کہیں دور سے آواز آئی۔ ”محبت خان! اسلام میں خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ دھوئیں میں گھٹ کر موت مرو، باہر آؤ۔ میں تم سے مقابلہ کروں گا یہ تمہیں کسی معمولی آدمی کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔“

آہستہ آہستہ دھواں کم ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن شگاف میں اس پاس ادھی ادھی دیواریں اس کا دم گھونٹے دے رہی تھیں اور یہ سوچ کر اور ہول اٹھ رہی تھی کہ تمہیں یہ شگاف ہگے جا کر بند نہ ہو گیا ہو۔ تقریباً پانچ چھ سو فٹ بعد یہ شگاف ختم ہو گیا اور محبت خان ایک چھوٹے سے پہاڑی دامن میں پہنچ گیا۔ وہ سستانے کے لئے ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ جہاں نہ دھواں تھا نہ شادی خان کا خوف تھا۔ اس نے ادھر ادھر تار تار نظریں ڈالیں اور وہاں سے بھی نکل گیا لیکن ابھی وہ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ شادی خان اس کے سر پر پتھر پھینک دیا، بولا۔ ”تم مجھ سے پیچ کر تمہیں جاسکتے محبت خان دیکھو میں نے تمہیں پکڑ لیا یا تمہیں؟“

محبت خان کے سر پر لکڑی کے گے۔ شادی خان نے اسی رخسار پر بے پرواہی سے کہا ”محبت خان! تم نے مجھ بہت پریشان کیا ہے اور اب بھی باز نہیں آؤ، لیکن تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ تمہارا واسطہ شادی خان سے پڑا ہے۔ وہ شادی خان جو حاجی پور میں سب سے

نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔“

محبت خان نے تلوار بلند کی اور شادی خان کی بے غرئی کر دی۔ بولا: ”شادی خان تو لڑو، یا تو میں تمہیں مار دوں گا یا پھر تم مجھے مار دو!“

شادی خان کا لہجہ ہی بدل گیا۔ بولا: ”محبت خان! میں پہلے ہی تمہیں یہ بتا چکا ہوں کہ اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں رہے، میں نے تمہیں فرار ہونے سے پہچن لیا ہے اب میں اپنی کسی رعایت سے تمہیں ذمہ نہیں پہنچا سکتا۔“

محبت خان نے تلوار سونت کے پینتر بولا اور شادی خان کی طرف بڑھا: ”چل! ادھر آ۔ میں تجھ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔“

شادی خان نے حیلہ کیا: ”میں تجھ سے لڑنا نہیں چاہتا محبت خان! ثوابت سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”میں تو اس وقت لڑنے کی کیفیت میں ہوں، میں کسی سے بھی لڑ سکتا ہوں۔“

شادی خان نے بھی تلوار سونت لی، بولا: ”اگر تو لڑنا ہی چاہتا ہے تو میں بھی تیار ہوں، حالانکہ میں تجھے اپنا قدر مقابل نہیں سمجھتا۔ میرے آدمی تیرا کام تمام کر سکتے ہیں۔“

محبت خان نے اس پر ہلکہ کر دیا۔ بولا: ”میں نے تیرے دس آدمیوں کو شکست دے کر اپنی برتری ثابت کر دی ہے اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ حاجی پور میں ہم دونوں میں سے کسی ایک ہی کو رہنا چاہیے۔“

شادی خان نے پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر محبت خان کا حملہ ناکام بنا دیا۔ محبت خان نے دوسرا دیکھا۔ شادی خان نے اس سے بھی بچا، نینسرا وار ہوا، شادی خان اس سے بھی بچ گیا، محبت خان بالکل ہودہ ہوا تھا۔ وہ شادی خان پر اندھا دھندہ حملے کر رہا تھا، شادی خان چلا یا۔ مقابلے کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں، تم وار کر چکے اب میرے وار روکو۔“

محبت خان کے ہاتھ ایک دم ٹک گئے۔ شادی خان نے دھوکہ دے کر ایک کھچرہ پور وار کیا، یہ وار اس کی گردن پر کیا گیا تھا۔ محبت خان نے جھک کر وار خالی جانے دیا۔ شادی خان نے دوسرا وار اس کے شانے پر کیا۔ محبت خان نے ایک طرف ہٹ کر اسے بھی خالی جانے دیا۔ بھگتا ہوا محبت خان جیسے جیسے شادی خان کے حملوں سے پرہیز کرتا تھا، شادی خان کی برائیاتی بڑھتی جا رہی تھی۔ شادی خان کے آدمی دور کھڑے نماشہ دیکھ رہے تھے۔ جب شادی خان کے سامنے وار خالی گئے

دوہ ذرا گھبرا یا اور پیچھے ہٹتا ہوا بولا: ”محبت خان! تم بہت ٹھکے ہو تے معلوم ہوتے ہو لئے میں تم سے مقابلہ نہیں کروں گا، میں اپنے کسی سپاہی کو تمہارے مقابلے پر بھیج دیتا ہوں، وہ تمہیں ٹھکے لگا کر تمہارا قصہ پاک کر دے گا۔“

محبت خان شہر کی طرح اس پر جھپٹا، بولا: ”کدھر جاؤ گے؟ (اڑ بھل انسان) میں تجھے جانے نہیں دوں گا۔ میں تیرے سپاہی سے لڑ کر خود کو ذلیل نہیں ہونے دوں گا۔“

شادی خان نے خود کو بچانے کی کوشش کی، لیکن زخمی ہو گیا، وہ غصے میں چلا یا۔ محبت خان! تم کمین بنے ہو میں باز آؤ گے، پھر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا: آگے بڑھو اور چاندوں طرف سے گھیر کر اس کا کام تمام کر دو۔“

شادی خان کے آدمی تیزی سے محبت خان کی طرف بڑھے۔ محبت خان ایک بڑی ٹان کو اپنی پشت پناہ بنا کے ان سب کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔

شادی خان ایک دوسری چٹان کے زیر سایہ بیٹھ کر بگڑی سے کپڑا اچھا کر رہا تھا۔ جیتے ہوئے خون کو روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے کہے کہ وہ مضبوطی سے پکڑی لپیٹ لیا اور ایک بڑے پتھر کو تکیہ بنا کے دلوں بائند گدی پر رکھنے اور آرام سے بٹ کر محبت خان کی جگہ دیکھنے لگا۔ محبت خان تنہا تقریباً بیس آدمیوں سے لڑ رہا تھا۔ وہ دوران شادی خان نے اپنی پشت پر آٹھیں محسوس کیں۔ وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا اور بوم کر پیچھے دیکھنے لگا، پیشی بیگم اپنے چہرے کو نقاب میں چھپاتے، تقریباً پچاس محافظوں اپنے پیچھے لئے اس کے پاس پہنچ چکی تھیں، وہ شادی خان کے قریب پہنچ کر کھڑی ہو گئی۔ ادی خان اٹھ کر بیٹھ گیا اور جلدی جلدی کہنے لگا: ”بیگم صاحبہ! یہ محبت خان بڑا ذلیل ٹان ہے اس نے میری حکم عروالی کی، میرے سپاہیوں کو ہلاک کیا اور ابھی تھوڑی دیر پہلے لڑ کر دینا چاہتا تھا، اس نے مجھے زخمی کر دیا۔ اس لئے میں نے اپنے آدمیوں کو حکم دے دیا کہ محبت خان کا کام تمام کر دو۔“

پیشی نے شادی خان کو سرسری نظروں سے دیکھا اور محبت خان کے مقابلے منظر دیکھنے لگی۔

شادی خان نے درخواست کی: ”بیگم صاحبہ! اپنے محافظ دستے کو حکم دیجئے کہ وہ نا سکرش کو ٹھکے لگا دے، اور دھی دربار نے کچھ سمجھ کر ہی اس خطرناک شخص کو رہا کیا ہے۔“

پیشی خاموش رہی اور بدستور بے چینی سے لڑائی کا منظر دیکھنے لگی۔ شادی

خان نے پیشی کے محافظوں کو حکم دیا۔ ”تم لوگ کھڑے شکل کیا دیکھ رہے ہو، آگے بڑھو۔“ اس موذی کا کام تمام کر دو۔“

لیکن پیشی نے مداخلت کی، اس نے شادی خان کو حکم دیا۔ ”تم اپنے آدمیوں جنگ بندی کا حکم دے دو، اب یہ تماشہ ختم ہو جانا چاہیے۔“

شادی خان بے چینی میں کھڑا ہو گیا، بولا۔ ”یہ کیوں، یہ کیوں؟“ آخر کیوں نہ ہو اس شخص کے خلاف جنگ بندی کا اعلان کر دینا مناسب ہے جس نے ہمارے کئی آدمی کو قتل کر دیا ہے!“

پیشی بیگم نے جواب دیا۔ ”یہ اس کی خوش قسمتی اور بہادری کی بات ہے کہ حملہ آوروں میں بھی زندہ اور محفوظ رہا، ورنہ اس کی جگہ اگر کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس کے کب کے ٹکڑے ہر جگہ ہوتے۔“

شادی خان نے تلخی سے کہا، ”میں جنگ بندی کا حکم نہیں دے سکتا میں اپنے دل محبت خان کا جو دردداشت نہیں کر سکتا۔“

پیشی نے گھوم کر اپنے محافظوں کی طرف دیکھا اور انہیں حکم دیا۔ ”آگے بڑھو، تم لوگ میرے مقابلے پر ڈھارہتا تو شاید اس وقت تو اور بزدل جنگ بند کرادو۔“

اس وقت تک محبت خان کے جسم پر کئی زخم آچکے تھے اور شادی خان کے آدمی موت کے گھاٹ اتر چکے تھے اور کئی زخمی بڑے سسک رہے تھے۔ پیشی کے سپاہیوں اور اپنے دلوں کے عناد اور بغض کو خلوص اور محبت کے پانی سے دھو ڈالو۔“

محبت خان نے کہا، ”میں شادی خان کو کل تک اپنا دوست ہی سمجھتا تھا لیکن میں اعلان ہو چکا ہے، اپنی تلواریں نیام میں ڈال کر پیچھے ہٹ آؤ۔ ورنہ تمہارے خلاف خونخواری تلواروں کی فضا میں پھنسے یا اپنی تلوار کو نیام میں رکھ کر خودکشی کرنے کا منکب ہونا کس کا مردانی کی جلتے گی۔“

شادی خان کے آدمیوں نے اپنے اس پاس پیشی کے ساتھ دم سپا ہیوں کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ اور اپنی تلواریں نیام میں ڈالنے لگے۔ شادی خان بے بسی سے کارروائی دیکھ رہا تھا۔ محبت خان کی سمجھ میں یہ معاملہ نہیں آ رہا تھا۔ وہ بہت ڈر چکا تھا اور اس کے زخموں سے خون اس رہا تھا۔ اس نے چٹان سے پشت لگا دی اور دھندلے نگاہوں سے اپنے سامنے موجود آدمیوں کو دیکھنے لگا۔ اس نے کہنے کے دیو کو میرا ہی جیسا کوئی دوسرا شخص جب تک مجھ پر اپنی فوقیت اور برتری ثابت نہ کر دے سے جہرے کا پسینہ پونچھا۔

پیشی آہستہ آہستہ محبت خان کی طرف بڑھی، شادی خان حسد و رقابت اسے دیکھتا رہا اور جب بابت ناقابل برداشت ہو گئی تو وہ خود بھی پیشی کے پیچھے چلنے لگا ہے۔“

بخشی نے کہا: "میں پہلے ہی تم دونوں کو مشورہ دے چکی ہوں کہ دونوں اپنے اپنے دلوں سے کدورتیں دور کر کے دوستی کرو۔"

محبت خان نے جواب دیا: "میری شادی خان سے کوئی دشمنی نہیں۔ میں اب بھی اسے دوست ہی ماننے کو تیار ہوں بشرطیکہ یہ خود بھی مجھے اپنا دوست تسلیم کرے۔"

بخشی نے شادی خان کو حکم دیا: "شادی خان! تم میرے کہنے سے محبت خان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دو۔ اس مہارافغان کی دوستی کس بھی شخص کے لئے باعث فخر و زیادہ دیر ٹھہرے۔ وہ اسے کس طرح روکے، یہ بات اس کی سیدھی سادہ عقل میں نہیں آتی۔ محبت خان کھڑا ہو گیا۔ شادی خان مندرجہ بالا بخشی نے شادی خان سے کہا: "اے محبت خان! تم سبقت لے جاؤ کیونکہ پھل دار شاخ ہمیشہ جھکی رہتی ہے۔"

شادی خان نے بدھ جھجھوری اپنا سیدھا ہاتھ محبت خان کی طرف بڑھا دیا۔

خان بھی اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر بڑھا اور اپنا ہاتھ شادی خان کے ہاتھ میں دے دیا۔

خان نے سر ہری سے محبت خان کا ہاتھ دیا اور چھوڑ دیا۔

بخشی نے کہا: "میرا خیال ہے اب تم دونوں ایک دوسرے کو اپنا دوست سمجھو گے؟"

محبت خان نے جواب دیا: "میں نے شادی خان کو بھی اپنا دشمن نہیں سمجھا۔"

شادی خان نے کہا: "میں واقعی محبت خان کو اپنا دوست ہی سمجھتا اگر اس نے یہ چند آدمیوں کو ہلاک نہ کیا ہوتا۔"

بخشی بیگم نے جھنجھلا کر کہا: "شادی خان! میں تمہاری عزت کرتی ہوں تم بھی انہیں تول اور فعل سے اس عزت کو قائم رکھنے کی کوشش کرو، جب تم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کے ملا لیے تو اب اس دوستی کو برقرار رکھو اور اپنے دلوں سے بعض وعدہ و وعادی کو دھوا کر ڈالو۔"

شادی خان جب ہر دو اور محبت خان باہیکہ جالیوں میں چھپے ہوئے بخشی کے حسین چہرے کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

طیب نے جواب دیا: "زیادہ سے زیادہ تین دن اور لگیں گے۔"

بخشی نے کہا: "اور صحت مند ہونے میں کتنے دن لگیں گے؟"

طیب نے جواب دیا: "زخموں سے خون اتنا بہا ہے کہ اس کمی کی بحالی میں کافی دن لگ جائیں گے۔"

بخشی نے طیب کو حکم دیا: "اب تم جا سکتے ہو۔"

طیب اسی وقت چلا گیا۔ بخشی، محبت خان کو دیکھنے لگی۔ محبت خان نظریں جھپانے لگا۔ کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش رہے۔ آخر یہ سکوت بخشی نے توڑا: "تم نے شادی خان کا حکم کیوں نہیں مانا تھا؟"

محبت خان نے جواب دیا: "مجھے شادی خان کی اصل حیثیت کا اب تک علم نہیں، میں حاجی پور کو ایک خاندان اور اس خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے آپ کی ذات سے واقف ہوں، بقیہ کون کیا ہے؟ میں نہیں جانتا۔"

بخشی نے آہستہ سے کہا: "ہونہ۔ لیکن تمہیں جھگڑے کو اس حد تک طول نہیں دینا چاہیے تھا۔"

محبت خان نے جواب دیا: "جھگڑے کو طول میں نے نہیں خود شادی خان نے۔"

بخشی، محبت خان کو اپنے ساتھ ہی لے آئی تھی۔ اس نے اپنے طیب خاص سے خان کا علاج کرایا۔ یہی طیب شادی خان کا علاج بھی کر رہا تھا اور یہ بھی بخشی کے قریب

دیا تھا۔“

ہیکاتم نے شادی خان کو دل سے اپنا دوست بنا لیا ہے۔“

طیب نے کہا، ”تم جنگ جوگروں کا اصل ٹھکانا میدان جنگ ہے جو دنیا کے بہادروں کو زیر کر لیتے ہیں، انہیں عورتوں کے ہاتھوں مفتوح نہیں ہو جانا چاہیے۔“

”ہاں۔ محبت خان نے جواب دیا۔ گوکہ اس نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے لیکن میں نے

آپ کی خواہش اور خوشی کی خاطر اسے اپنا دوست بنا لیا ہے۔“

بعد میں اسے بخشی کا یہ پیغام ملا کہ وہ کہاں رہنا پسند کرے گا؟ شادی خان نے ناخوش

بخشی نے کہا، ”میں نے شادی خان کو بھی سمجھا دیا ہے، لیکن جہاں تک میں اسے تعلقات کے پیش نظر بخشی کو اس بات کی فکر لاحق ہو گئی تھی، اس نے اپنے پیغام سے یہ واضح

سمجھا سکی ہوں، اس کا سید کسی وقت بھی کہنے سے خالی نہیں رہتا، اس سے ہوشیار رہنا۔“

لہذا بخشا کا گمردہ بخشی کے مہمان رہنے کے بجائے کہیں اور رہنے کی خواہش رکھتا ہے تو اس

محبت خان نے جوش میں کہا، ”میں شادی خان تو شادی خان، لودھی حکمران تک

بہن بخشی کو کوئی اعتراض نہ ہو گا ہاں اس صورت میں اسے محبت خان کی فکر ضرور رکھی رہے گی

سے نہیں ڈرتا۔ شادی خان اگر میری پشت سے واپس نہیں کرے گا تو اسے منہ توڑ جواب دے

ہے گا تو بخشی اس کی جان وال کی خدما میں رہے گی۔ محبت خان نے اس پیغام کے جواب میں

بخشی نے کہا، ”لیکن میں یہ بھی پسند نہیں کرتی کہ تم دونوں برابر جھگڑتے رہو۔“

خود ہی یہ کہہ دیا کہ وہ محل میں بخشی کے قریب ہی رہنے کا خطا مستمند ہے۔ بخشی نے اسے

محبت خان نے جواب دیا، ”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ شادی خان سے جھگڑنے

پنہ محل کے قریب ہی رہنے کی جگہ دے دی۔

ایک غصے سے شادی خان اس سے ملنے آیا۔ بولا، ”دوست محبت خان اسنے میں بخشی

میں پہل نہیں کروں گا۔“

بخشی نے کوئی جواب دیتے بغیر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور چلی گئی۔ محبت خان

”تم بہت بہتر ہو رہا ہے۔“

محبت خان نے جواب دیا، ”نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔“

شادی خان نے اپنے آس پاس نظرس ڈالیں اور سرگوشی میں کہا، ”محبت خان اتم

ایک غیرت مند بہادر افغان ہو، میری تنہا ہی کوئی دشمنی بھی نہیں، کیا تم میری نصیحتیں

سننا گوارا کرو گے؟“

محبت خان نے طنزاً کہا، ”نہایتیں تو کسی سے بھی سن سکتا ہوں لیکن ان پر عمل پیرا

طیب نے محبت خان کو کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ محبت خان نے کہا، ”تم میری

صورت کیا دیکھ رہے ہو، میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ شادی خان کہاں ہے؟“

طیب نے جواب دیا، ”شادی خان کب کا اچھا ہو چکا اور اب وہ اپنے گھر جا

چکا ہے۔“

محبت خان نے کہا، ”اس کا گھر کہاں ہے؟“

طیب نے چڑ کر جواب دیا، ”تم شادی خان کی فکر مت کرو، تم کسی اچھے خاندان کے

نوجوان نظر آتے ہو، حاجی پور کتنے دنوں کے لئے آتے ہو؟“

محبت خان نے کہا، ”یہ مجھے معلوم نہیں یہاں کتنے دن رہوں گا اور شاید مستقل ہی

رہ جاؤں۔“

۳۰

۲۱

شادی خان نے اس کا منہ پھڑپھڑایا۔ بولا: "اس دن اگر بخشنی نہ پہنچ گئی ہوتی تو تمہاری ہڈیوں کا بھی پتہ نہ ہوتا۔"

محبت خان نے تحمل سے کہا: "اور شاید تمہاری بھی۔"

شادی خان غصے میں اٹھ کر چلا گیا۔

اس شام اس کے پاس بخشنی بھی پہنچ گئی۔ سیاہ کپڑوں میں ملبوس بخشنی قیامہ بنی ہوئی تھی، اس وقت وہ بہت اداں تھی، اتنے ہی محبت خان سے پوچھا: "کیا آج تمہارے پاس شادی خان آیا تھا؟"

محبت خان نے جواب دیا: "ہاں آیا تھا، کیوں، کوئی خاص بات؟"

بخشنی نے افسردہ لہجے میں پوچھا: "وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

محبت خان نے کہا: "وہ مجھے احمق کہتا تھا اور اگر میں نے آپ سے یہ دہرایا تو ہوتا کہ شادی خان سے نہیں جھگڑوں گا تو آج اسے میں احمق کہنے کا مزہ ضرور چکھا دیتا۔"

"اور کیا کہتا تھا؟"

"اور کیا کہتا۔" محبت خان پس و پیش میں پڑ گیا کہ شادی خان کی ساری باتیں بھرتے بھرتے یا نہ بتائے۔

بخشنی نے کہا: "کس سوچ میں پڑ گئے؟ وہ اور کیا کہتا تھا؟"

محبت خان نے جواب دیا: "وہ کہتا تھا، میں آپ کی باتوں پر اعتبار نہ کروں، آپ ظالم ہیں۔ آپ نے کتنے ہی بہادروں کو رو بہ ناک چھڑ دیا ہے۔"

بخشنی کے چہرے پر اوردہ یادہ اداں سی عینل گئی، بولی: "محبت خان! شادی خان جو ہے، میں نہ تو ظالم ہوں اور نہ ہی بے وفا۔" پھر اس نے اپنے سیاہ لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "تم میرا سیاہ لباس دیکھ رہے ہو؟"

محبت خان اس کا سیاہ لباس بغور دیکھنے لگا۔ بخشنی کہتی رہی: "آج میرے مرحوم شوہر کی برسی ہے۔ آج اسے مرے ہوئے پورے چار سال بیت گئے ہیں۔ لیکن تم یقین کرنا وہ مجھے آج بھی یاد ہے، ہنوز دفنہ اول کی طرح۔ میں اسے بھلا دینا چاہتی ہوں لیکن نہیں بھلا پاتی۔"

محبت خان کو بخشنی پر غڑا ترس آیا، بخشنی کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئی تھیں وہ رُک رُک کر بولتی رہی: "شادی خان مجھے ظالم کہتا ہے حالانکہ میں نے اس پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ نہ ہی میں نے کسی بہادروں کو رو بہ ناک کیا۔ یہ کچھ پورا الزام ہے، بہتان ہے، ہمت ہے۔"

انفوس کہ میں شادی خان کو اس الزام کی سزا بھی نہیں دے سکتی۔"

محبت خان نے کہا: "لیکن میں آپ کے ہر حکم کی بجا آوری کو حاضر ہوں کہیں تو میں شادی خان کو وہ سزاؤں کہ بھڑک بھی بھی آپ کو ظالم نہ کہہ سکے۔"

بخشنی نے رومال سے آنسو پونچھے، بولی: "مہیں، میں شادی خان کو کچھ بھی نہ کہوں گی، اس کی ناک بالکل میرے مرحوم شوہر جیسی ہے اور اس کی بھنڑیں بھی میرے مرحوم شوہر کی طرح ہیں، بس انہی مشابہتوں نے مجھے اس پر مجبور کر دیا ہے کہ میں شادی خان سے محبت کروں، میں شادی خان کو چاہتی ہوں اگر میں شادی خان کے بقول ظالم ہوتی تو آج کے بعد وہ حاجی پور میں نظر بھی نہ آتا، لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

محبت خان کو جھپکرتے لگا، ایسا لگا، جیسے دنیا گھوم رہی ہے، بخشنی سر ہلا اظہار کر رہی تھی کہ وہ شادی خان کو چاہتی ہے، اس سے محبت کرتی ہے، اس نے سوچا، اگر میری درست ہے تو پھر بخشنی کے دل میں محبت خان کا کیا مقام ہوگا؟ شاید کچھ بھی نہیں۔ اس کا دل حاجی پور سے ایک دم اچاٹ ہو گیا۔

بخشنی کی آنکھیں ڈھیر باگتی تھیں۔ اس نے کہا: "تم خود کو ہی لے لو میں چاہتی تو تمہیں شادی خان کے ہاتھوں قتل ہو جانے دیتی۔ لیکن میں ایسا کس طرح چاہ سکتی تھی، محبت خان! انفوس کہ تم نے میرے شوہر کو نہیں دیکھا اگر دیکھتے تو یہی کہتے کہ اسے اس کی آنکھیں تو بالکل میری جیسی ہیں اور اس کے ہونٹ تو بالکل ہو بہو تمہارے جیسے تھے، تمہارے بال بھی بالکل میرے مرحوم شوہر کی طرح ہیں اور جب تم چلتے ہو تو جس نے بھی میرے شوہر کو دیکھا ہے، تمہیں چلتا دیکھ کر یہی کہے گا کہ حاجی پور کا مرحوم قلعہ دار چل رہا ہے۔ تمہاری انہی خصوصیات نے مجھے تمہاری طرف راغب کر دیا ہے اور آج میں اپنے دل میں تمہارے لئے بھی کسک حسوس کرتے لگی ہوں، کیا تم بھی مجھے ظالم کہہ سکتے ہو؟"

محبت خان کو حاجی پور بھر دلکش نظر آنے لگا۔ اس نے بتنا شروع لہجے میں کہا: "میں آپ کو ظالم نہیں کہہ سکتا۔"

بخشنی نے آہستہ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، بولی: "تب پھر تم مجھے سہارا دو، میری مدد کرو، میں اپنی مدد پر کسی بھی جالے کو باسائی آگاہہ کر سکتی ہوں، لیکن میں ایسا نہیں کروں گی، بھان مردوں کی تلاش رہتی ہے جن میں میرے شوہر مرحوم کی مشابہتیں پائی جاتی ہیں مجھے اپنے شوہر سے عشق تھا اور یہی وجہ ہے کہ میں ہر اس شخص سے عشق کرتے رہی ہوں جو ہر اس میں میرے مرحوم شوہر کی شبہ ہو۔"

محبت خان نے بخشی کے گلابی ہاتھ آہستہ سے دیا تے اور پھر انہیں اپنے ہنڈیوں سے لگا لیا۔ بخشی نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ محبت خان کے دل و دماغ غبارے کی طرح بلندی میں اڑنے لگے۔ اسے بخشی کے سوا دنیا کی ہر شے بیچ اور کمتر نظر آ رہی تھی۔

★

★

★

اب وہ بخشی کا دروازہ بردار ملازم بھی تھا اور سعادت مند عاشق بھی۔ اب اس کی نظر میں شادی خان بھی کچھ نہ تھا۔ اس نے کبھی بار بخشی کو شادی خان کے خلاف سمجھا یا بھی لیکن بخشی نے اس کا کوئی خاص اثر نہیں لیا۔ شادی خان بھی اس تماشے کو نہ کر اور توشیح سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کبھی بار محبت خان کو تنبیہ بھی کی کہ زیادہ نہ اڑے، ورنہ سارا لشکر اڑا دیا جائے گا۔ محبت خان نے ہمیشہ یہی کہا کہ اب وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ خدا اور قسمت اس پر مہربان ہیں اس لئے اس کا کوئی کچھ بھی نہیں لگا سکتا۔ لیکن خود بخشی کو اس لڑائی جھگڑے سے نفرت تھی۔ وہ دونوں ہی کو بہر سکون رہنے کی تلقین کرتی رہتی۔

اس دن بخشی محبت خان کے ساتھ باغیچے میں جہل قہمی کر رہی تھی۔ بخشی اس سے ابراہیم لودھی اور اس کے درباریوں کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کر رہی تھی اور محبت خان کو جس شے کے بارے میں جتنا علم تھا ان کا اتنا ہی جواب دیتے جا رہا تھا۔ بخشی نے پوچھا: ”آخر افغان امراء ابراہیم لودھی سے بدظن اور نالاں کیوں رہتے ہیں؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”ابراہیم لودھی شخص کو ملازم سمجھ لیتا ہے اور اس کی اس بدبینی اور ظلم نے ہر شخص کو اس کا دشمن بنا ڈالا ہے۔“ بخشی نے ہنس کر کہا: ”تعجب ہے کہ پورے ہندوستان کا بادشاہ لودھی اپنی سلطنت کا انتظام نہیں کر سکتا۔“

محبت خان نے کہا: ”لوگوں کے دلوں کو محبت اور خلوص سے تو جیتا جا سکتا ہے لیکن نفرت اور اکڑ دوز سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ ابراہیم لودھی سارے کام طاقت اور نفرت سے نکال لینا چاہتا ہے جو ناممکن ہے۔“

بخشی نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا: ”محبت خان! تم شادی خان کو سمجھاؤ۔ وہ بے کار باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ میرے دل میں اس کے لئے بڑی

عزت موجود ہے۔“

محبت خان نے جواب دیا: ”لیکن میں خود آپ کو یہی مستورہ دینا چاہتا ہوں کہ مردار بڑی اہم شے ہے اس کی ہر قیمت پر حفاظت کرنی چاہیے۔ شادی خان سے کچھ رہنا ہی بڑی عقل مندی کی بات ہوگی۔ سچے یہ شخص کچھ چاہ نہیں۔ ممکن ہے اس کی خوبیاں میں نہ دیکھ سکا ہوں۔ اور آپ نے دیکھ لی ہیں۔“

بخشی نے اسے ڈانٹا، بولی: ”محبت خان! میں نے تمہیں یہ حق نہیں دیا ہے کہ تم شادی خان کو بڑا بھلا کہنے لگو۔ میں ایک بار پھر تمہیں یہ یاد دلاؤں گی کہ تم دونوں نے آپس میں نہ جھگڑنے کا عہد کیا ہے اور تم دونوں میں سے جو بھی اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا، میری نظروں سے گرجائے گا۔“

محبت خان نے بخشی کے دل میں جگہ تو بنالی تھی لیکن شادی خان کو اس کے دل سے نہیں نکال سکا تھا۔ وہی جذبہ حسد و رقابت جو پہلے شادی خان کے دل میں محبت خان کے خلاف پایا جاتا تھا، اب محبت خان میں پیدا ہو چکا تھا۔ بخشی اپنی مرضی کی ایک نئی اُسے جبراً اپنی مرضی پر نہیں چلایا جا سکتا تھا۔ آخر یہ سیرج کراہتیں نے اپنے دل کو تعلق دی کہ جس طرح اس نے بخشی کے دل میں جگہ بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے اسی طرح ایک نہ ایک دن وہ شادی خان کو اس کے دل سے نکال دینے میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔

رات کو کھانے میں تینوں ایک ساتھ بیٹھے۔ بیچ میں بخشی بیٹھی تھی اور اس پاس محبت خان اور شادی خان بیٹھ گئے۔ بخشی کی کینز اور خدمت گار مرد و بچے کھڑے ہو گئے۔ بخشی فرمائش کر کے دونوں کو کھلاتی رہی خود بہت کم کھا رہی تھی۔ دونوں ہنس ہنس کے کھا رہے تھے اور آپس میں ہنسی مذاق بھی کرتے جا رہے تھے لیکن دونوں کے انداز یہ بتاتے تھے کہ ان کے دل ایک دوسرے سے صاف نہیں ہیں۔ چالاک بخشی بھی ان دونوں کی اندرونی کشمکش اور کیفیت سے بخوبی واقف تھی۔ اس موقع پر بخشی نے بڑی دلچسپ اور نفسیاتی گفتگو منظر پر کی۔ اس نے محبت خان سے دریافت کیا: ”محبت خان! تمہارے والد نے کتنی شادیاں کی تھیں؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”دو مرتبہ، ایک نہ رہا ہے۔“

بخشی نے شادی خان سے سوال کیا: ”اور شادی خان تمہارے باپ نے؟“

شادی خان نے جواب دیا: ”دو شادیاں اور یہ دونوں ہی پیشیالی ہیں۔“

زمرہ ہیں۔“

شادی خان نے طنزاً سوال کیا: "تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں بخشش کے پاس
چھوڑ کے چلا جاؤں گا؟"

بخشش نے کہا: "میں خود بھی چاہتی ہوں کہ تم دونوں ہی میرے پاس رہو۔
ادراک دوسرے کو ایسا دوست سمجھنے لگا اور اگر تم دونوں ہی مجھے چاہتے ہو تو تمہیں میری
یہ بات ماننی پڑے گی؟"

محبت خان خاموش ہو گیا اور شادی خان اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتے لگا۔
بخشش نے کہا: "تم دونوں میں میرے مرحوم شوہر کی مشابہتیں پائی جاتی ہیں اس لئے
میں دونوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں؟"

محبت خان نے طنزاً بوجھا: "اگر دو چار ایسے آدمی اور مل گئے جن میں تمہارے شوہر
مرحوم کی مشابہتیں موجود ہوں تو ان کے ساتھ تمہارا کیا سلوک ہوگا؟"

شادی خان نے بخشش کو محبت خان کے خلاف چڑھایا: "اس گستاخی کا بھی کوئی
جواب ہے محبت خان کو ایسی بات تمہیں کرنی چاہیے؟"

محبت خان نے جواب دیا: "یہ تین افراد کی بے تکلف مجلس ہے اس میں آزاد گفتگو
سے گمراہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ہمارا حق ہے؟"

بخشش نے مسکراتے محبت خان کی تائید کی: "جی؟ میں تمہاری بات سے منفق ہوں۔" پھر
شادی خان کو مسکراتے دیکھا اور کہنے لگی: "شادی خان! آخر میں بھی تو کچھ اسی فتنہ کی
گفتگو کر رہی ہوں؟"

محبت خان نے کہا: "پھر میرے سوال کا جواب عنایت ہو؟"
بخشش نے جواب دیا: "میرے شوہر جیسی مشابہتیں اور مشابہتیں رکھنے والوں کو میرے
سامنے آنے تو دور بچھڑ کوئی فیصلہ کروں گی؟"

محبت خان کو ایک عورت کی ایسی صاف گوئی پسند نہ آئی۔ وہ اڈا اس ہو گیا لیکن شادی
خان اتنا اڈا اس نہ تھا۔ وہ محبت خان کو اڈا اس دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ کیونکہ محبت خان کی
اداسی اور افسردگی کسی وقت بھی اس کی بخشش سے بچھا چھڑا سکتی تھی۔ یہ اڈا اسی کا دورہ
اس کی پیر کی دن تک پڑا چلا لاک بخشش اس کی اس کیفیت کو گہری نظروں سے دیکھتی اور اس کی
سبب سمجھتی رہی۔ اسی دوران لودھی دربار کے جن افراد پر مشتمل ایک وفد آ گیا۔ یہ وفد بخشش
سے امداد و اعانت حاصل کرنے آیا تھا۔ اس وفد میں لودھی نے اس سے پانچ ہزار فوجی، ایک ہزار
گھوڑے اور چوبیس ہاتھی طلب کیے تھے کیونکہ فرغانہ کا مغل فرمان روا بارہوہلی کی طرف بڑھا

بخشش نے کہا: "خدا نے مردوں کو بڑی چھوٹ دی ہے، کیا ایک عورت ایک وقت
میں دو مردوں سے شادی نہیں کر سکتی؟"

محبت خان نے ناگواری سے جواب دیا: "میں ایسا نہیں ہو سکتا۔"
بخشش نے شادی خان کی طرف دیکھا اور بوجھا: "اس سلسلے میں تم کیا
کہتے ہو؟"

شادی خان نے جواب دیا: "کم از کم ایک افغان یہ بے غیرتی برداشت
نہیں کر سکتا۔"

محبت خان نے کہا: "کبھی بھی نہیں، کسی حالت میں بھی نہیں، اس بے غیرتی
سے موت ہزار درجہ بہتر ہے؟"

بخشش نے ہنس کر مذاقاً بوجھا: "اگر ایسا تجربہ کیا جائے تو کیسا رہے؟"
محبت خان نے نفرت سے جواب دیا: "اس میں ایک آدمی کی جان جا سکتی ہے۔"

شادی خان نے کہا: "افغان اپنی غیرت سے بچنا جانتے ہیں۔"
بخشش نے کسی چیز کا شور یا پینا شروع کر دیا: "پھر منہ بوجھتی ہوئی بولی۔ یہ تجربہ

میں کرنا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں تم دونوں آپس میں دوستی اور یگانگت کو برقرار رکھو
اور میرے لئے درد سر کا باعث نہ بنو؟"

دونوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہمارے دونوں کے چہرے نمٹنے لگے۔ محبت خان کا
نوالہ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بولا: "کم از کم میں اس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور
حاجی پور سے کہیں اور چلا جاؤں گا؟"

شادی خان نے خوشی کا اظہار کیا، بولا: "محبت خان! ہم نے بالکل صحیح فیصلہ کیا۔
میں تمہارے فیصلے پر مبارکباد دیتا ہوں، تم جتنی جلدی حاجی پور سے چلے جاؤ گے تمہارے حق
میں بہتر ہوگا؟"

محبت خان نے نوالہ پھر اٹھا لیا اور اسے منہ میں رکھتا ہوا بولا: "میں تمہیں خوش
کرنے کے لئے حاجی پور نہیں چھوڑوں گا۔ میں کیوں جاؤں۔ حاجی پور تو تمہیں چھوڑنا چاہیے؟"

بخشش کو ہنسی آگئی۔ اس کے منہ سے شوہر با بہر نکلا۔ بولی: "خوب گویا تم دونوں
ہی میرے پاس رہنا چاہتے ہو؟"

محبت خان نے کہا: "شادی خان مجھے چلتا کر کے خود تمہارے پاس ہی رہنا چاہتا ہے
اور یہ ظاہر ہے کہ میں اس کو اتنا خوش قسمت نہیں بننے دوں گا؟"

چلا آ رہا تھا۔ بخشی نے وفد سے بات چیت کرنے پر شادی خان کو متعین کر دیا۔ محبت خان نے بخشی سے درخواست کی کہ اسے بھی فوجیوں کے ساتھ باہر کے مقابلے پر روانہ کر دیا جائے لیکن بخشی نے اس کی درخواست مسترد کر دی، بولی "محبت خان! تم ہمیں حاجی پور میں رہو! اگر کسی اچھے فوجی کا بھیغنا ضروری ہو تو وہیں شادی خان کو روانہ کر دوں گی"۔ محبت خان کے دل میں امید کی کرن چھطلارے ہو گئی۔ پوچھا "کیا شادی خان اس مہم میں شامل ہو جانا یا سانی قبول کرے گا؟"

بخشی نے تیرہ یوں پہ بل ڈال کے کہا "کیا مطلب؟ شادی خان میرا ملازم بھی ہے۔ کیا وہ میرے حکم کے خلاف دم مارتے کی بھی ہمت کر سکتا ہے؟" محبت خان کی آنکھوں میں محبت کی شراب جھلکنے لگی، سامنے بخشی بھی مکرری تھی اور اس کی آنکھیں بھی کچھ چاہنے کی سستی سے لبریز ہو گئی تھیں۔ اچانک اس پر غشی کا دورہ پڑا اور وہ گرنے لگی لیکن اس گرنے میں بھی اتنا ہوش موجود تھا کہ اس نے محبت خان کا شانہ بڑھایا۔ محبت خان نے بھی اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ بخشی میں اتنی طاقت بھی نہ رہی تھی کہ اپنی لکڑی اور اختیار سے خداسی جنبش تک کر سکتی۔

دھائے، اس کی منقش اور آنسو سی مہری تک لے گیا۔ مہری پر ریشمی چادر بھی تھی اور سر ہانے درنگے رکھے تھے جن پر ردھوپ چھاؤں کے ریشمی غلاف چڑھے تھے پائنتی پر ہلکی ڈلائی پڑی تھی۔ محبت خان نے بخشی کو مہری پر ڈال دیا۔ وہ مہرت گھرا یا ہوا تھا کہ بخشی کو معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے وہ جھک گیا اور سبے تابی سے پکاسے لگا۔ "بخشی، بخشی! آنکھیں کھولئے، یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ خیریت تو ہے؟"

بخشی نے کوئی جواب نہ دیا، بس بھیچ بھیچی نظروں سے اسے دیکھتی رہی محبت خان نے اسے شانے سے بڑھ کر ملایا۔ "یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے بخشی؟ کچھ بولتے تو؟" "بخشی نے نہ سیر لب کچھ کہا، جو محبت خان کی سمجھ میں نہ آیا۔" محبت خان نے پوچھا "کیا میں آپ کے طبیب خاص کو بلواؤں؟"

بخشی نے بے چینی سے نفی میں سر ہلانے پر درہم کردی۔ محبت خان نے پھر پوچھا "پھر میں کیا کر دوں؟ یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے بخشی؟" بخشی نے ہاتھ کے اشارے سے، زور نہ دے، اپنے ہوتے ملنے کے دروازے

کو بند کر دینے کی خواہش کی۔ محبت خان نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا اور دوبارہ بخشی کے پاس چلا گیا۔ بخشی نے اسے کھڑے دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے مہری پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ محبت خان ڈرتے ڈرتے جھکتے جھکتے مہری کی بیٹی بڑھ چکا۔ بخشی نے وارفتگی میں محبت خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خفیف آواز میں بولی "محبت خان مجھے وحشت ہو رہی ہے، مجھے معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے، میرے سینے میں درد ہو رہا ہے۔" محبت خان نے گم صم انداز میں پوچھا "کہاں؟ درد؟ کیسا درد؟"

بخشی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ بندھنا چاہا لیکن محبت خان نے کھینچ لیا بخشی نے کہا "بائیں طرف پسیوں کے اندر بڑا درد ہو رہا ہے، محبت خان"۔ کچھ وہ بلک بلک کر رونے لگی "محبت خان! تم سمجھتے کیوں نہیں، میں مر جاؤں گی، یہ درد میری جان لے کر لے گا میں مر جاؤں گی محبت خان"

سادہ لوح محبت خان پریشان ہونا جا رہا تھا، وحشت سے پوچھا "آخر یہ کیسا درد ہے بخشی؟ مجھے کچھ کھل کے تو بتائیے؟"

بخشی نے سمجھ نظروں سے محبت خان کو دیکھا اور کرب ناک مسکراہٹ سے اس کا ہاتھ تھما لیا۔ اسے داغی ہوئی بولی "میں نہیں اتنا سادہ لوح نہیں سمجھتی تھی محبت خان"۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"تم ہمارا دل پتھر کا ہے محبت خان، کیا میں نے تمہیں اپنے دل کی یہ بات اشاروں میں نہیں بتادی تھی کہ تم میں میرے مرحوم شوہر کی بہت ساری علامتیں اور مشابہتیں موجود ہیں، میں نے تمہیں نہیں، اپنے مرحوم شوہر کو پایا ہے تم مجھے سمجھنے کی کوشش کرو محبت خان!"

اب محبت خان سب کچھ سمجھ چکا تھا، اس نے الباسموس کیا، جیسے حاجی پور کا اقتدار اس کے قدموں میں پڑا۔ بوسہ دے رہا ہے۔ حاجی پور کا ہر گھر ادھر ہر فرد اس کی قلم لوسی کر رہا ہے۔ انہی لوگوں میں شادی خان بھی موجود تھا، لیکن اب وہ پہلے جیسا شادی خان نہیں تھا۔ اس نے نصرت کی آنکھوں سے شادی خان کو اپنے دروہرو مودب کھڑا دیکھا۔

بخشی نے ایک طرف کھٹکتے ہوئے کہا "ادھر آ جاؤ محبت خان، میرے دل میں سما جاؤ"۔ مکرر دیا۔

بجٹنی بہت خوش ہو گئی۔ بولی: "ان کے کچھ کرتب دکھاؤ۔"
شادی خان نے فیملی بالوں کو حکم دیا اور انہوں نے ہاتھ کیوں کے کرتب دکھانے
مذہب سے دیت۔

سب کے آخر میں شادی خان نے بجٹنی سے دریافت کیا: "یہ امداد کس شخص کی
سرکردگی اور نگرانی ہیں آگے روانہ کی جاتے گی؟"
بجٹنی نے جواب دیا: "تمہاری سرکردگی میں۔ انہیں تم آگے لے جاؤ گے۔"
شادی خان چونک پڑا۔ ایسا لگا جیسے کسی زہریلے کچرے نے ڈنگ مار دیا ہو۔ اس
نے حیرت اور پشیمردگی سے پوچھا: "یعنی انہیں میں آگے لے جاؤں گا؟"
"ہاں۔" بجٹنی نے کہا۔ "انہیں تم آگے لے جاؤ گے۔"

شادی خان نے معنی خیز نظروں سے محبت خان کی طرف دیکھا اور پھر بجٹنی کی
طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا: "اور یہاں حاجی پور میں آپ کے پاس کون رہے گا؟"
بجٹنی نے جواب دیا: "میرے پاس حاجی پور میں محبت خان رہے گا۔"
شادی خان کے چہرے کا رنگ سپید ہو گیا، وہ ایک دم آداس ہو گیا محبت خان
کا خوشی اور فخر سے سیدھ بن گیا۔

شادی خان نے آہستہ سے لیکن مضبوط لہجے میں کہا: "میں آگے نہیں جاؤں گا محبت
خان کو اس ہم پر روانہ کر دیا جاتے تو بہتر رہے گا۔"
بجٹنی نے سختی سے کہا: "حکم میں ددل گی اور حاجی پور میرے لیے، یہاں میری حکومت
ہے اور یہاں کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ میرے فیصلوں میں مداخلت کرے، میری
مرضی اور میرے حکم کے خلاف کوئی کام کرے۔"

یہ کہہ کر اس نے محبت خان کی طرف دیکھا۔ محبت خان اپنے گھوڑے کو بڑھا کر شادی
خان کے قریب لے گیا اور تلواریں کے دستے پر ہاتھ رکھ کر بجٹنی کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔
بجٹنی نے نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا اور شادی خان کو حکم دیا: "تم پیرسوں
علی الصباح حاجی پور سے آگے چلے جاؤ گے۔ میں تعمیل کے سوا کچھ نہیں جانتی۔"
شادی خان مغرب ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اب بھی اپنی ضد پر قائم رہا
تو بجٹنی اس کے گھوڑے اڑا دے گی۔

بجٹنی نے درشتی سے کہا: "شادی خان! میں تمہارے منہ سے تمہارا جواب سنا چاہتی
ہوں۔"

بجٹنی نے ابراہیم لودھی کے وفد سے وعدہ کر لیا کہ وہ بادشاہ کی مطلوبہ مال
ایک ماہ کے اندر ان آگے روانہ کر دے گی۔ یہ سارے معاملات شادی خان کے ذریعے
طے پا رہے تھے۔ محبت خان کو وفد سے نہیں ملنے دیا گیا تھا، محبت خان نے وفد کے ارکان
سے ملنے کی خواہش بھی کی لیکن بجٹنی نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اب اس کی پہلی جیسی جینڈ
منہیں رہی۔

شادی خان ابراہیم لودھی کو بھیجی جانے والی مال کی فراہمی میں مشغول ہو گیا۔
محبت خان شب و روز بجٹنی کے قریب رہنے لگا، ان دنوں وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت
تقریب انسان سمجھ رہا تھا۔ ان آسائشوں میں اسے اپنی ماں اور بہن کی یاد بھی آتی اور اس نے
دل میں یہ فیصلہ کیا کہ کچھ دنوں بعد وہ ان دونوں کو بھی حاجی پور میں بلانے کا ارادہ
تک یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ دونوں ابراہیم لودھی کے کتاب کا شکار ہیں۔

شادی خان نے پانچ ہزار سپاہ، ایک ہزار گھوڑوں اور پچیس ہاتھیوں کا انتظام کر
لیا تھا۔ انہیں قلعے کے سامنے میدان میں بجٹنی کے معائنے کی خاطر کھڑا کر دیا گیا۔ بجٹنی ایک
ابلق گھوڑے پر سوار ہو کر اس میدان میں پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ محبت خان بھی
اپنے سپاہ گھوڑے پر سوار چل رہا تھا۔ بجٹنی کے چہرے پر باریک جالی کی سیاہ نقاب پڑا
ہوئی تھی۔ شادی خان بھی اپنے سپاہ گھوڑے پر سوار بجٹنی کو معائنہ کر رہا تھا۔ بجٹنی
کا سر نمکنت سے ذرا ترچھا ہو گیا تھا۔ اس نے شادی خان سے پوچھا: "کیا یہ سپاہ تربیت
یافتہ ہے؟"

شادی خان نے جواب دیا: "بہت اچھی تربیت یافتہ۔ اور مجھے یقین ہے کہ باہر کے
خلاف معرکہ آرائی میں یہ خاص نام پیدا کریں گی۔"
بجٹنی نے ہاتھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: "ان بچیس ہاتھیوں کے چپے
جانے کے بعد تمہارے پاس کتنے اور ہاتھی بچ جاتے گے؟"
شادی خان نے جواب دیا: "کل دس۔"
بجٹنی نے پوچھا: "کیا یہ سہلے ہوتے ہیں؟"
"ہاں بہت اچھے سہلے ہوتے۔ ان سے باہر کی مغل فوج کو روکا جاسکے گا
اور چھوٹے موٹے قلعوں کو زین بوس کیا جاسکے گا۔"

شادی خان نے مردہ دلی سے کہا: "آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی!"

بخشی خوش ہو گئی، محبت خان کو حکم دیا: "محبت خان! تم اس سپاہ کے ارد گرد پھر کے شہاد تو کرو کہ یہ پورے پانچ ہزار ہیں بھی یا نہیں؟"

محبت خان سپاہیوں کی کھتی کمرے لگا کر بخشی نے شادی خان کو کچھ اور قریب لایا۔ اس نے پوچھا: "شادی خان! تم میں یہ ہمت کہاں سے آگئی کہ تم میرے حکم کی خلاف ورزی کرنے لگے؟"

شادی خان جیسے بھلہ ہی بیٹھا تھا۔ پھرتی ہوئی آواز میں بولا: "بخشی، محبت خان جیسے نو آموز کہاں آپ کے قریب رہنا اور میرا آگے چلا جانا، ایسا معاملہ نہیں ہے کہ مجھ جیسا معزز اور پختہ کاد امیر خوش دلی سے گواہ کرے؟"

بخشی نے اسے تسلی دی، بولی: "تم کیوں گھبراتے ہو شادی خان، میرے سامنے عافیت اور وقت فیصلے ہیں، میں تمہیں چاہتی ہوں، تم سے محبت کرتی ہوں اور آ خر تک تمہی کو چاہوں گی۔ تمہیں آگے اس لئے بھیجا جا رہا ہے کہ اس خدمت دار ہم کو تمہاری ہی نگرانی اور سرکردگی میں بھیجا جا سکتا ہے۔"

شادی خان نے معصوم آواز میں کہا: "لیکن آپ آگے میں بہت یاد آتی گی؟" بخشی نے جواب دیا: "اور مجھے تم بھی بہت یاد آتے رہو گے کیونکہ تم میں میرے حریف شہرہ کی بہت ساری مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔"

شادی خان نے ڈرتے ڈرتے پوچھا: "کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ مجھے بھلا دیں؟ تو نہیں!" بخشی نے کہا: "نہیں ایسا نہیں ہوگا، تم مطمئن رہو۔"

شادی خان چپ ہو گیا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات یہ بتاتے تھے کہ اسے یہ ساری باتیں میری بات لگتی ہیں۔

کچھ دیر بعد محبت خان نے آگے بنایا کہ سپاہی پورے پانچ ہزار میں گھومتے گی کیوں؟ ایک ہزار اور باقی ہیں۔

بخشی نے شادی خان سے کہا: "شادی خان! تمہیں پیرسوں تک بادشاہ کی خدمت میں روانہ ہونا ہے اور روانگی سے پہلے تمہیں مجھ سے کم از کم دو ملاقاتیں ضرور کرنی ہیں۔"

اس آخری جملے نے محبت خان کے دل کو چوڑے لگا دیں لیکن بے بس تھا، کچھ کہہ سکتا تھا۔

محبت خان نہایت ہوشیار اور چالاک سے شادی خان کا انتظام کرنے لگا۔ وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ بخشی جب بھی اسے ملنا چاہے گی درہی لمحات دونوں کی ملاقات کے ہوں گے اور مردہ لمحات آج ہی گئے۔ دوسرے دن دوسرے کمرے میں شادی خان کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کی مطلوبہ امداد کی چند گھنٹے نگرانی کرے اسے بادشاہ کی امداد کے سلسلے میں شادی خان سے کچھ اہم مشورے کرنا ہیں۔ محبت خان بلا جوں دوسرا چلا گیا لیکن بخشی کی طرف سے اس کا دل نہ ٹپنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ بخشی دوسرا کھیل کھیل رہی ہے اور اس کے قول و فعل پر آنکھ بند کر کے یقین نہیں کیا جا سکتا۔

کسی مجھے بعد شادی خان والیں پہنچا اور محبت خان سے کہا: "اب تم واپس جا سکتے ہو۔"

محبت خان نے شادی خان کو بغور دیکھا، شادی خان اس وقت بھی خوش متہیں تھا، اس کے چہرے پر حزن و ملال کی گہری جھانپاں بٹری ہوئی تھیں۔ محبت خان نے طنزاً پوچھا: "تم دونوں میں کس قسم کے مشورے ہوتے رہے؟ کیا تم دونوں اپنے ان مشوروں سے مطمئن بھی ہوتے یا نہیں؟"

شادی خان نے اسے جھٹک دیا: "محبت خان! زیادہ مت انداز اور اپنے ہوش میں رہو۔ میں جانتا ہوں کہ خلا اور تقریر تمہارے ساتھ ہیں۔"

محبت خان نے تشریح سے جواب دیا: "میں نے تم سے جو کچھ پوچھا یہ اس کا جواب شادی خان نے اس کے قریب جا کر کہا۔"

شادی خان نے اسے تسلی دے کر کہا: "تم بخشی سے کہو، وہ آگے محبت خان نے کہا: "یہ تو میری دلی خواہش ہے لیکن بخشی میری بات نہ لے گا۔"

شادی خان نے افسردگی سے کہا: "تم کہو کہ تو دیکھو، میرا خیال ہے وہ مان سے کب کی یہ درخواست کر چکا ہوتا؟"

شادی خان نے باپوسی سے کہا: "آج میں نے اس بات کی بٹری کوشش کی کہ وہ میری جگہ تمہیں روانہ کر دے لیکن وہ نہیں مانی مگر میرا دل کہتا ہے کہ اگر میری بات

۴۳

تم کہو گے تو وہ ضرور مان لے گی۔

محبت خان نے شادی خان کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور بولا: ”اگر تم مصر میں یہی انجام ہوگا۔“

محبت خان نے بے زاری سے پوچھا: ”تم نے مجھے کیوں بلایا تھا؟“
شادی خان نے کہا: ”ذرا دم نہ لو، ابھی بتانا ہوں۔“
محبت خان نے بدستور بے زاری سے کہا: ”میں دم نہیں لوں گا جو بات بھی کسری ہے خود اکر ڈالو۔“

شادی خان کھڑا ہو گیا۔ پوچھا: ”تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”باہر کھڑا ہے۔“

شادی خان اندر چلا گیا، بولا: ”میں ابھی آتا ہوں۔“

محبت خان معاملے کو سمجھنے کی کوشش کمر باندھا۔ اسے یہ شبہ بھی گذرا کہ یہیں شادی

خان نے اس کی خلاف کوئی سازش تو نہیں تیار کی۔ وہ احتیاطاً باہر نکل گیا اور اپنے گھوڑے

کے پاس جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر بعد شادی خان سرخ لباس پہنے ہوئے نمودار ہوا۔ اس کے

شانے پر دو تلواریں اور دو ڈھالیں پٹری ہوئی تھیں۔ محبت خان انھیں میں بڑھ گیا کہ شادی

شادی خان نے دونوں تلواریں محبت خان کی طرف بڑھا دیں، بولا: ”ان میں جو تلوار

پیشی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا: ”میں تمہیں انتہی آسانی سے آکرے نہیں چاہوں۔“

محبت خان نے پوچھا: ”آخر کیوں؟ بات کیا ہے؟“

شادی خان نے کہا: ”تم دونوں تلواریں پکڑو تو سہی۔“

محبت خان نے دونوں تلواریں لے لیں۔ شادی خان نے ایک ڈھال محبت خان کی

پشت پر ڈال دی، بولا: ”محبت خان! میں ساری رات اس کشمکش کا حل سوچتا رہا، میں بھی

افغان ہوں تم بھی پٹھان ہو، ہم دونوں ایک دوسرے کے خلاف دغا بازی نہیں کر سکتے۔

پیشی نے ہم دونوں کو ایک ایسے دور لپے پر کھڑا کر دیا ہے جس کے ایک طرف سامان دل بستگی

ہے، جوانی کی خوشیاں ہیں، آسائشیں ہیں اور دوسری طرف موت ہے، ما بوسیاں ہیں، دل شکنی

ہے اور ذہنی اور روحانی اذیتیں ہیں، اور ان دونوں ناہوں پر بدستختی سے ہم دونوں ساتھ

ساتھ نہیں چل سکتے، بہت زیادہ غور و فکر کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو واقعی شادانوں

کی راہ پر چلنے کا مستحق قرار پا جائے گا مرن ہو جائے۔“

محبت خان نے پوچھا: ”اس استحقاق کا فیصلہ کس طرح ہوگا؟“

شادی خان نے جواب دیا: ”ہم دونوں اپنے حق کا فیصلہ مابذت سے کریں گے جو مقابلے

شادی خان نے کہا: ”ہاں ایک بات اور اگر پیشی تمہاری بات نہ مانے تب بھی تم مجھ

کل میں ضرور لینا۔ تم سے کچھ بہت ضروری باتیں کرنا ہیں۔“

محبت خان نے جواب دیا: ”بہتر ہے؟“

اس روز رات کو محبت خان درہم تک پیشی کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش

کرتا رہا کہ وہ شادی خان کی جگہ اسے آکرے۔ روانہ کر دے لیکن پیشی اس پر کسی طرح

بھی نیا نہ ہوئی۔ آخر جب وہ محبت خان کے اصرار سے بہت پرچ ہوئی تو اس نے عرض کیا:

”کہاں؟“ محبت خان ائم ایک بے کار بات کے لئے انتہی صبر مت کرو، تمہاری آکرے کو نہیں

حاجی پور کو ضرورت ہے۔ ابراہیم لودھی کو نہیں پیشی کو ضرورت ہے۔“

محبت خان نے کہا: ”میں اپنی ماں اور میں سے ملنا چاہتا تھا میں نے سوچا کہ

آکرے حلاق کا تو درہاں تمام غزیرہ مٹنے دونوں سے خوب اچھی طرح مل کے اپنی ماں اور

کوئلے کو دوبارہ حاجی پور واپس آجائے گا۔“

پیشی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا: ”میں تمہیں انتہی آسانی سے آکرے نہیں چاہوں۔“

جانے دوں گی، میں تمہیں کتنی بار یہ یاد دلاؤں کہ تم میں میرے مرحوم ستویر کی بہت سی مشابہت

پائی جاتی ہیں۔ میں تمہیں نہیں کھیر سکتی، اسی قیمت پر تمہیں، تم آکرے نہیں حلاق گے

ضرورت آکرے کو نہیں حاجی پور کو ہے۔ بادشاہ کو نہیں، مجھے ہے۔“

محبت خان نے خاموشی اظہار کر لی۔

دوسرے دن حسب وعدہ محبت خان، شادی خان کے پاس پہنچ گیا، بولا:

”شادی خان! میں حسب وعدہ تمہارے پاس آ گیا ہوں، بتاؤ تم نے مجھے کیوں بلایا؟“

اس وقت وہ

شادی خان نے کہا: ”پہلے یہ نو بہنوئی پیشی نے کیا کہا؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”وہ اتنی ہے کہ آکرے سے زیادہ حاجی پور کو

ضرورت ہے۔“

شادی خان نے نرمی سے کہا: ”مجھے معلوم تھا کہ تم دونوں کی بات چیت؟“

میں جیت جیتے گا، وہ بخششی کے پاس رہنے کا مستحق ہوگا۔“
 محبت خان نے ایک تلوار بے دلی سے لے کر دوسری شادی خان کی طرف بڑھا دی
 بولا۔ ”لیکن میں نے تو اب تک یہی محسوس کیا ہے کہ بخششی ہم دونوں میں سے کسی ایک کو بھڑ
 بھڑانے پر آمادہ نہیں ہے۔“

شادی خان نے تلوار لے کر غصے میں کہا۔ ”لیکن یہ ہم کس طرح برداشت کر سکتے ہیں
 کہ وہ بیک وقت ہم دونوں کی محبوبہ بنی رہے۔ اس کو ایک ہی کا بن کر رہنا ہوگا۔“
 شادی خان اپنا گھوڑا لے آیا۔ ”محبت خان نے پوچھا۔ ”ہم دونوں کہاں مقابلہ
 کریں گے؟“

شادی خان نے جواب دیا۔ ”اس جگہ، جہاں ہم دونوں پہلے بھی ایک باہم مقابلہ کریں
 ہیں اور بخششی نے محل ہو کر اس مقابلے کو روک دیا تھا۔“
 محبت خان گھوڑے پر بیٹھ گیا، بولا۔ ”میں مقابلے پر اس لئے آمادہ ہو گیا ہوں کہ میں
 تو اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ محبت خان ڈر کر پیچھے دھکلا گیا، درنہ جس مقابلے کا
 تو ذکر کر رہا ہے اسی میں میرے ساتھ تو نے دھوکا کیا تھا اور وہ مقابلہ تجھ سے نہیں تیرے
 آدمیوں سے ہوا تھا۔“

شادی خان بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا، بولا۔ ”محبت خان! تم مجھے تو کمر کے مخاطب کر
 رہے ہو، ہم دونوں اپنی کمزری اور برتری کو عنقریب ثابت کرنے والے ہیں، لہذا میری درخواست
 ہے کہ تم اس سے پہلے میری تحقیر نہ کرو۔“

محبت خان نے گھوڑے کو حرکت دی، بولا۔ ”بہتر ہے لیکن جب تمہارے اس رویے
 کو یاد کرتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔“
 دونوں وہیں پہنچ گئے جہاں ایک دن محبت خان قتل ہونے ہوئے بڑے
 گبا تھا۔

مقابلے سے پہلے شادی خان نے کہا۔ ”محبت خان! ہم دونوں میں جو فاصلہ ہے
 وہ دوسرے کے مقتول ہونے کی خیر بخششی تک کس طرح پہنچائے گا۔“
 محبت خان نے جواب دیا۔ ”یہ بعد کی بات ہے، اس بہرہ میں قبل از وقت مزید
 غور کرنا چاہیے۔“

شادی خان نے کہا۔ ”دیے تو میں نے یہ سوچا ہے کہ اگر میں نے نہیں زیر کر کے ہلاک
 کر دیا تو بخششی سے کہوں گا یہ مقابلہ محبت خان کی ایما پر ہوا تھا اور ہم دونوں نے

وہاں اٹھ کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جو ہمارے میں جیت کر خود کو بخششی کا مستحق ثابت کرے
 گا، بخششی کے پاس رہے گا۔“
 محبت خان نے جواب دیا۔ ”چلو یہی سہی جو تم کہتے ہو میں بھی وہی کہہ
 دوں گا۔“

دونوں اپنے گھوڑوں کو ذرا فاصلے سے، برابر لے آئے، دونوں کی تلواریں ایک ساتھ
 نیام سے طلوع ہو گئیں۔ مشرق میں سورج خاصا اوپر اٹھ چکا تھا۔ اس کی شعاعیں چمکیلی
 تلواروں سے ٹکر کر لگا ہوں کو بخیرہ کرنے لگیں۔ شادی خان نے اسی پہر حمل کیا تو محبت خان
 نے جھک کر گردن، پچالی۔ محبت خان نے شادی خان کے ایک ہاتھ کو اڑا دیا چاہا لیکن شادی خان
 پھرتی سے اپنا گھوڑا پیچھے ہٹا لے گیا اور ہاتھ کو بچا لیا۔

شادی خان گھوڑے کو کاوا دے کر ایک دم محبت خان کے سر پر آ گیا اور تلوار کا
 پھوپھور کر دیا لیکن محبت خان چستی سے اس کے بہہلو سے بچ نکلا اور شادی خان کے ہاتھ
 سے تلوار دور جا گری۔ محبت خان پلٹ کے وار کرنے ہی والا تھا کہ شادی خان گھوڑے سے
 پھانسیا اور دوڑ کر تلوار اٹھا لیا بیچ کر بولا۔ ”محبت خان! مجھے گھوڑے پر بیٹھ جانے دو۔
 ذرا دم کو مقابلہ پھر سے شروع ہوگا۔“

محبت خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”اچھا بیٹھ جاؤ اپنے گھوڑے پر۔ میں
 اس وقت تک مقابلے سے باز رہوں گا جب تک تم خود مقابلے کا اعلان نہ کر دو گے۔“
 شادی خان دوبارہ گھوڑے پر بیٹھ گیا، اور تلوار کو فضا میں لہراتا ہوا بولا۔ ”ہاں اب
 میں تیار ہوں، مقابلہ کا آغاز کرو۔“

دونوں پھر لڑنے لگے۔ سناٹے میں تلواروں کی کھٹ کھٹ اور گھوڑوں کے ادھر
 اُدھر پھرتے بڑھنے سے ٹاپوں کی آوازوں سے فضا کا سکوت ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ دیر تک دونوں
 میں سے ایک بھی دوسرے کو زیر نہیں کر سکا۔ لیکن چھپتے چھپتے زخم زخم دونوں ہی کو آچکے تھے
 دونوں ہی نہایت احتیاط سے سنبھل سنبھل کے لڑ رہے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ ہارنا یا مرنے
 کوئی بھی نہیں چاہتا اور دونوں ہی بخششی کی کیف اور معیت میں زندگی کے بہترین دن
 گزار دینا چاہتے ہیں۔ اچھے لڑتے شادی خان کو اپنا وہ زمانہ یاد آنے لگا، جب وہ بلا شرکت
 غیرہ بخششی کا مالک تھا اور آزادانہ حاجی پوری کیف اور عاشقانہ فضا میں سالنیں
 بیا کرنا تھا۔ نصیحتات نے اسے غافل کر دیا اور محبت خان کی تلوار کے ایک پھر پھر وار
 نے شادی خان کے گھوڑے کو زخمی کر دیا، گھوڑا تکلیف سے ہنپتا یا اور الف ہو کر شادی

خان کو اتنا سخت چھٹکا دیا کہ وہ گھوڑے کی پشت سے ڈور جا گرا، اس کی پسلیوں میں کئی پتھر چبھ گئے۔ محبت خان بھی گھوڑے سے اتر پڑا اور شادی خان کو قتل کرنے کی نیت سے آگے بڑھا۔ شادی خان نے اپنی تلوار محبت خان کی طرف پھینک دی اور کراہتا ہوا بولا: "محبت خان میں اپنی شکست تسلیم کرنا ہوں، مجھے قتل نہ کرو اب میری بخوشی آگے چلا جاؤں گا۔"

محبت خان کا اٹھا ہوا ہاتھ جھک گیا، اسے شادی خان پر رحم آنے لگا۔ شادی خان نے اسے اپنے قریب بلایا: "محبت خان! تم میرے قریب آ جاؤ، تم سے چند روزی باتیں کرنا چاہتا ہوں، اگر میں جیت جاتا تو وہ باتیں قطعی نہ تھیں۔" محبت خان اس کے پاس جا بیٹھا۔ شادی خان ایک طرف کھسکے گا، مگر محبت خان نے اسے کھسکنے سے منع کر دیا۔ پوچھا: "شادی خان! تمہیں پیاس نہیں لگ رہی؟" شادی خان نے ہونٹوں پر مردانہ پھیری، بولا: "لگ تو رہی ہے لیکن پانی گھر چل کر پیتاں گے، پہلے میری باتیں تو سن لو۔"

محبت خان نے کہا: "میں پہلے پانی پی لو، ورنہ بانوں میں زہر نہیں آئے گا۔ چشمہ قریب ہی ہے، میں تمہیں سہارا دے کر چشمے تک لے چلتا ہوں وہیں پانی پی کر باتیں بھی ہو جائیں گی۔"

شادی خان مسکراہٹ امیر کمرہ سے بولا: "ہاں چشمے تک بالکل چل سکتا ہوں۔" پھر اٹھنے کی کوشش کی۔ محبت خان نے سہارا دے کر اٹھایا۔ شادی خان نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور دونوں آہستہ آہستہ چشمے کی طرف چل دیئے۔ چشمے کے پانی سے پہلے نور دونوں نے اپنے منہ ہاتھ دھوئے اس کے بعد دونوں نے چلوؤں سے پانی پیا۔ پانی پی کر دونوں وہیں بیٹھ گئے۔

شادی خان نے نہایت محبت سے اپنے رفیق کو دیکھا، پھر مسکرا کر بولا: "محبت خان! تم بہت شاندار افغان ہو، معلوم نہیں کیوں میرا دل تمہاری محبت سے لبریز ہو گیا ہے۔"

محبت خان نے جواب دیا: "شادی خان! تمہاری عزت تو میں بھی کرنا ہوں۔" شادی خان نے پوچھا: "محبت خان! آگے میں تمہارے کتنے عزیز رہتے ہیں؟" محبت خان نے کہا: "یہ تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے شادی خان۔ آگے میں یوں تو میرے کئی عزیز رہتے ہیں لیکن تمہارے ذریعے میں اپنی ماں اور بہن کو یہ پیغام پہنچاؤ۔"

چاہتا ہوں کہ میں انہیں بھی بہت جلد اپنے پاس بلا لوں گا۔" شادی خان نے اسے اس سے کہا: "تمہیں شاید ابھی تک یہ نہیں معلوم کہ تمہارے بعد تمہاری ماں کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور تمہاری بہن ایک دوسرے افغان امیر کے حوالے کر دی گئی۔"

محبت خان تلوار کھڑا ہو گیا، مشتعل ہو کر بولا: "او ملعون زادے! یہ تو کیسی باتیں کرنے لگ گیا مجھ سے؟"

شادی خان نے تحمل سے کہا: "اس وقت میں تمہاری گالیاں بھی سن لوں گا کیونکہ ایسی خبریں کہ میں بھی ایسی ہی باتیں کرنے لگتا۔" محبت خان نے کہا: "تو نے ایسی بڑی خبر کیوں سنائی؟" تبھی یہ باتیں کس سے معلوم ہوتی ہیں؟"

شادی خان نے کہا: "ابراہیم لودھی کے وفد کا ایک رکن مجھے یہ باتیں بتا گیا ہے۔ وہ تم سے ملنا چاہتا تھا لیکن بخشنی نے اسے تم سے ملنے نہیں دیا۔ اس نے مجھے بھی منع کر دیا تھا کہ میں یہ خبر تم تک نہ پہنچاؤں۔"

محبت خان سر پکڑ کے شادی خان کے قریب ہی بیٹھ گیا اور چپکے چپکے اسے ہتھ لگا۔ اسے وہ ساری باتیں یاد آ رہی تھیں جو آخری بار ابراہیم لودھی کے دربار میں پیش آئی تھیں اور بد قسمتی سے وہ یہ بھی لگ گیا تھا کہ بادشاہ نے اس کے سامنے ہی اس کی جان لاد اور اطاعت کی صبطی کا حکم صادر کر دیا تھا۔ اس نے بھڑائی آواز میں پوچھا: "تو تمہیں بخشنی نے منع کر دیا تھا کہ یہ خبر مجھے نہ سنائی جائے؟"

"ہاں۔" شادی خان نے کہا: "اور تم قسم کھاؤ کہ اس کا ذکر بخشنی سے نہیں کرو گے؟"

محبت خان نے غصے میں کہا: "نہیں، میں اس معاملے میں بخشنی سے ضرور بات کروں گا۔"

شادی خان نے گھبرا کر کہا: "خدا کے لئے تم ایسا غضب نہ کرنا۔ میں لودھی دربارہ کی مدد سے کہنے پر آمادہ ہوں گا۔ میرے چلے جانے کے بعد تمہیں اختیار ہو گا کہ بخشنی سے باتیں کر لو۔"

محبت خان نے کہا: "میں شادی خان تمہیں بخشنی کے پاس رہوں، میں آگے سے جاؤں گا۔"

شادی خان نے کہا۔ ”لیکن بخششی تمہیں جانے کب دے گی“
 محبت خان نے جواب دیا۔ ”میں نہ بددستی چلا جاؤں گا۔“ لیکن پھر کچھ سو
 سر بولا۔ ”اچھا تم بادشاہ کی مدد لے کر آگے سے روانہ ہو جاؤ۔ میں تمہاری واپس
 تک یہیں رہوں گا۔“
 شادی خان اس اچانک تبدیلی کا مطلب نہیں سمجھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے
 اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔
 محبت خان نے کہا۔ ”جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب میرے آگے پہنچو
 کا فائدہ“
 اچانک دونوں کے گھوڑے ہنہانے لگے۔ اور ساتھ ہی کہیں دُور سے گھوڑوں
 کی ٹاہیں سنائی دینے لگیں۔ شادی خان سنبھل کر پیچھے گیا۔ محبت خان کھڑا ہو گیا۔

حکم عروسی نہیں کمرے گا۔
 بخششی خوش ہو گئی، بولی۔ ”مجھے شادی خان سے یہی امید تھی، تم دونوں کو آپس
 میں لڑنا نہیں چاہیے تھا۔“
 شادی خان ابھی تک خاموش تھا، وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں محبت خان بخششی
 کو وہ ساری باتیں نہ بتا بیٹھے جن کا ابھی تھوڑی دیر قبل اس نے چنل غوری کے انداز میں
 محبت خان سے ذکر کر دیا تھا۔
 بخششی نے دونوں سے کہا۔ ”اب تم دونوں یہاں سے گھر چلو۔ میں تم دونوں کو یہاں
 دیکھ کر بہت اُداس ہو گئی ہوں۔“
 دونوں اٹھ کر اپنے اپنے گھوڑوں کی طرف چلے گئے۔ بخششی نے اپنے ایک سپاہی
 کو اشارے سے حکم دیا کہ وہ ان دونوں کی ڈھالیں اور تلواریں اٹھالے جس کی فوری
 تعمیل ہوئی۔
 تھوڑی دیر بعد یہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

سہ پہر کو بخششی نے شادی خان کو بہت سمجھایا، اور اسے یقین دلایا کہ وہ
 ایسے نہ ہو، اس کے دل میں شادی خان کے لئے اتنی ہی محبت موجود ہے جتنی محبت خان
 کی آہ سے پہلے تھی۔ دوسری طرف محبت خان کو یہ سمجھایا کہ وہ محبت خان کو آگے
 اس لئے نہیں بھیجے گی کہ بادشاہ کے دفتر سے اسے تنبیہ کی ہے کہ محبت خان بادشاہ
 کا معنوب ہے اور جب تک بادشاہ اسے خود نہ طلب کرے، محبت خان کو آگے
 نہیں بھیجا جاسکتا۔

شادی خان اپنے ہزار سپاہ، ایک ہزار گھوڑے اور بیسیں ہاتھیوں کی مدد لے
 کر آگے چلا گیا۔ بخششی اسے دور تک چھوڑنے لگی اور جب واپس آئی تو بہت اُداس
 تھی، اس نے محبت خان کو بھی نظر انداز کر دیا اور آسو بہانی اپنے کمرے میں جا کر لپٹ گئی۔
 اس کے پیچھے جیسے محبت خان بھی وہیں پہنچ گیا۔ لیکن ایک کنبڑے اسے کمرے کے باہر ہی
 روک لیا۔ بولی۔ ”اس وقت آپ اندر نہیں جاسکتے، کیونکہ بیگم صاحبہ نے کسی کو بھی اندر
 جانے سے منع کر رکھا ہے۔“

محبت خان نے زور سے کہا۔ ”میں اندر وہ دس گوارہ بیگم کو تسلیاں دینا چاہتا ہوں
 تم مجھے اندر جانے سے نہیں روک سکتیں۔“
 بخششی اچانک دروازے پر نمودار ہوئی، بولی۔ ”محبت خان کو موت

دونوں کی نظریں آواز کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد کئی گھر سوار
 نمودار ہو گئے۔ سب سے آگے بخششی کا گھوڑا تھا۔ یہ لوگ دونوں کے قریب پہنچ کر رُک
 گئے۔ بخششی نے پہلے ان دونوں کے گھوڑوں کی طرف دیکھا۔ شادی خان کا زخمی گھوڑا زخم
 ہمار بار بیٹھنے والی مکیوں کو دم ہلا کر اور پشت اور پیٹ کو لندش دے کر اڑا رہا تھا۔
 اس کے بعد اس نے شادی خان اور محبت خان کو گہری نظروں سے دیکھا۔ دونوں کی
 ڈھالیں اور تلواریں ان کے قدموں میں رکھی تھیں۔ بخششی گھوڑے سے اتر پڑی اور ان
 دونوں کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ دونوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھ کر سوال کیا ”کیا بات
 ہے؟ تم دونوں نے آپس میں مبارزت کی ہے؟“
 محبت خان نے جواب دیا۔ ”ہاں۔ کیونکہ شادی خان کی جگہ میں آگے جانا چاہتا
 تھا۔ لیکن شادی خان نے کہا کہ آؤ اس سلسلے میں ایک مقابلہ ہو جائے پھر جو مقابلے
 میں جیتے وہی آگے بھی جائے۔“
 بخششی کو شاید محبت خان کی بات پر یقین نہیں آیا، بولی۔ ”پھر کون جیتا۔؟“
 محبت خان نے کہا۔ ”میں۔“
 بخششی گھبرا گئی، بولی۔ ”پھر کیا تم آگے چلے جاؤ گے؟“
 ”نہیں،“ محبت خان نے جواب دیا۔ ”کیونکہ شادی خان کہتا ہے کہ وہ چپے گا“

روکو، اندر آئے درد

کینئر نے مزاحمت ختم کر دی۔ اور محبت خان کمرے میں داخل ہو گیا۔ اشکبار
یخششی نے آہستہ سے کہا، "اور واہ بندہ کمرہ د"
محبت خان نے دروازہ بند کر دیا۔

دوہ لہری۔ "محبت خان! تم مجھے چاہتے تھے ہی بری عورت کہوں نہ سمجھ لیکن میں اقرار
کروں گی کہ میں شادی خان کو بھی چاہتی ہوں، اس سے بھی محبت کرتی ہوں"

محبت خان نے انہوں سے کہا، "لیکن یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں
آتی کہ کوئی عورت بیک وقت دو مردوں سے محبت کرے، ایسا کہیں نہیں ہوا، اسی
کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی"

یخششی اسے رشتہ تک لے گئی، لہری، "نہم تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھو، میں
دلیلوں سے تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گی"

محبت خان اس کے ساتھ بستر پر بیٹھ گیا، یخششی نے کہا، "جس طرح مرد کے
سینے میں بائیں طرف دل ہے اسی طرح عورت کی پسیلید کے نیچے بائیں جانب دل موجود
ہے، جو جذبات عشق و محبت ایک مرد کے دل میں جوہن ہوتے ہیں وہی جذبات عورت کے
دل میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک مرد تو کئی کئی عورتوں سے بیک وقت
عشق کرے اور ایک حکمراں ایک ہی وقت میں بہت سی عورتوں کو لے اپنے حرم میں ڈال لے لیکن
ایک عورت ایک وقت میں ایک ہی مرد پر قناعت کر لے"

اس دلیل نے محبت خان کو چکرا دیا، گھبرا کر لہری، "لیکن ایک عورت کو یہ باتیں زیب
نہیں دینیں۔ لوگ ان باتوں کو برگزینہ نہیں کریں گے"

یخششی نے پوچھا، "کون سے لوگ؟ لوگ مت کہو، مان یہ کہہ سکتے ہو کہ مرد اس بات
کو پسند نہیں کریں گے، لیکن میں تو یہ کہوں گی کہ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو تم اپنے لئے پسند
کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کر دو"

محبت خان نے جھنجھلا کر کہا، "لیکن تمہارے سوا ایک عورت بھی تمہاری اہم خیال نہ
نظر آئی اور کوئی عورت بھی یہ گواہ نہیں کرے گی کہ وہ بیک وقت کئی مردوں سے عشق لڑاتے"
یخششی نے کہا، "نہم مرد ہو کر عورتوں کی نرجاتی نہیں کر سکتے۔ محبت خان، عورت
کیا چاہتی ہے اور کیا سوچتی ہے، یہ تم مردوں کو کیا معلوم، عورت بھی وہی چاہتی ہے جو
مرد چاہتے ہیں لیکن یہ دوسری بات ہے کہ عورت اپنی کمزور حیثیت کے پیش نظر اس کا

اظہار یا اقرار نہ کرے اور مرد ایسے اس کی اجازت بھی نہیں دیتے جس طرح مجھے کلاب
پسند ہے، جیسا پسند ہے، گل داؤدی پسند ہے، یا سہین پسند ہے اسی طرح میں تمہیں پسند
کرتی ہوں، شادی خان کو پسند کرتی ہوں اور کسی اور کو بھی پسند کر سکتی ہوں، یہ سن نہ
کہہ دیا کہ دل جیسے وسیع سمندر میں کسی ایک ہی شخص کی یاد رہ سکتی ہے محبت خان!
دل تو عمر و عباد کی زندگی کی طرح ہے کہ اس میں بہت کچھ رہ سکتا ہے، بہت سے لوگ رہ
سکتے ہیں۔ ہاں ان سے محبتوں میں کمی بیشی ضرور ہو سکتی ہے"

محبت خان کا سمجھنا اس کی باتیں بالکل نہ آ رہی تھیں۔ اس نے پوچھا، "نہم شادی
خان سے کتنی محبت کرتی ہو؟"
یخششی نے جواب دیا، "بہت محبت تمہارا پھر ایسے مت کہو کہ تمہارا دل
بکھر جائے، مجھے برا ہو یہ تمہارے لئے جہاں رہا ہے کہ نہ شادی خان داپس بھی
لوگے گا انہیں"

محبت خان نے محبت سے پوچھا، "اور تم مجھے بھی چاہتی ہو؟"
یخششی نے جواب دیا، "نہم شادی خان سے کتنی محبت کرتی ہو؟"

محبت خان نے اسے کچھ ایسی باتیں کہیں کہ کچھ گویا کچھ شادی کی باتوں پر آجیے
اعتبار نہ دے سکتا تھا۔

لہری، "اے شادی خان! تم مجھے اذیت
دینی ہو، ان کو مجھے کتنی خوشی ہو، میں اپنے وقت سے محبت پہلے ہی کر رہی ہوں، میں
جھجھکی میں ہوں، میں اپنی عورت نہیں ہوں، اس عورت کے قہر میں مرد ہوں"
یخششی محبت خان اس کی باتیں سمجھنے پر تیار نہ تھا۔ وہ
روقی رزق احمد، محبت خان مرد مہر، سہاسی کی باتوں کو سنتا اور سیرا پھرتا رہا۔

محبت خان یخششی کے طعنے سن کر بالکل بالور ہو گیا تھا، اس نے شادی خان کی
موجودگی میں اس پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ شادی کو کوئی مزاحمت نہ دی جائے اس نے اسے لے کر
کے ساتھ اس کی لڑائی میں جہاں وہ رہتا تھا اس نے محبت خان کی اور وہاں کے حشر کو
چھوڑا، اس کے خیال میں کیا وہ کوئی بدلتا مرد شادی جاسکتی تھی، وہ ہیشہ کے لئے
اپنے کچھ یخششی کو لے کر شادی سے قطع تعلقی کر لیا۔ وہ آگے جا نہیں سکتا تھا، کیونکہ وہ

بادشاہ کا معنوب تھا اب اس کے سامنے ایک ہی ٹھکانا تھا، ایک ہی در بختا۔ اس نے ابراہیم کو
کے حریف بابر کے لشکر میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک صبح وہ چپ چاپ حاجی پور سے نکل کر پانی پت کی طرف روانہ ہو گیا جہاں
بابر پہلے ہی سے لشکر لئے بڑا تھا۔ یہاں اور بہت سے افغان امراء بھی موجود تھے اور
یہ سبھی وہ لوگ تھے جن کے ساتھ بادشاہ نے ظلم و تشدد کا سلوک کیا تھا اور وہ
انتقام لینے کی خاطر بابر کی فوج میں آگئے تھے۔

سامنے ابراہیم لودھی بھی عظیم الشان لشکر لے کر آ گیا تھا۔ ایک لاکھ فوج
کے ساتھ دو ہزار ہاتھی بھی کھڑے جھوم رہے تھے۔ ان کے مقابلے میں بابر کی
فوج بالکل مختصر تھی، کل مادہ ہزار افراد پر مشتمل۔ محبت خان بابر کی طرف سے مالوڑ
ہونے لگا۔ بابر اپنے ان سے امرلو کی بڑی عزت کرنے لگا تھا۔ محبت خان ابراہیم کو
کے لشکر میں شادی خان کی جگہ دیکھنا چاہتا تھا۔ آخر ایک دن اسے ایک مغل مخبر
کی زبانی یہ معلوم ہو گیا کہ شادی خان اور اس کے پانچ ہزار سپاہی ابراہیم لودھی کے
آس پاس اس کی حفاظت پر مامور تھے۔

ابراہیم لودھی کی فوج آگے بڑھی اور بابر کی فوج پر حملہ آور ہو گئی۔ اس
نے بابر کے سپاہیوں پر بہت سخت حملہ کیا تھا۔ اور ایسا محسوس ہونے لگا گویا دریا
بعد مغلوں کے پاؤں اکھڑا رہا لیکن بابر نے ہر جگہ پہنچ کر ان کی بہت افزائی کی
ابراہیم لودھی نے ہاتھی آگے بڑھاتے اور انہیں مغل فوج کو کچلنے کے لئے بابر کے
لشکر کی طرف دھکیل دیا۔ ہاتھیوں نے انہیں روندنا شروع کر دیا۔ لیکن بابر کے حکم
پر اس کی سپاہ نے ہاتھیوں پر آتشیں اسلحہ سے حملہ کر دیا۔ ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے
اپنے ہی آدمیوں کو بے دردی سے کچلنے لگے۔ پانی پت کی زمین لرز رہی تھی اور دریا
غبار نے فضا میں ایک چادر سی تان دی تھی۔ محبت خان کو اپنے بھائیوں سے
جنگ کرتے ہوئے شرم آ رہی تھی لیکن ایک وہ حکومت جس نے اسی کی املاک کو
ضبط کر کے، اس کو فقیہ اور بہن کو کسی امیر کے حوالے کر دیا تھا اور جس نے افغان
امراء کو دلیل و خوار کیا تھا اس کا ختم ہو جانا ہی ضروری تھا۔

اس وقت آفتاب کوئی سوازیس کی مانند ہی برہنہ تھا کہ جنگ مغلوبہ
شروع ہو گئی۔ دونوں فوجیں آپس میں دست و پاء لگاتے ہوئے تھیں اور تلواریں
خون کی ندیاں بہا رہی تھیں۔ یہ کیفیت دوپہر تک قائم رہی، اس کے بعد ابراہیم

لودھی کی فوج پسپا ہونے لگی۔ بابر جیتے جیتے سرداروں کو حکم دے رہا
تھا۔ ”خبردار ابراہیم لودھی جانے نہ پاتے، اس کا پیچھا کیا جائے کیونکہ جب تک یہ
موجود رہے گا جنگ جاری رہے گی۔“

محبت خان ابراہیم لودھی کو تلاش کرتا ہوا شادی خان کے پانچ ہزاری لشکر
میں پہنچ گیا۔ یہ ظہر کا وقت تھا۔ ابراہیم لودھی اپنے خزانے سمیت میدان جنگ میں
آیا تھا کیونکہ اسے اپنے پیچھے کسی پر اعتبار نہیں تھا اور بصورت شکست اپنے خزانے
سمیت کہیں فرار نہ ہوجانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ مغل فوجوں کے اس کے گرد پھیلی
ہوئی پانچ ہزاری فوج کے حصار کو توڑ دینا چاہا لیکن شادی خان سپرہ ملائی ہوئی
دیوار بنا کھڑا تھا۔ یہاں اتنا زبردست ہنگامہ کار نہ کر رہا کہ پورے پانی پت میں
وہ جنگ نہ ہوتی تھی۔ لیکن مغل فوجی یہ نہیں جانتے تھے کہ ان میں ابراہیم لودھی بھی
موجود ہے۔ شادی خان اور اس کے سپاہیوں نے وفاداری کا حق ادا کر دیا۔ ایک
ایک کمرے کے سارے ہی مارے گئے انہیں میں ابراہیم لودھی بھی کام آ گیا۔ محبت
خان لاشوں کو ہٹاتا ہوا شادی خان کے پاس پہنچا۔ اس وقت شادی خان میں
جان باقی تھی۔ محبت خان، شادی خان کے پاس بیٹھ گیا اور انہیں کہتے ہوئے تھا۔
”شادی خان! تم کو اتنی جان بٹاری دکھانے کی کیا ضرورت تھی، بادشاہ کی امداد پہنچا
کے حاجی پور واپس چلے جاتے۔“

شادی خان نے کراہتے ہوئے کہا: ”محبت خان جو کچھ ہو چکا ہے اس پر تم
مجھ شرمندہ نہ کرو۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں حاجی پور
واپس نہیں جاؤں گا اور اس قبیلے کے بعد میری بہترین جگہ میدان جنگ
کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔“ پھر بڑے زور سے کرا کر بولا، ”میں جس انجام کا
نخواہا تھا، وہ حاصل کر چکا۔“

محبت خان کی آنکھیں کھل آئیں۔ اس نے شادی خان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
”تمہیں ابھی اور زندہ رہنا چاہیے تھا۔“
شادی خان ہنسا، بولا۔ ”لیکن یہ تو بتاؤ، تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو؟ کیا
تم بھی حاجی پور سے چلے آئے؟“

محبت خان نے جواب دیا۔ ”شادی خان! وہ بڑے عجیب و غریب خیالات
رکھتی ہے۔ تمہارے چلے آنے کے بعد وہ بہت ادا اس ہو گئی تھی، وہ شاید محبت

تمہی سے کرفی تھی، میں خود اس کی محبت پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔“

شادی خان نے پیروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”میرے پیروں کی جان نکل چکی ہے۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے جلد از جلد کہہ ڈالو۔“

محبت خان نے کہا: ”میں تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ بخششی تمہارے چلے آنے کے بعد نہ اردو قطار مدنی رہی ہے۔ رہا اس کے عجیب و غریب خیالات کا معاملہ تو اس وقت ان باتوں کا کرنا فضول سی بات ہے۔“

شادی خان نے آنکھیں بند کر لیں، بولا: ”اب میں بہ آسانی مر جاؤں گا، بخششی مجھ سے محبت کرتی ہے، اس نے میرے لئے آئینہ بھرتے یہ میرے لئے بہت بڑی خوش خبری ہے۔“

محبت خان کے جی میں آئی کہ وہ شادی خان کو یہ بھی بتا دے کہ بخششی مدد حکم الہی کی طرح اپنے لئے مردوں کا حرم رکھنے کی خواہش مند ہے لیکن پھر یہ سوچ کر باز رہا کہ اس وقت وہ جن خوش کن خیالات میں محبت کو لیکھ کہہ رہا ہے وہ مدہ کر رہا ہو جائے گا۔

شادی خان کی حالت بگڑتی چلی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

مغل، قادیان، ابراہیم لودھی کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ محبت خان، شادی خان کے پاس سے آئے۔ آئے کہ آ رہا تھا کہ اس نے ایک جگہ ابراہیم لودھی کی لاش پڑی دیکھی۔ اس نے مغل سپاہیوں کو اشارہ سے۔ اسے اپنے پاس بلا یا۔ طاہر نے ہر ہی نامی ایک مغل امیر اس کے پاس پہنچا، محبت خان نے پوچھا: ”تم کسے تلاش کر رہے ہو؟“

اس نے جواب دیا: ”ابراہیم لودھی کو۔“

”تم ابراہیم لودھی کو پہنچاتے ہو؟“

”نہیں۔“

محبت خان نے کہا: ”اگر نہیں پہنچاتے تو ادھر آؤ۔“ پھر ابراہیم لودھی کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”ابراہیم لودھی کی لاش ہے۔“

طاہر نے ہر ہی کو یقین نہ کیا لیکن اس نے ابراہیم لودھی کا سر کاٹ لیا اور بارے کے پاس لے کر پہنچ گیا۔ دوسرے افغان امرائے وہاں تصدیق کر دی

کہ یہ سر ابراہیم لودھی کا ہے۔

بابری فوجیں دہلی کے بعد آگئے ہیں داخل ہو گئیں۔ محبت خان اپنی ماں کو تلاش کرتا رہا۔ بڑی تلاش اور جستجو کے بعد سبز جلا کہ قیصر خانے کی تصویر تھیں۔ نہ کر کے وہ انتقال کر چکی ہیں۔ افغان امیر اس کی بہن کو لے کر ہمیں قمار ہو چکا تھا کیونکہ وہ آخر تک ابراہیم لودھی کا وفا دار رہا تھا۔ محبت خان کا دل ٹوٹ چکا تھا اب اس کا اس دنیا میں کوئی بھی نہ تھا۔ بابر مغلز حد علاقے اپنے آدمیوں کے انتظام میں دے رہا تھا۔ محبت خان نے بخششی کی سفارش کی کہ اس کے علاقے کو اس کے تصرف میں رہنے دیا جائے۔ بابر نے اس کی درخواست قبول کر لی۔ وہ خود بخششی کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ مدتوں آوارہ و گمراہان ادھر ادھر کی سیاحت کرتا رہا اور بخششی کو اپنے دل سے نکال دینے کی کوشش کرتا رہا لیکن کئی سال کی سیاحت اور کوششوں کے بعد بھی وہ اس میں ناکام رہا۔ آخر تنہا باہر آ کر اس نے دل سے یہ سمجھ کر لیا کہ وہ حاجی پور پہنچ کے بخششی سے معافی مانگ کر اس کے قریبوں میں رہ جانے کی درخواست کرے گا۔ حاجی پوری، الواس، ان میں اس کے دل میں گڑ گڑیاں کرنے لگیں پہلا ہی چشمے اور سر سبز خطہ اس کے دل و دماغ کو فوجت بخش لگے۔ جب حاجی پور کا قلعہ اسے نظر آیا تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ بخششی کے چرانے خدمت گاروں نے اس کا ردہ پھری سے استفادہ کیا اور اس کی آمد کی خبر اندر پہنچا دی گئی۔ بخششی کے حکم سے اسے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا۔ ایک ہفتہ گزر گیا مگر بخششی نے اسے طلب نہیں کیا۔ وہ تنگ آ کے واپس چلا جانا چاہتا تھا لیکن ایک دن بخششی نے اسے اپنا تک طلب کر لیا۔ دونوں سامنے کھڑے ہو کر کچھ دیر نظریں جھانکے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر بخششی نے انہیوں کی طرح پوچھا: ”محبت خان! مجھ سے کوئی کام؟“

محبت خان کے دل کو بھڑک سی لگی، بولا: ”میں کئی سال سے آوارہ گردی کر رہا ہوں۔ سیر خیال تھا کہ میں اپنے دل سے آپ کی یاد نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن میں کھلے دل سے صاف صاف افسرہ کرتا ہوں کہ میں اپنی کوششوں میں ناکام رہا۔“

بخششی نے ان جانے انداز میں دریافت کیا: ”اب کیا چاہتے ہو؟“

محبت خان نے جواب دیا: ”کیا میں اب بھی مہمان رہ سکتا ہوں؟“

بخششی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور بے مروتی سے بولی: ”نہیں ہرگز نہیں!“

لیکن وہ یہ سوچ کر خاموش رہا کہ شاید اب ان باتوں کا وقت نہیں رہا۔ اس نے جانی ہوئی بیخشی کے جواب میں آہستہ سے کہا۔ ”خدا حافظ بیخشی“
اس کے بعد وہ باہر نکل آیا اور حاجی پور کے قلعے پر الوداعی نظر بن ڈالتا
آگے کی طرف روانہ ہو گیا۔



محبت خان کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے سینے پر ایک سخت گھونسا سید کر دیا ہے
کا دل ہل گیا اور آہستہ آہستہ ڈوبنے لگا۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھیں کچھ دیکھنے سے محروم
ہوتی جا رہی تھیں۔ اسی مایوسی اور دل شکستگی کے عالم میں محبت خان نے سنا، کچھ
کہہ رہی تھی۔ ”تم نے مجھے دھوکا دیا اور مجھے بتاتے بغیر چوروں کی طرح فرار ہو گئے۔
نے وہ دن کتنے کرب میں گزارے ہیں بیان نہیں کر سکتی۔ لیکن اب میں نے حالات سے
سمجھوتہ کر لیا ہے۔ میں نے ایک مغل امیر سے شادی کر لی ہے، اس مغل امیر کے بال بچے
اور بارودوں میں میرے مرحوم شوہر کی حیرت انگیز مشابہت موجود ہے۔“
محبت خان نے بے چارگی سے بیخشی کی طرف دیکھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ
شادی خان کی موجودگی میں اس نے محبت خان کو رکھ ہی لیا تھا لیکن کہہ نہیں سکا
چالاک بیخشی نے معلوم نہیں کس طرح اس کے خیالات کو پڑھ لیا، بولی ”رہا یہ سوال
میں نے شادی خان کی موجودگی میں نہیں بھی اپنے ساتھ رکھ لیا تھا، تو وہ دوسرا
تھا، یہ وقت اس سے مختلف ہے۔ حاجی پور کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ میں
شوہر مغل امیر کی وفادار رہوں اور میں نے یوں بھی اپنے شوہر سے قسم کھا کر یہ
ہے کہ میں زندگی بھر اس کی وفادار رہوں گی۔“

اب محبت خان کے لئے حاجی پور میں کچھ بھی نہ رہا تھا۔ وہ واپس
لے مڑا۔ بیخشی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”میں اس افغان امیر کی ضرورت
گزارہ ہوں جس نے مغل فروائی روئے حاجی پور میں میری حکمرانی کو بحال
کی سفارش کی تھی۔“

محبت خان نے چونک کر بیخشی کی طرف دیکھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ
واقعی یہ نہیں معلوم کہ وہ افغان امیر محبت خان ہی ہے۔

بیخشی کی آواز پھر متانی دہی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”میں اپنے سابقہ
کی قیمت اس طرح ادا کر سکتی ہوں کہ تمہیں حاجی پور میں کوئی اچھا
دے دوں!“

محبت خان نے کہا۔ ”مہنیں بیخشی میں یہاں کسی منصب کے لئے
بیخشی نے بے مروتی سے کہا۔ ”تب پھر خدا حافظ۔“

یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑی اور جانے لگی، محبت خان کے جی میں
بیخشی کو یہ بنادے کہ جس افغان امیر کی وہ شکر گزار ہے وہ خود محبت خان۔

وہابیہ دوش

چار بولنے مہادیو کے حکم کے آگے اپنے سر جھکا دیئے اور عرض کیا۔
 ”مہادیو جی! ہمیں جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اسے پوری دیا بندھاری
 سے انجام دیں گے“

५१

دوسرے نے مذہبی رسوم کی ادائیگی، قبیلوں کے نسب ناموں اور ان کے سرداروں کی داستانوں کو ازبر کر لیا، یہ لوگ مار دھماٹ کہلاتے حالانکہ ابتدا میں یہ لوگ جنگجو ہو کر تھے۔ خود کو راجپوتوں ہی سے متعلق سمجھتے تھے لیکن جب یہ دو قبیلوں میں بٹ گئے تو دونوں کے دیوں میں اتنا فرق آ گیا کہ آپس میں شادی بیاہ ممنوع قرار پائے لیکن جہاں تک ان کے آسمانی نسل کے عقیدے کا تعلق تھا تو تجارت پیشہ پچھلی اور علم النساب کے حافظ اور قبائلی رجال کے داستان گو دونوں ہی خود کو آسمانی نسل سے سمجھتے تھے۔

پرمبھا کر کا تعلق مار دھماٹ قبیلے سے تھا۔ اس کو بھی نسب ناموں اور سرداروں کی داستانوں کا وسیع علم حاصل تھا۔ مذہبی رسوم سے بھی خوب اچھی طرح واقف تھا، خدائے ذات اور فصاحت سے بھی خوب نوازا تھا۔ ناک نقشہ بھی ایسا کرانوی رنگت کا ایک تراشا ہوا جسم معلوم ہوتا تھا۔ چلتا پھرتا، باتیں کرتا، ہنستا مسکرتا شاہکار، متناسب اعضائے جسمانی بہر ملاحظہ کا پورا پورا ہوا تھا۔ لڑکیوں اور عورتوں کا موضوع سخن، ان کے خیالوں کا محبوب، لیکن خود پرمبھا کر کو اس بات کا بڑا احساس نہ تھا کہ اس کا جس آسمانی نسل سے تعلق ہے اس کو مہادیو نے شبر کے شتر کا مقابلہ کرنے کے لیے پیڑ کیا تھا اب وہ جس در میں رہ رہا تھا اس میں نہ تو مہادیو کا شیر ہی نظر آتا تھا اور نہ ہی ان کا بیل لیکن ان دونوں کی عدم موجودگی سے اس کی خدمت اور فرائض ختم نہیں ہو جاتے تھے۔ وہ اب بھی عائد تھے کیونکہ مار دھماٹ کے بڑوں نے یہ بتایا تھا کہ شیر اور بیل مہادیو کی شتر اور خیر کی اصطلاحیں تھیں اور جب تک دنیا موجود ہے شتر اور خیر بھی موجود رہیں گے اور شتر اور خیر کی موجودگی میں مہادیو کی مفوضہ خدمات اور فرائض بھی برقرار اور عائد رہیں گے۔

پرمبھا کر کے ماں باپ اور بھائی بہن اس کی اس خصوصیت اور عادت سے خوفزدہ رہتے تھے کہ وہ کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت میں بے سوچے سمجھے سیدھے سپر ہو جایا کرتا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہ یہ نہیں سوچتا تھا کہ اس کا مقابلہ کس سے ہے اور اس کا حریف دنیاوی جاہ اور مرتبے میں کتنا فائق اور برتر ہے لیکن پرمبھا کر کو اس کا نسلی افتخار ہمیشہ ہی فائزے پہنچا تا رہا۔ اگر یہ نسلی برتری اس کی پشت پناہی نہ کرتی تو شاید اس کا کبھی کام کام ہو چکا ہوتا۔

درمیانے تہذیب کے جس کنارے ہمیں آباد تھا وہاں سے اندور زیادہ دُور

نہیں تھا، شمال میں مرقا غزیا بندھیا چل کا کوہستانی سلسلہ پھیلا ہوا تھا جہاں ہندوستان کے قدیم باشندے پھیل آباد تھے۔ جنوب میں ست پڑے کی پہاڑیاں تھیں۔ یہ ان دونوں کی داستان ہے جب مالوے پر ہونکر خاندان کی حکمرانی تھی۔ اس خاندان کا پہلا فرماں روا ملہاراد ۷۴ سال کی عمر میں رخصت ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا کنوری لادپانی پت کے قیسرے معر کے ۱۷۹۱ء میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ اب اندور میں کنوری لاد کی بیوہ اہلیا بائی اور اس کا بیٹا مالی راد دونوں ہونکر حکومت کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے تھے۔ اہلیا بائی کو شہ نہ تھا کہ کہیں اس کے حاسد اور مخالف اس کی راہ میں کانٹے نہ بچھا دیں۔ وہ پیشوائے پونا کے ہاتھ میں تھی اور اسی کی توثیق اور تینیس سے حکومتیں قائم اور ختم ہوتی تھیں۔ اہلیا بائی اندور کے بجائے ہمیسر میں مقیم تھی اور یہیں سے حکومت کر رہی تھی۔

ہمیسر کے مشرق میں آبادی کے آخری سرے پر چارنوں کا مار دھماٹ قبیلہ آباد تھا اور پرمبھا کر کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔ یہاں ان کا ایک شاندار مندر بھی تھا جس میں مہادیو کی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ مار دھماٹ خاندان کی عورتیں اور مرد صبح و شام مہادیو کی خدمت میں حاضری دیتے اور اپنی اطاعت گزار کی کا مہادیو کو علما، یقین دلا کر قلبی طابیت حاصل کرتے۔

پرمبھا کر بھی مہادیو کی خدمت میں حاضری دیتا اور ان کے قدموں میں ادب سے جھک کر دعا مانگتا کہ ہے مہادیو! میں پرمبھا کر تیرا ادنی چاکر ہوں۔ ہماری پیدائش جس مقصد کے لئے ہوئی تھی تو اس کو میرے ذہن اور حافظے میں ہمیشہ محفوظ اور تازہ رکھ۔ مجھ کو میری نسلی خصوصیات اور ادھاف سے معروف اور مشہور کر!

اس کی یہ دعا ہر ایک کے علم میں آ چکی تھی۔ اس کے والدین اور بھائی بہن اس کی اس دعا کے خلاف تھے۔ باپ کہا کرتا: "پرمبھا کر! میں کچھ عرصے سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تو خاندانی روایات کا حامل نہیں رہا۔ اگر میرا شبہ درست ہے تو ہم سب کے لئے بڑے فکر کی بات ہے، اگر مجھے غلط فہمی ہوئی ہے تو میں باپ ہونے کے باوجود تجھ سے معافی مانگ لوں گا۔"

پرمبھا کر نے اپنے باپ کو گھوڑا اور کسی اجنبی کی طرح سوال کیا۔ پتا چلی! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا، آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

باپ نے جواب دیا: "بیٹے پرمبھا کر! میں چاہتا یہ ہوں کہ تو بے لگتے ہوئے

حالات سے کچھ فائدہ اٹھالے۔“

پربھاکر نے جواب دیا۔ ”میں خود بھی یہی چاہتا ہوں اپنے حق میں، لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ ان بدلتے ہوئے حالات سے میں ناجائز فائدہ اٹھالوں۔“
ان دونوں کے پیچھے ماں اور بہن بھائی بھی موجود تھے۔ ماں ذرا آگے بڑھی اور پربھاکر کو مخاطب کیا۔ ”بیٹے، تو اپنے باپ کی باتوں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کر، ہم سب کی یہ خواہش ہے کہ پریشان اور مزدماحول سے نکل کر کسی طرح متمول لوگوں میں پہنچ جائیں لیکن شاید ہم یہ نہیں جانتے کہ قدرت کا عمل اور بشرط کیا ہے کسی معاملے پر اور ہمیں آسودہ حال بننے کے لئے کیا کچھ کرنا ہو گا؟“

پربھاکر ناک سھونچوڑھا کر بولا۔ ”ماں جی! ہم آسمانی نسل کے لوگ مہادیو کے بیل کو شیر سے محفوظ رکھنے کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ چنانچہ اگر ہم بھی مایا لومہ کا شکار ہو گئے تو مہادیو کے بیل کی حفاظت کون کرے گا؟“

ماں منہ کر پیچھے ہٹ گئی۔ اب بہن آگے بڑھی، اس نے کہا ”بھائی! ہمیں مہادیو نے جو دنیا بتائی اور ددان بنایا ہے اس سے تم ہم سب کی کایا پلٹ کر سکتے ہو۔ یہ بہترین دقت ہے جس سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ مہادیو کی موت نے ماں کے رات سکھاسن کو خالی کر دیا ہے، سو رگباشی راڈ کی مہو اپنے بیٹے کو راجا بنانا چاہتی ہے۔ تم امیر وار راجا کی بیوہ ماں اہلیا یا بی سے ملو اور اس کی دل جوئی اور ہمت افزائی کر کے نذرانہ حاصل کر دو۔“

پربھاکر بہت پریشان تھا کہ وہ کس کس کو راضی کر کے چپ کرے، جان چھڑانے کے لئے جواب دیا۔ ”اگر تم سب کی یہی خواہش ہے کہ میں آسودگی کی خاطر بھکشو بن جاؤں تو میں یہ بھی کر دوں گا۔“

ماں باپ اور بھائی بہن پربھاکر کے جواب سے بہت خوش ہوئے اور وہ سب عالم بیداری ہی میں آسودگی اور طمانیت قلبی کے خواب دیکھنے لگے۔ وہ اپنے خونی دستے داروں کے پاس سے اٹھا اور مندر کی طرف چل دیا۔ یہ قدیم مندر معلوم نہیں کسے کھڑا اپنے پجاریوں اور عقیدت مندوں کے دلوں میں گھر کئے ہوئے تھا۔ یہاں شیو اور پاربتی کی پوجا ہوتی تھی۔ وہ شیو جو موت اور زندگی کا دیوتا ہے، وہ جو تغیرات، فطرت اور پاربتی شیو جی کی استری تھی، پربھاکر دودھ دار درختوں کی خار دار جھاڑوں سے گزر کر مندر کی سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ پجاریوں اور مندر کے پردہت نے پربھاکر پر

خاص توجہ نہیں دی۔ وہ لوگ کسی اور ہی خیال میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پردہت نے اپنے ایک چیلے کے کان میں کہا۔ ”راہاندر! پربھاکر بھات بڑے بڑے سے آیا ہے اس کو یہاں سے کسی طرح چلتا کر دے کیونکہ اگر یہ یہاں موجود رہا تو وقت اور موقع کا زیادہ فائدہ اس کے حصے میں چلا جائے گا۔“

پربھاکر نے پردہت کی سرکشی کو محسوس کر لیا، پوچھا۔ ”پردہت جی! آپ پریشان کیوں ہیں؟ میں شیو جی کے جبروں میں سیس نوا کر چلا جاؤں گا؟“
پردہت کھسیا کر کہنے لگا۔ ”پربھاکر جی! میں اپنے چیلے سے تمہاری بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو اس سے یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پربھاکر جی آئے ہیں کچھ جمل پان کا بندوبست ہو جائے تو خوب ہے۔“

پربھاکر نے جواب دیا۔ ”پردہت جی! جمل پان کی کوئی مزدمت نہیں، مہربانی۔ پردہت جی اپنی جگہ سے اٹھ کر پربھاکر کے پاس پہنچ گئے اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا، کہا۔ ”پربھاکر جی! میں تم سے یہ کہوں گا کہ اس سے تم اپنے گھریا کہیں اور چلے جاؤ کیونکہ میں نے تمہاری بابت ایک خوفناک سنا دیکھا ہے، اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ تم یہاں کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔“
پربھاکر نے جواب دیا۔ ”میں شیو جی کے درشن کر کے جلا جاؤں گا۔ آپ میری وجہ سے بالکل پریشان نہ ہوں پردہت جی!“

پردہت کی پریشانی اپنی جگہ بھی، اس میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ پربھاکر شیو کی شبیرنگ کے سلفے جاکھڑا ہوا اور دل ہی دل میں جذباتی کیفیت سے دعا مانگنے لگا۔ وہ شیو جی سے اپنے حالات میں خوشگوار تندرستی کی آرزو کر رہا تھا۔ اس کے آس پاس پردہت اور اس کے چیلے جمع ہو گئے۔ یہاں دیوداسیاں بھی تھیں جو سہمی سنواری شیو جی کی یارگاہ میں حاضر رہتی تھیں۔ پربھاکر دیوداسیوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ وہ اس صبح اور صبح نوجوان کو لپٹی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ پربھاکر نے بھی انہیں پرستون نظروں سے دیکھا اور ایسی ہی جاتی کیفیت کا شکار ہو گیا کہ شیو جی سے پراپھنا کرنا بھول گیا۔

پردہت کو دیوداسیوں کا اجتماع گراں گزر رہا تھا۔ اس نے اشارے سے دیوداسیوں کو ہٹانا چاہا۔ ان میں کی چند جو بزدل تھیں چلی گئیں، بقیہ وہیں کھڑی رہیں۔ پردہت ان کو دونوں ہاتھوں سے آس پاس ہٹاتا شیو جی کے سامنے پربھاکر

کے دہرہ جاکھڑا ہوا، لولا۔ ”پر بھاکر! میرا خیال ہے اگر تو یہی دعا مہادیو جی سے مانگے تو تورا پوری ہو جائے گی، کیونکہ چاندلوں کی پیدائش مہادیو جی کی راہنِ منت ہے“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”برہمت جی! آپ میری فکر نہ کریں، میں مہادیو کے پاس بھی جاؤں گا لیکن اس سلسلہ میں تبدیلی کا کام شیوجی ہی انجام دیتے ہیں۔ زندگی موت اور موت سے زندگی شیوجی کی مرضی اور اجازت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ مہادیو بھی شیوجی کے حکم کے خلاف نہیں جاسکتے، اس لئے میں شیوجی کو کس طرح نظر انداز کر دوں؟“

لتنے میں ایک دیوداسی نے برہمت جی سے پوچھا۔ ”برہمت جی! کیا مادیو کا برادری کے پر بھاکر ہی صاحب ہیں؟“

پر بھاکر نے اس حسین اور نوجوان دیوداسی کو سرسری نظر سے دیکھا تو لڑکھڑا گیا۔ گویا دو مخمور آنکھیں اس کے دہرے میں شراب داخل کئے دے رہی تھیں۔ برہمت نے ابھی کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ پر بھاکر بول اٹھا۔ ”اے پوتہ داسی! تو نے صحیح سمجھا۔ میں ہی مادیو کا برادری کا پر بھاکر ہوں لیکن کیا میں تجھ سے پوچھ سکتا ہوں کہ تو مجھ کو کس طرح جانتی ہے؟“

اب برہمت کے لئے پر بھاکر کا دہرہ ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔ اس نے دیوداسی کو ڈانٹا۔ ”رجنی کانت! تو بہت زیادہ باتیں کرنے لگی ہے۔ بس اب چلی جا یہاں سے۔ ہونے والے راجا کی ماں اہلیا بانی مندر میں آنے ہی والی ہے، میں نہیں چاہتا کہ وہ مندر کی بدنظمی کی شکایت کرے، پھر پر بھاکر سے کہا۔ ”اور پر بھاکر جی! تم بھی کچھ خیال کرو۔ تمہاری عزت اور مرتبہ اپنی جگہ لیکن اس مندر کے برہمت کی حیثیت سے مجھ پر جو ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کا تو مجھے خیال کرنا ہی پڑے گا۔“

لیکن برہمت کی باتوں کا نہ تو رجنی کانت پر یہی کوئی اثر ہوا اور نہ ہی پر بھاکر رش سے مس ہوا۔ رجنی کانت نے پر بھاکر کو مخاطب کیا۔ بولی۔ ”پر بھاکر جی! سنتی ہوں بھگوان نے تمہیں جتنی عقل دی ہے اس سے زیادہ علم بخشا ہے اور ان دونوں سے زیادہ زبان کی طاقت دے دی ہے۔ کیا تم کو ان چند دیوداسیوں کی کتھائیں یاد ہیں جنہوں نے اپنے جیون کی اس آگ کو بالکل بجھا ڈالا تھا

جس سے جیو میں سرکشی اور گرہی آتی ہے اور ان دیوداسیوں کے وہ کون سے حربے اور طریقے تھے جن کی مدد سے انہوں نے اپنی نفس کی آگنی پر قابو پالیا تھا؟“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”رجنی کانت جی! میں تمہیں کئی ایسی کتھائیں سناؤں گا جن سے پوتہ تارا اور معصومیت کا بھید تم پر کھل جائے گا۔“

اسی وقت مندر کے باہر سے لوگوں کے زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اچانک ایک چیلہ بھاگتا ہوا مندر داخل ہوا اور برہمت کو مطلع کیا۔ ”برہمت جی! اہلیا بانی جی آگئی ہیں۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا اور مالوے کا ہونے والا راجا مانی راؤ بھی ہے۔ آپ فوراً باہر تشریف لے چلتے۔“

برہمت بوکھلا گیا لیکن اس بوکھلاہٹ میں بھی وہ رجنی کانت اور پر بھاکر کو نہیں بھولا۔ اس نے رجنی کانت کو حکم دیا۔ ”رجنی کانت! میں شیوجی کا برہمت تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو میرے سامنے ہی یہاں سے چلی جا۔ کیونکہ میں اس خطرے کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا کہ یہ پر بھاکر تیرے جیسی جذباتی اور ناخبرجے کار الہیہ کتیا کے حق میں گئی کا لپکتا ہوا شعلہ ہے جو تیرے حرم و احتیاط، رکھ رکھاؤ، پاک اور نیکی کو دم بھر میں جلا کر رکھ کر دے گا۔ میں یہاں سے اس وقت رانی اہلیا بانی کے پاس جاؤں گا جب تو اپنی ساتھی دیوداسیوں کو لے کر یہاں سے چلی جائے گی، ورنہ میں یہیں کھڑا تم سب کی نگرانی کرتا رہوں گا۔“

اب باہری شور بالکل قریب آچکا تھا۔ برہمت کو اپنے ارادے سے باز نہ نہنا پڑا۔ اس نے رجنی کانت اور پر بھاکر کو ان کے حال پر چھوڑ کر باہر نکلنا چاہا۔ لیکن وہ ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اہلیا بانی اپنے بیٹے مانی راؤ کے ساتھ مندر میں داخل ہو گئی۔ برہمت نے مانی راؤ اور اہلیا بانی کا مسکراہٹوں سے خیر مقدم کیا اور اہلیا بانی نے بھی مندر کے مقدس لوگوں کا خوش دلی اور مسکراہٹوں ہی سے جواب دیا۔ دیوداسیوں نے اہلیا بانی کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اہلیا بانی کا دلی عہد بیٹا مانی راؤ حسین اور مدد بھری دیوداسیوں کو حریصانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ پر بھاکر کو ہر شخص نے نظر انداز کر دیا تھا۔ رجنی کانت مانی راؤ کی حریصانہ نظروں کو بھری طرح محسوس کر رہی تھی۔

برہمت نے اہلیا بانی سے کہا۔ ”مانی جی! ہم سب بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے تھے اور اس وقت آپ کو اپنے سامنے دیکھ کر ہم سب بے انتہا خوش ہیں“

رجنی کا نت شرانگتی، بولی۔ "شکر یہ مالی راؤ جی! لیکن میں شیوجی کی داسی ہوں، یہ بات ذہن نشین رہے۔"

پرمہت خوش تھا کہ مالی راؤ رجنی کا نت کے ہاتھوں مسخر ہو چکا تھا۔ اس طرح وہ مالوے کے ہونے والے راجا کو اپنے قابو میں کر کے زیادہ سے زیادہ دعائیں اور فائدے اٹھا سکتا تھا۔

اہلیا بانی نے گھوم کھانے بیٹے مالی راؤ اور اس کے بعد رجنی کا نت کی طرف دیکھا۔ پرمہت کرنے کسی کی پرواہ کئے بغیر اہلیا بانی سے بطور خاص کہا۔ "بانی جی! انیس کہ آپ خود بھی عورت ہیں اور میں جب آپ کے بیٹے مالی راؤ کو عورتوں اور لڑکیوں کی طرف حرص کی نظروں سے ٹھوکتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اپنی اور مالوے کی قسمت پر ماتم کرنے لگتا ہوں کہ ملہاراؤ کے بعد اس کو کیسا نالائق حکمران مل رہا ہے۔"

پرمہت کرنے شیوجی آمیز اور بے باک طرزِ خطاب نے مندر میں موجود شخص کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔ مالی راؤ ایک دم مشتعل ہو گیا، وہ تیزی سے پرمہت کرنے کی طرف بڑھا اور ڈانٹ کر پوچھا۔ "تو کون ہے اور یہاں کیوں کھڑا ہے؟"

پرمہت کرنے بڑے تحمل سے جواب دیا۔ "راؤ جی! میں اپنا تعارف پہلے ہی کر چکا ہوں۔ میرا نام پرمہت ہے اور میں مارو بھٹا ذات سے تعلق رکھتا ہوں۔"

پرمہت نے پرمہت کرنے کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، بولا۔ "پرمہت کر جی! اب تم یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں یہاں سے زبردستی نکلوا دوں۔"

پرمہت کرنے اگر کھڑکھڑاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اپنی مرضی سے تو باہر نہیں جاؤں گا۔ ہاں اگر تم مجھ کو دھکے دے کر نکلوا سکتے ہو تو نکلوا دو لیکن ایسا کرنے سے پہلے یہ بات رکھنا کہ میرے معاملے میں تمہاری زبردستی اور زیادتی نقصان دہ ہے گی میں آسمانی نسل کا معزز فرد ہوں مجھے بے عزت اور ذلیل کرنے والا خود بھی بے عزت اور ذلیل ہو جائے گا۔ وہ خود بھی خوار ہو کر رہے گا۔"

اب رجنی کا نت بھی بول اٹھی۔ "پرمہت کر جی بات سچی کہتے ہیں۔ میں تائید کرتی ہوں۔"

پرمہت نے ڈانٹا۔ "تو چپ رہ جی! پرمہت کر کو ایسی باتیں نہیں کرنا چاہیے تھیں۔"

اہلیا بانی کی پیشانی پر فکر اور تشویش کی سلیوئیں پڑی ہوئی تھیں، بولی۔ "پرمہت جی! میں مالی راؤ کے حق میں آپ کی دعاؤں کی طلبگاہ ہوں۔ پونا کے پیشوا نے ابھی تک مالی راؤ کے لئے خلعت نہیں بھیجی اور جب تک ہمیں یہ خلعت نہیں مل جاتی میرا من پرمیشانی میں گھرا رہے گا۔ میں آشا اور نرانا شا کے دربار سے پرمہت کی ناقابلِ بیان دھکم پیل بھیج رہی ہوں۔"

پرمہت کرنے نے نظر انداز کیے جانے کو برداشت نہیں کر سکا۔ وہ مالی راؤ کی ہوس اور طمع کی نظریں بھی دیکھ رہا تھا۔ اس نے پرمہت اور اس کے چیلوں کو دونوں ہاتھوں سے ہٹا کر اہلیا بانی کے پاس جا کر عرض کیا۔ "بانی جی! میں مارو بھٹا ذات کا پرمہت ہوں اور آپ کو دیکھنے اور ملنے کی بڑی تمنا رکھتا تھا۔ میں نے اپنے تصور میں آپ کی جو شبیہیں بنائی تھیں آپ کی صورت شکل اس سے بہت زیادہ مختلف ہے اور یہ کہ۔۔۔۔۔"

اہلیا بانی نے اس عجیب و غریب سا نزلے سلونے نوجوان کو دیکھا۔ پرمہت کرنے کی ہنس نے اہلیا بانی کو اس کی غیر معمولی ذہانت کا یقین دلادیا۔ اس نے پرمہت کرنے سے تو کچھ نہیں کہا۔ مگر پرمہت کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا گیا پوچھ رہی ہوں پرمہت جی! یہ کون شخص ہے؟

پرمہت کے چہرے سے اضطراب اور غصے کا اظہار ہوا ہاتھ اکٹھے بنا کر جواب دیا۔ "باز جی! کچھ لوگ دوسروں کے لئے بلاتے بے درماں ثابت ہوتے ہیں، یہ پرمہت کر بھی انہی میں سے ایک ہے۔ میں اس کی بے عزتی تو نہیں کر سکتا لیکن یہ میں بر ملا اور علی الاعلان کہوں گا کہ پرمہت کر سخت گستاخ اور بے ادب نوجوان ہے اور یہ شخص اپنی آسمانی نسل کے اعزاز کی سیر کے سہارے جو چاہتا ہے کہہ سکتا ہے۔"

مالی راؤ ان باتوں میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ رجنی کا نت نے اس کو چھیڑ دیا، بولی۔ "ملہاراؤ! آپ شیوجی کی داسیوں کو جن نظروں سے دیکھ رہے ہیں کیا یہ مناسب ہے؟"

مالی راؤ پالگوں کی طرح ہنسنے لگا پوچھا۔ "لوکی! تیرا نام؟"

اس نے جواب دیا۔ "رجنی کا نت۔"

مالی راؤ نے ہنسنے بند کر لیں۔ اس کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں، بولا۔ "تیرا نام تو بہت اچھا ہے۔ تیری ہی طرح دلکش اور حسین۔"

اہلیا بانی پر بھرا کر سے خاصی متاثر ہو چکی تھیں۔ ہمدہت سے کہا: ”ہمدہت جی! آپ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو جائیں۔ یہ ماد بھٹ ذات کا نوجوان خا صا د چسپ، جڑو اور ذہین معلوم ہوتا ہے۔ میں اس سے چند باتیں ضرور کروں گی۔“

ہمدہت نے ایسی اور بے دلی سے کہا: ”بانی جی! آپ کی مرضی دہرہ میں یہی کہوں گا کہ آپ اس سے باتیں کر کے خوش نہیں ہوں گی۔ یہ نوجوان ضرورت سے زیادہ منہ پھٹ ”درگستاخ“ ہے۔“

اہلیا بانی نے جواب دیا: ”مجھ کو ایسے لوگ پسند ہیں جو سیدھی سچی بات کرتے ہیں۔ پھر بھرا کر سے کہا: ”ماد بھٹ کے نوجوان میرا خیال ہے تم نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی، شاید تم کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے۔“

مادی را چل گیا، ”اٹا تا جی! اگر آپ نے اس سٹری اور گستاخ شخص سے باتیں کیں تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

لیکن اہلیا بانی نے بیٹے کی بات پر کوئی توجہ نہی نہیں دی، پھر بھرا کر سے کہا: ”ہاں پھر بھرا کر جی! تم ادھر کیا کہنا چاہتے تھے؟ کچھ نہیں بھی تو معلوم ہو۔“

پھر بھرا کر نے جواب دیا: ”بانی جی! جو شخص عورتوں کا رسیا ہو، وہ حکومت نہیں کر سکتا۔ مادی را جی جب سے یہاں آئے ہیں عورتوں اور لڑکیوں ہی سے انہیں سینک رہے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عورت کسے کہتے ہیں؟ عورت کیا ہے؟ مادی را نے پھر بھرا کر کا مذاق اڑایا: ”عورت کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟ ہودہ سوال ہے؟ عورت عورت ہے۔ اس کے علاوہ عورت کیلے؟ میں نہیں جانتا اگر پھر بھرا کر کو اس کے علاوہ کچھ معلوم ہو تو بتا دے۔“

پھر بھرا کر نے کہا: ”عورت ڈبھوں کا بگونا، مفرات کا مسکن، گناہوں کا مخزن، مکا یوں کا محل، بدگمانیوں کا ڈیرا، خرابیوں کا پڑا، بے حیائی کی ٹگری۔ یہ سب جو عورت کہلاتی ہے، امرت لے رہا کہ دوسرا نام ہے۔ اس کو دنیا میں جس نے بھی پیدا کیا، محض اس لیے کہ پادسانی کو میٹ دے۔“

ہمدہت نے پھر بھرا کر کو دھکے دے کر مندر سے نکلنے کی کوشش کی ”پھر بھرا کر اب تو تیرہاں لمحہ بھر بھی نہیں رہ سکتا۔ اسی وقت چلا جا یہاں سے۔“ تو نے عورتوں کی مذمت بانی جی کے سامنے کی، ان بانی جی کے سامنے جن کی نیکی اور مہر اذت کی قسمیں کھائی جا سکتی ہیں۔“

رجنی کانت نے بھی پھر بھرا کر سے ناراض ہو کر اپنا منہ پھر لیا۔ مادی را نے اپنی ماں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی، بولا: ”ماں جی! آپ نے اس بد مذہبان کی باتیں سنیں؟ آپ برداشت کریں تو کریں لیکن میں آپ کا اچھا نام برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ اس کو مندر سے نکلا دیں۔ دہرہ یہ قدم مجھ کو اٹھانا پڑے گا۔“

اہلیا بانی نے سختی سے جواب دیا: ”بیٹے! یہ گیانی نوجوان دہی کچھ کہہ رہا ہے جو ہزاروں سال پہلے منور نے کہا تھا اور پچھتر میں موجود ہے۔ عورت کے بارے میں یہ اس کی اپنی رائے نہیں ہے۔ منور کی رائے ہے۔“ اس کے بعد اس نے پھر بھرا کر سے درخواست کی: ”اے گیانی دھوٹا، نوجوان! تو ہمیں میرے اس پاس موجود رہ۔ میں تم سے بہت ساری باتیں کروں گی اور تیری عقل اور علم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گی۔“

ہمدہت، مادی را اور دوسرے موجود لوگوں کو اہلیا بانی کی یہ مہربانی اور شفقت آمیزی ناگوار گزری لیکن وہ اس کے خلاف دم نہ مار سکے۔ حاضرین میں صرف رجنی کانت ایسی تھی جو پھر بھرا کر کی تلخ اور اذیت آمیز باتوں کو پسند نہ کرنے کے باوجود اہلیا بانی کی باتوں سے خوش اور مطمئن ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر ایک بار پھر پھر بھرا کر کو دیکھا اور سکرا کر گردن جھکا لی۔

اہلیا بانی ہمدہت اور اس کے چیلوں کے ساتھ شیو جی کے چرنوں میں مودت ہو کر بیٹھ گئی اور رقت زدہ آواز میں اپنے مشکل معاملات میں شیو جی سے سہا تا چاہی مندر کی فضا لویاں کے دھوئیں سے کھرا لود اور مدھڑا ہو رہی تھی۔ مادی را اس وقت بھی حسین دیو داسیوں کے محسن میں کھویا ہوا تھا۔ پھر بھرا کر مادی را کو بہ جبر برداشت کر رہا تھا۔

پھر بھرا کر سے فارغ ہونے کے بعد اہلیا بانی نے پھر بھرا کر سے کہا: ”اے عاقل اور عالم نوجوان! تو ہمارے ساتھ چلے گا، ہمیں تیری ضرورت ہے۔ تیری رہنمائی، عاقلانہ باتوں اور نصیحتوں کی ضرورت ہے۔“

ہمدہت کو حیرت کے ساتھ رشک بھی ہوا کہ جس شخص نے اہلیا بانی کے سامنے عورت ذات کی مذمت کی تھی۔ اہلیا بانی اس سے کس عزت اور احترام کے ساتھ پیش آ رہی تھی۔ یہاں پر اس کو قسمت کا قائل ہو جانا پڑا۔

اہلیا بانی نے ہمدہت اور اس کے چیلوں کو داد و دہش سے خوش کر دیا۔

جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو اہلیا بانی سے چند قدم پیچھے پر بھاگ کر بھی چل رہا تھا۔ رجنی کانت پر بھاگ کر سے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن موقع نہیں مل رہا تھا۔ جب یہ لوگ مندر سے نکلنے لگے تو رجنی کانت بھاگ کر پر بھاگ کر کے پاس پہنچ گئی۔ اس کی مٹھی میں چاندی کا ایک چھلّا تھا۔ اس نے مٹھی پر بھاگ کر کے سامنے کھول دی اور کہا۔ "مار دھات کے گیانی نوجوان! غالباً یہ چھلّا آپ ہی کا ہے جو ہمارے ہتھکے دوران شبیر جی کے چریزوں میں گر گیا تھا۔"

پر بھاگ کر نے ایک نظر ڈالتے ہی انکار کر دیا، بولا۔ "میں یہ میرا نہیں ہے کسی اور کا ہوگا۔ میرے پاس میں سنجہ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ مجھ کو چھلّا کا شور ہی نہیں ہے۔"

اہلیا بانی اور مالی راؤ بھی رجنی کانت کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ رجنی کانت نے کنجیوں سے ان دونوں کی توجہ کو محسوس کر لیا اور پر بھاگ کر سے اصرار کیا۔ "لیکن میرا خیال ہے یہ چھلّا آپ ہی کا ہے کیونکہ اگم یہ بالی جی اور راؤ کا ہوتا ہے یہ چاندی کے بجائے سونے کا ہوتا، حافظے پر بند رہے کہ چھلّا کو دیکھتے شاید پہچان میں آجائے۔"

اہلیا بانی نے کہا۔ "پر بھاگ کر! ہو سکتا ہے یہ تیرا ہی ہوتا تو بھول رہا ہو، کیونکہ شبیر جی کے چریزوں میں باؤ تو تھا یا میں کچھ دیر رہی ہوں۔ میرے پاس چاندی کی کوئی چیز میرے سے موجود ہی نہیں، اس لئے یہ تیرا ہی ہوگا۔"

اہلیا بانی یہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ مالی راؤ ماں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ نوکر چاکرمان دونوں کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ ان کا پر بھاگ کر سے کوئی تعلق نہ تھا اس لئے وہ بھی پر بھاگ کر کو رجنی کانت کے پاس چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ اب پر بھاگ کر اور رجنی کانت تہوارہ گئے تھے۔ پروہتہ اس کے چیلے اور چند دیو داسیان بیس کیچیں قدم ڈور کھڑے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پر بھاگ کر نے کہا۔ "رجنی کانت! شاید تیرا ہی نام ہے۔ میں ایک بار پھر لگا کر دیکھتا ہوں کہ یہ چھلّا میرا نہیں ہے۔"

رجنی کانت نے آہستہ سے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ یہ چھلّا آپ کا نہیں ہے، میرا ہے لیکن اس وقت تو آپ اسے اپنے ساتھ لیتے جا رہی ہیں۔ چھلّا کے سہارے میں آپ سے یہ کہنے آتی ہوں کہ آپ نے آج عورت کی جواہرات کی ہے مجھ کو اس سے

سنت تکلیف پہنچی ہے۔ آپ یہاں ایک بار پھر آئیں گے تاکہ میں اس موضوع پر آپ سے باتیں کر سکوں۔"

پر بھاگ کر رجنی کانت کی چالاکي پر حیران رہ گیا۔ سر دھری سے چھلّا لے لیا اور آہستہ سے کہا۔ "جب تو اس ماحول میں اتنی ڈری سہمی رہتی ہے تو پھر مجھ سے باتیں کس طرح کرے گی؟"

رجنی کانت نے جواب دیا۔ "آپ آہستہ سے گاؤں سہی، بانوں کا بھی موقع نکال لیا جاتے گا کسی نہ کسی طرح۔"

ان دونوں کو اتنے اہماک سے مصروف گفتگو دیکھ کر پروہتہ تیز تیز قدموں سے چل کر ان کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا۔ "تم دونوں میں یہ کیسی باتیں ہو رہی ہیں؟"

رجنی کانت پر بھاگ کر کے پاس سے ہٹتی ہوئی بولی۔ "پروہتہ جی! یہ گیانی دھووان اپنا چھلّا شبیر جی کے چریزوں میں گر آیا تھا۔ میں اس چھلّا کو واپس کرنے آئی تھی۔"

پروہتہ نے کہا۔ "شاید ممکن ہے لیکن اب تو اس چھلّا کو واپس کر چکی ہے۔ اس میں اتنا وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل؟"

رجنی کانت نے جانتے جانتے سرگوشی میں کہا۔ "آہستہ سے انتظار کروں گی۔"

پر بھاگ کر نے چھلّا کو حفاظت سے رکھ لیا اور رجنی کانت اور پروہتہ کو چھوڑ کر اہلیا بانی کے پاس چلا گیا۔

* * *
مہسیر کی شاندار عمارت میں اہلیا بانی اور اس کا کنیہ والیان دیاست کی شان سے رہ رہا تھا۔ اہلیا بانی نے پر بھاگ کر کو جو حصہ رہنے کے لئے دیا تھا۔ اس کا اہلیا بانی کے کمرے سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ مالی راؤ کی خواب گاہ ذرا دور تھی پر بھاگ کر نے کئی بار گھر جانے کا ارادہ کیا لیکن نہیں جاسکا۔ وہ پریشان تھا کہ اس کے ماں باپ اور بھائی بہن اس کی گمشدگی سے کس قدر پریشان ہوں گے اور یہاں تو اس کو اب یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ غالباً اہلیا بانی نے اس کو بھلا دیا تھا ورنہ وہ اس کو

ایک آدھ بار یا دھڑ دھڑ کرتی۔ دوسری طرف اس کو درجنی کانت کا بھی خیال آ رہا تھا پر بھاکر
رجنی کانت کی ذہنی اذیت کا بھی احساس کر رہا تھا۔

وہ صبح سے سہ پہر تک اہلیا بانی کی آمد کی خبر سن کر اس کا انتظار کرتا رہا لیکن
جب وہ نہیں آتی تو اس نے اپنے کمرے کے سنتری سے کہا: "سنتری جی! ہمیں بانی جی
سے ملنا چاہتا ہوں۔"

سنتری نے جواب دیا: "بانی جی سے ملنا کوئی مشکل کام تو نہیں ہے، آج کل
وہ اپنے بیٹے کو راجا بنانے کے چکر میں کھوفی کھوفی پریشان پریشان رہتی ہیں بہر حال
میں انہیں مطلع کر دوں گا۔"

کافی دیر بعد سنتری نے اس کو اطلاع دی کہ اہلیا بانی اس سے "خدا" ملنا
چاہتی ہے اور پر بھاکر کو اسی وقت یاد کیا ہے۔

پر بھاکر اہلیا بانی کے ایک آدمی کے ساتھ اس کے سادہ سے دیوار کی طرف
روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ چکر دار دلالوں سے گزرتا ہوا اہلیا بانی کے دربار میں پہنچ گیا۔
یہاں اہلیا بانی کے پاس کوٹھے سے کولھا ملائے مالی راڈ بھی بیٹھا تھا۔ اہلیا بانی کے سامنے
ایک تہہ کی ہوتی چادر ہمیشہ پوننا کی خلعت رکھی ہوتی تھی اور اہلیا بانی کے سامنے
پیشوائے پوننا کے ہر گاہ کے کھڑے ہوتے تھے۔ خلعت کے پاس ہی تلوار رکھی تھی۔ پر بھاکر
نے اہلیا بانی کو بے حد خوش و خرم دیکھ کر اور خلعت اور تلوار کی موجودگی میں یہ اندازہ
لگایا کہ مالی راڈ کو پیشوائے پوننا کی طرف سے بردہ حکومت موصول ہو چکا ہے۔ اس
نے گھبرا کر پوچھا: "بانی جی! آپ نے مجھے یاد کیا تھا؟"

اہلیا بانی نے جواب دیا: "ہاں، میں نے تجھے کو یاد کیا تھا اور اس لئے کہ تو نے مجھ
کو یاد کیا تھا۔"

یہ کہتے ہوئے اہلیا بانی معصومیت سے مسکادی۔ پر بھاکر اہلیا بانی کے
تقصیلی جواب کا منتظر رہا لیکن وہ مختصر سی بات کر کے گویا پر بھاکر کو کھول گئی اور
پیشوائے پوننا کے دفتر سے مخاطب ہو گئی، بولی: "میں پیشوائے پوننا کی شکریہ گزار ہوں
کہ اس نے میرے بیٹے مالی راڈ کا حق حکمرانی تسلیم کر لیا میری طرف سے پیشوائے پوننا
کے چچا رگھو یاداد کا شکریہ ادا کر دینا کیونکہ وسط ہند کی مرہٹہ فوج کا وہی سپہ
سالار ہے اور اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر میرا بیٹا مالی راڈ مالوے کا حکمران
نہیں بن سکتا تھا۔"

اہلیا بانی کے اشارے پر مالی راڈ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور پیشوائے پوننا
کی خلعت کو اٹھا کر سر پر رکھ لیا۔ دفتر کا سردار مالی راڈ کے قریب گیا اور تلوار اس کی کر
سے لگا دی۔ اہلیا بانی نے فخر اور خوشی کے جذبات سے یہ کارروائی دیکھی اور دفتر کو
انعام داکرام سے نوازا دیا۔

کچھ دیر بعد دربار برخواست ہو گیا اور وہاں سے اہلیا بانی، مالی راڈ، پر بھاکر
اور چند خدمت گاروں کے سوا ہر کوئی چلا گیا۔ پر بھاکر کا خیال تھا کہ آج اہلیا بانی شاید
ہی اس سے کوئی بات کرے لیکن اسی دوران اہلیا بانی کی آواز سنا دی۔ وہ اپنے بیٹے
مالی راڈ سے کہہ رہی تھی: "مالی راڈ! تجھے پر بہت بڑی ذمہ داری

آپڑی ہے تیری مدد کے لئے میں موجود ہوں لیکن میں ہمیشہ تیرے پاس نہیں رہوں
گی۔ میں تجھ سے زیادہ جی چکی ہوں اور تجھ سے پہلے مر جاؤں گی۔ میں چاہتی ہوں
کہ جب تک میں زندہ ہوں، تجھے امور حکومت سے باخبر کر دوں اور اس میں توانا
پکا ہو جائے کہ تجھ کو میرے بعد میری ضرورت ہی نہ محسوس ہو۔"

پھر وہ پر بھاکر کی طرف مڑی، بولی: "ہاں، یہ گمانی دھووان چوڑا بھی نوجوان
ہے اس لئے کہ زندگی بھر تیری رہنمائی کر سکتا ہے۔ اس کی باتوں میں سچائی کی تلخی ہوتی
ہے لیکن مالی راڈ اگر تو سچائی کی کردواہٹ کو خلق سے اتار لے گیا تو میں تجھ کو اسی
وقت یہ خوش خبری سناسکتی ہوں کہ یہ کردواہٹ تجھ کو ہمیشہ گرا ہی اور بے راہ مدی
سے بچائے رکھے گی۔"

مالی راڈ اور پر بھاکر نے ایک ساتھ ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک دوسرے
کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پر بھاکر کے چہرے ہوتے چہرے پر علم اور تدبیر کا سکون تھا،
طمانیت تھی اور خود اعتمادی تھی مگر مالی راڈ کا چہرہ جذباتی اور شاک تھا اس کو پر بھاکر
کی باتیں ذرا بھی اچھی نہیں لگتی تھیں اور وہ اپنے معاملات میں پر بھاکر کی مداخلت
کو ذرا بھی پسند نہ کرتا تھا مگر قابل احترام اور عقلمند ماں کے آگے بے بس اور مجبور
تھا۔ مالی راڈ نے صاف صاف پر بھاکر کی مخالفت نہیں کی مگر اشاروں کتابوں
میں اپنے دل کی بات کہہ دی۔ بولا: "ماں جی! بھگوان نے مجھ کو بھی عقل دی ہے،
میں باغ بھی ہوں اس لئے ہر اس شخص کو جسے اپنے گمانی اور دھووان ہونے پر
مان اندگان ہو مجھ سے جا اور بے جا الجھنے کی کوشش نہ کرے۔ میں کسی حد تک
تو ملا غلتیں اور مراحتیں برداشت کر سکتا ہوں لیکن ہمیشہ اور ہر معاملے میں

برداشت کرنے کو قطعاً تیار نہیں“

اہلبا بانی نے پربھاکمر سے کہا: ”اب میں تو خاموش ہوتی جاتی ہوں نیز باتوں کا جواب یہ عاقل اور عالم نوجوان ہی اچھی طرح دے سکتا ہے“ پھر پربھاکمر سے کہا: ”مجھ کو میری طرف سے اجازت ہے۔ مانی راؤ کو اس کے غم اور اعتراض کا معقول جواب دے دے“

پربھاکمر نے جواب دیا: ”قابل احترام خاتون! میں خود بھی کسی حد تک تو مالوسے کے نئے اور نوجوان حکمران کی رہنمائی کر سکتا ہوں لیکن ہمیشہ اور ہر معاملہ میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ نوجوان راجا کو بہت جلد اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ اس کا شاندار لباس اور ظاہری شان و شوکت اسی وقت تک اس کا ساتھ دیں گے جب تک یہ خاموش رہے گا لیکن جب یہ عقلمندوں کے سامنے اپنی زبان کھولے گا تو اس کی کم علمی اور ناتجربہ کاری اس کے شاندار لباس اور ظاہری شان و شوکت کے رعب اور دبیرے کو ختم کر دے گی“

اہلبا بانی پربھاکمر کی شاندار باتوں سے اتنی متاثر ہوئی کہ مانی راؤ کو حکم دیا کہ جب تک نوجوان نہ رہے اور حکومت کر رہا ہے اس قدر نایاب اور گہرے لاجواب کی قدر اور سہولتی سے غافل نہ رہے۔ کیونکہ کسی راجا اور حکمران کے ہاتھ، پاؤں اور داروغے ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں، مانی راؤ کے پاس اس کے رد اور اعتراض کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ اہلبا بانی نے مذہب اور متفکر مانی راؤ کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا۔ پربھاکمر اب بھی اس کے پاس ہی موجود تھا۔

اہلبا بانی نے کہا: ”نوجوان گیانی، مانی راؤ جذبہ بانی، نادان اور ناتجربہ کلن نوجوان ہے۔ اس لئے اگر وہ تیری باتوں پر کان نہ دھرے اور سنی ان سنی کر دے تو تو اس سے مالوس اور دل برداشتہ مت ہو جانا۔ جھگڑانے چاہا تو یہ آہستہ آہستہ راہ راست پر مقرر آجائے گا“

پربھاکمر نے جواب دیا: ”بانی جی! بھگوان کو اگر میں مشورہ دے سکتا اور مجھ کو یہ یقین بھی ہوتا کہ وہ میرا مشورہ قبول کرے اس پر عمل درآمد شروع کر دے گا تو میں اس کو مشورہ دیتا کہ وہ انسانوں کو بہت زیادہ جاہل بیٹوں کے بجائے سب ایک لائق، عقلمند اور گیانی بنائے دے دیا کرے کیونکہ مقدس اور محترم بانی جی! ایک لائق اور گیانی بیٹا سینکڑوں جاہل اور گیانی بیٹوں سے بہتر ہوتا ہے، چاند اکیلا ہی اندھیرا ہوتا ہے کہ

دیتا ہے جبکہ لاتعداد ستاروں کی جمعیت یہ کام نہیں کر سکتی“

اہلبا بانی اس عجیب و غریب نوجوان سے متوجہ ہوتی جا رہی تھی۔ پربھاکمر کی ایک بات آپ ندر سے نکلی جانے کی مستحق تھی، بولی: ”مادھیات برادری کے لائق ترین نوجوان! اگر تو نے اپنا یہ علم اور عقل کسی طرح مانی راؤ میں منتقل کر دے تو میں زندگی بھر تیرے احسان مند رہوں گی اور اس پر ناز کرتی رہوں گی کہ میں نے ایک صحیح ترین انسان انتخاب کیا تھا“

پربھاکمر نے جواب دیا: ”میں کوشش سے باز نہیں آؤں گا مگر فی الحال تو میں اپنے والدین اور بھائی بہن کے پاس جانا چاہتا ہوں، جب سے میں یہاں آیا ہوں ایک بار بھی گھر نہیں جاسکا۔ میرے ماں، باپ اور بھائی بہن میری بابت معلوم نہیں کیا سوچ رہے ہوں گے“

اہلبا بانی نے کہا: ”تو آج ہی گھر چلا جا اور مجھ سے اپنے ماں باپ اور بھائی بہن کے لئے تحفے لیتا جا اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کرتا جا کہ تو واپس بھی آجائے گا میرے پاس“

پربھاکمر نے جواب دیا: ”آپ کی ہمدردی اور محبت کا بہت بہت شکریہ“ پھر اس نے اپنے کمرے میں جا کر گھر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کچھ دیر بعد اہلبا بانی کی طرف سے سونے چاندی کا ایک تحفہ، چند مالائیں، ایک خلعت اور خشک میوؤں کا ایک ٹوکرا پربھاکمر کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔ اہلبا بانی کا پورا محل پربھاکمر کی غیر معمولی عزت کرنے لگا تھا جب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا تو کئی خدمت گاروں نے اس کا سامان منہجلا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ مانی راؤ جھوکے سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ پربھاکمر سے خوش نہیں تھا اور اس کو اپنے حق میں ایک مصیبت سمجھتا تھا۔ اس نے ایک آدمی پربھاکمر کو بلانے کے لئے بھیجا۔ محل کے باہر رتھ نا گاڑی پربھاکمر کے انتظار میں کھڑی تھی۔ جب مانی راؤ کا یہ زمان پربھاکمر کو ملا کہ وہ اپنے آقا کی اجازت اور زبارت کے بغیر کہیں بھی نہیں جائے گا تو یہ بات پربھاکمر کو گراں گزری۔ اس نے کہا: ”ابھی تک تو میں مانی اہلبا بانی کو مالوسے کی سب سے بڑی شخصیت اور اپنی آقا سمجھتا تھا لیکن مانی راؤ کے اس منہ لیسے سے یہ پتہ چلا کہ اس محل میں ایک چھوٹا آقا بھی موجود ہے۔ اور یہ چھوٹا آقا اپنے حکم کو بڑا اور مقدم سمجھتا ہے“

سندید لانے والا مانی راؤ کا خاص خوشامدی خدمت گار دوار کا تھا۔ پر بھاکر کی بات اس کو گراں گزری، بولا، "شریمان جی، یہ آپ کی بددھی کا قصور ہے جواب بھی مانی راؤ کو چھوڑا آقا سمجھ رہی ہے۔ ملہار راؤ کے راج سنگھاسن پر بیٹھ جانے کے بعد مانی راؤ مالوے کا سب سے بڑا آقا بن چکا ہے۔"

پر بھاکر نے اپنے خدمت گاروں کو حکم دیا کہ وہ سامان کو گھوڑا گاڑی میں رکھیں وہ تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہے۔ خدمت گار سامان لے کر محل کے باہر چلے گئے اور پر بھاکر دوار کا کسے ساتھ مانی راؤ کے پاس پہنچ گیا۔ مانی راؤ نے نیویں چڑھا رکھی تھیں منہ بنا کر پوچھا، "یہ تو کہاں جا رہا ہے؟"

پر بھاکر کو مانی راؤ کا یہ سوال گراں گزرا کیونکہ جب مانی اہلیا بانی نے اس کو گھر جانے کی اجازت عطا کی تھی تو وہیں سامنے مانی راؤ بھی موجود تھا۔ پر بھاکر نے بھی تکنت سے جواب دیا، "میں کہاں جا رہا ہوں اس سے آپ بخوبی واقف ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو آپ کے اس سوال کا کیا جواب دوں؟"

دوار کا نے شکایت کہا، "مالک، یہ گرجی ابھی کہہ رہے تھے کہ میں مانی جی کو مالوے کی سب سے بڑی شخصیت اور اپنی آقا سمجھ رہا تھا لیکن اب مالک کے بلاوے سے پتہ چلا کہ اس محل اور اس دیش میں ایک چھوٹا مالک بھی موجود ہے۔ یعنی آپ یہاں کے چھوٹے مالک ہیں؟"

مانی راؤ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ دوار کا سے پوچھا، "بھرتو نے کیا کہا؟" دوار کا نے جواب دیا، "میں نے جواب دیا کہ شریمان جی یہ آپ کی بددھی کا قصور ہے جواب بھی بڑا آقا آپ کو چھوڑا نظر آ رہا ہے کیونکہ ملہار راؤ سورگباشی کے راج سنگھاسن پر بیٹھ جانے والا مالوے کا سب سے بڑا آقا بن چکا ہے۔"

مانی راؤ کے چہرے پر تازگی اور گفتگوئی آگئی۔ شادمان کیفیت سے دوار کا کو دیکھ کر پر بھاکر سے کہا، "تو بڑا گیانی اور دھووانی بات ہے۔ حالانکہ تجھ سے زیادہ علم اور عقل تو اس دوار کا میں ہے تو کچھ دن کے لئے دوار کا کا چیرلا بن جاتا کہ دربار سرکار کے آداب سیکھ جائے۔"

پر بھاکر نے جواب دیا، "آپ کی نظر میں گیانی اور دھووان دربار داری اور خوشامد کو کہتے ہوں گے لیکن ایک عالم اور عقل مند کے نزدیک دربار داری اور خوشامد بھک منگوں کا پیشہ ہوتا ہے اور چونکہ یہ دقت کسی دقت طلب بحث کا نہیں ہے

اس لئے مجھ کو ضروری سوال جواب کے بعد اگر رخصت کر دیا جائے تو آپ کا کرم ہوگا؟" مانی راؤ کو رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کہ یہ عجیب ہے جس نوجوان ہے جس پر اس کی حکومت اور دبے کا کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بچوں جیسی صند پر اتر آیا بولا، "پر بھاکر جی! معلوم نہیں تو کس ہوا میں ہے۔ اس محل اور اس راج میں میری طرف سے چھڑنے والی ہر بحث اہم بحث ہے اور میری معمولی سی بات بھی ایک بحث ہے۔ میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ عقلمندی اور بادشاہی میں بڑائی کس کو حاصل ہے؟"

پر بھاکر نے جواب دیا، "قابل احترام رانی کے نادان بیٹے! میرے پاس آپ کے اس سوال کا بہترین جواب موجود ہے لیکن اگر جواب پر مجھ کو آپ مجبور نہ کریں تو بہتر ہے۔"

مانی راؤ نے سختی سے کہا، "نادان انسان! میں اپنے سوال کا جواب لے کر رہوں گا۔ اسی وقت ما بھی، اسی لمحے۔"

پر بھاکر نے نظریں ملاتے بغیر جواب دیا، "اگر آپ بالک ہٹ ہی برائے ہیں تو جواب حاضر ہے۔ آپ دانائی اور بادشاہی کے مابین بہتری اور کمتری کا سوال ہی غلط کر رہے ہیں۔ آپ بڑائی معلوم نہیں کس شے کو دیتے ہیں۔ میں تو دانائی اور بادشاہی کو برابری کا درجہ بھی دینے کو تیار نہیں کیونکہ دانائی بادشاہی سے بڑی اور برتر ہوتی ہے اور بادشاہی اس سے کمتر ہوتی ہے۔"

دوار کا پر سناٹا طاری ہو گیا اور مانی راؤ مشتعل ہو گیا چرخ کر کہا، "ادبجات کے بچے! تجھے اپنے جواب کی سچائی کسی بڑی دلیل سے ثابت کرنا ہوگی ورنہ میں تیرا حلیہ بگاڑ دوں گا۔"

پر بھاکر نے جواب دیا، "مانی راؤ جی! مجھ کو اپنے جواب کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کسی بڑی دلیل کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان نہیں ہونا چاہیے گا۔ آپ کی بات اور اپنے جواب کی سچائی میں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ بادشاہ کی عزت اور حرمت اس کے اپنے ہی ملک تک محدود ہوتی ہے جبکہ دانائی کی عزت اور حرمت ہر جگہ ہوتی ہے۔"

مانی راؤ کو جواب ہو کر پانی کے پھین کی طرح بیٹھ گیا۔ جھنجھلا کر پوچھا، "اور یہ دانائی ہوتی کیا چیز ہے؟"

پربھاکرنے جواب دیا۔ "مہاراج! مختلف لوگوں میں دانائی کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں کے نزدیک دانائی لفظوں میں ہوتی ہے۔ جیسے طوطے کی عقل منہ بعضوں کا خیال ہے، دانائی دل میں ہوتی ہے جیسے گونگے کی بین میں کہتا ہوں کہ دانائی دلوں میں اور لفظوں میں برابر برابر بھڑکتی ہے۔"

مالی راڈ کی سمجھ میں یہ جواب اچھی طرح نہیں آیا لیکن اس نے اپنے دل میں پربھاکر کی دانائی اور مٹائی کا اعتراف ضرور کر لیا۔ نرمی سے بولا۔ "اے باتو! بھاٹ! میں نے تجھ کو اس لئے بلایا تھا کہ اب جبکہ تو اپنے گھر جا رہی رہا ہے تو وہاں جی بھر کے رہ لینا، واپس آنے میں جلدی نہ کرنا کیونکہ مجھ کو تیری اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی تیرے ماں باپ اور بھائی بہنوں کو ہو سکتی ہے۔"

پربھاکرنے جواب دیا۔ "مہاراج! سمندر کی تہہ میں بڑی بڑی سیپ میں چھپ ہوا موتی اس وقت تک گم نام، بے قیمت اور بے وقعت رہتا ہے جب تک وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ میری وقعت اور قیمت گھر میں نہیں گھر سے باہر ہوتی ہے اس لئے میں گھر سے جلدی ہی آنے کی کوشش کروں گا۔"

مالی راڈ نے کہا۔ "اچھا، جب تیرے جی میں آتے چلے آنا لیکن آچکنے کے بعد بھگوان کے لئے میرے ذاتی معاملوں میں دخل نہ دینا کیونکہ اگر کوئے ایسا کیا تو کوئی میرے لئے ناقابل برداشت ہو جائے گا اور میرے لئے ناقابل برداشت کوئی بھی چیز میرے آس پاس نہیں رہ سکتی۔"

پربھاکرنے ہنستے سے کہا۔ "مہاراج! میں جو کچھ اور جیسا کچھ بھی اس وقت اہوں، ویسا ہی ہمیشہ رہوں گا۔ یہ الگ بات ہے کہ میں خود کو قابل برداشت بنا سکوں گا یا نہیں۔ اگر میں نے آپ کو قابل برداشت بنا لیا تو میں ناقابل برداشت نہیں رہوں گا۔"

مالی راڈ نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا۔ "اچھا اب تو زیادہ دماغ نہ کھا اور یہاں سے فرار ہو جا۔ میں حالات کے ساتھ خود کو بردہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرے بہن میں کامیاب بھی ہوں گا یا نہیں؟"

پربھاکر محل سے باہر نکلا تو سامان سے لہری پھندی گاڑی تیار ملی۔ وہ اس میں بیٹھ کر اپنے گھر روانہ ہو گیا۔

✽

✽

✽

ماں باپ اور بھائی بہن پربھاکر سے مل کر مہمت خوش ہوئے لیکن حجب انہیں پربھاکر اور مالی راڈ کی کشمکش کا حال معلوم ہوا تو ہر کوئی اس پر ناراض ہوا۔ باپ نے اس کو سمجھایا۔ "بیٹے پربھاکر! راجا کو ناراض رکھ کر خود کیونکر ماضی خوش رہو گے؟ میں تجھ سے زیادہ تجربے کار ہوں، میری نصیحتیں دھوتی کے پلو میں باندھ لے۔ راجا کے پاس اٹھنے بیٹھنے والا اگر راجا کے ایسا پردن کورات اور رات کو دن کہہ سکتا ہے تو راج دربار میں دہی شخص جلد یا بدیر سب سے بڑا کہلائے گا لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو ایک نہ ایک دن ایسا کرنے والا کوئی دوسرا شخص اس کی جگہ لے کر اس کو رخصت کر دے گا۔"

پربھاکر نے جواب دیا۔ "پتا جی! میں بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں۔ آپ کی سوجھ بوجھ اور عقلمندی کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا، اس لئے آپ مجھ کو جس بات کا حکم دیں گے، میں اس کی تعمیل کروں گا لیکن اس نادان لڑکے سے میں کس طرح منگیوں گا جس کا نام مالی راڈ ہے؟"

باپ نے کہا۔ "اگر تو ماضی میں جھانک کر دیکھ سکے تو دیکھ لے، وہاں کتنے ہی پربھاکر اور مالی راڈ دکھائی دے جاتے تھے۔ یہ تیرے ظرف اور مہمت کی بات ہوگی اگر تو مالی راڈ کو برداشت کرے گا تو دنیا کا ہر کام کر سکے گا۔"

اب ماں آگے بڑھی اور پربھاکر کی ہی نصیحت کرنی رہی کہ نفس بات سے جان کا خطرہ ہو اس کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دینا۔ اگر میری اس نصیحت کے خلاف کچھ ہو جائے تو اس سے دل چھوٹا نہ کرنا اور ہمت اور حوصلے سے اپنی کوشش جاری رکھنا۔

بہن نے کہا۔ "بھائی! ہم اتنا زیادہ زیادہ کما کر مالی راڈ کے ہمارے دلہنہ دودھ ہو جائیں۔"

بھائی نے کہا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ بھاری پھٹکری لگے بغیر رنگ چوکھا ہی آتے۔"

گھر کے ہر شخص سے مل چکنے کے بعد جب اس نے یہ سوچا کہ اب وہ کون ہے جس سے ملنا باقی رہ گیا ہے تو سب سے پہلا نام رجنی کانت کا تھا جو ذہن میں اٹھرا جو کو عورت کے بارے میں اس کے خیالات اچھے نہیں تھے اس لئے رجنی کانت کو اپنے ملاقاتیوں کی ہرست سے نکال دینا چاہا لیکن اس کوشش میں بڑی جلدی اس کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ رجنی کانت کے معاملے میں دل اور دماغ متضاد اور متناقض

نہیں ہیں۔ وہ دو دلا ہوا ہاتھ ایک ہی دل کبھی ملنے کا مشورہ دے دیتا اور کبھی اس سے دور دھک دے دیتا۔ وہ بڑی دیر تک اسی ہاں اور نہیں کے شش و پنج میں مبتلا رہا آخر نہیں کی جیت ہوئی اور اس نے رجنی کا منت کے نام کو اپنے جاننے والوں کی فہرست سے نکال باہر کیا۔ اس وقت اس کو چاندی کا وہ چھلا یاد آگیا جو رجنی کا منت نے اس سے چند باتوں کا موقع نکالنے کے لئے یہاں سے دے دیا تھا۔ اسی دل جس نے رجنی کا منت سے ملنے سے منع کر دیا تھا، پر بھاکر کو اجازت دے دی کہ چھلے کی والیسی کی خاطر فدا دیر کی ملاقات میں کوئی ہرز نہیں چھنا سچہ اجازت پاتے ہی وہ مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ معلوم نہیں کیوں رجنی کا منت کی ان متوقع باتوں سے پریشان ہو رہا تھا جو بالآخر ایک ایسے موضوع میں منتقل ہو جائیں جس کا تعلق جس سے تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں مندر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اس کے آس پاس پوست کی تیار فصل کھڑی تھی۔ پوست کے ایک ایک گرمی پودے لہرا رہے تھے۔ ان میں سرخ و سفید پھول کھلے ہوئے تھے اور ڈوڈوں کی بہار آئی ہوئی تھی۔ انہی ڈوڈوں کو تلاش کر مینوں تیار کی جاتی تھی۔

مندر میں وہ جیسے ہی داخل ہوا، ایک ہنگامہ سا اٹھ کھڑا ہوا۔ پرودہت اپنے چیلوں کے ساتھ اپنی لکٹیا سے نکلا اور پر بھاکر کے منہ بڑھا کھڑا ہوا، پوچھا: "کبھی آج کوئی دن بعد نظر آئے؟"

پر بھاکر نے جواب دیا: "پرودہت جی! اس دن جلدی میں میں مالوے کی نفوس خاتون الیابانی کی خواہش پر ان کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اس نیک دل خاتون نے میری اتنی شاندار پندیرانی کی کہ میں اپنی مرضی کے خلاف عمل کے اس حصے میں رہ رہا ہوں جہاں لائی کا اپنا خاندان رہتا ہے۔"

پرودہت نے رشک سے کہا: "پر بھاکر جی! مبارک ہو، تم ایک خوش قسمت انسان ہو۔"

دیکھتے ہی دیکھتے اس کے آس پاس دیو داسیاں بھی جمع ہو گئیں۔ ان میں رجنی کا منت بھی تھی۔ وہ آئی اندر پر بھاکر کو ایک نظر دیکھا اور واپس چلی گئی۔ پر بھاکر نے رجنی کا منت کی نظروں میں ایک کرب، شکایت اور انفس کی ملی جلی کیفیت محسوس کی۔ پرودہت نے خلاف معمول، جاتی ہوئی رجنی کا منت کو آواز دی: "ارے، یہ رجنی کو کیا ہو گیا؟ یہ کہاں چل دی؟ اری اور جی! لک تو میری، یہ کہاں جا رہی ہے تو؟"

لیکن رجنی کا منت نہیں لڑکی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

پرودہت نے کھیلنے بن سے پر بھاکر کو دیکھا اور ہنسنے ہوئے کہا: "اس چھوٹے کو پتہ نہیں کیا ہو گیا۔ کیا تم سے کوئی بات ہو چکی ہے کہیں تم دونوں میں کسی بات پر جھگڑا تو نہیں ہوا؟"

پر بھاکر نے جواب دیا: "مجھ سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ پتہ نہیں وہ کیوں چلی گئی؟"

پرودہت نے کہا: "تم نے اپنی پہلی ملاقات میں عورت کی بے عزتی جو کی تھی۔ شاید وہی بات رجنی کا منت کو بری لگ گئی۔"

پر بھاکر سب کو چھوڑ چھاڑ کر رجنی کا منت کی تلاش میں چلا گیا۔ بڑے مندر سے ملحق ایک مندر اور تھا۔ یہ اس سے چھوٹا تھا اور اس کے سامنے اور دائیں بائیں دو دو حجرے بنے ہوئے تھے جن میں پرودہت کے چیلے اور دیو داسیاں رہتی تھیں۔ ان میں پرودہت کا حجرہ بڑے مندر سے متصل اور خاصا کشادہ تھا۔ بڑے مندر کے دروازے پر درگزر کا درخت اپنے عظیم چھتر کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کا سایا تناو وسیع و عریض تھا کہ کئی سو آدمی اس کے نیچے رہ سکتے تھے۔ درگزر کی جٹائیں زمین میں پیوست ہو کر جھاڑوں کا سماں پیدا کر رہی تھیں۔ چھوٹے مندر کے سامنے اور پشت پر دو پیل کے درخت کھڑے تھے۔ اونچے اونچے ہرے ہرے پتوں والے۔ یہیں ایک پکریا بھی تھی۔ پیل کے درختوں سے نیچے، پست قامت لیکن اپنے پھیلاؤ اور گھنیرے بن میں دونوں پیلوں سے کہیں زیادہ۔ اس کی لگتیاں اس کے نیچے بستر کی طرح بھیجی ہوئی تھیں۔ اس کے گھنیرے پتوں میں کوکوں نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا اور ان کی کایتیں کایتیں سے مندر کی فضا کو سج رہی تھی۔ رجنی کا منت اسی پکریا کی جڑ میں سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔

پر بھاکر مندر سے نکل کر درگزر کے نیچے رجنی کا منت کو تلاش کرتا رہا، وہ گول، موٹے چوڑے تنے کے چاروں طرف گھوم پھر کر اور جٹاؤں کے آس پاس تلاش کرتا رہا۔ پھر وہ چھوٹے مندر میں گھس گیا، یہاں بھی شیوجی کی ایک شاندار مورتی رکھی تھی۔ وہ کچھ دیر کے لئے شیوجی کی مورتی کے سامنے کھڑا رہ گیا۔ یہ شیوجی کے ٹانگوں نفس کی مورتی تھی۔ شیوجی عظیم و غضب کے عالم میں جنوبی نقص کر رہے تھے۔ ان کے چار ہاتھ تھے، ایک پاؤں نقص کی دھبے سے اٹھا ہوا تھا اور دوسرا کسی انسان کی لاش پر ٹکا ہوا تھا۔ پر بھاکر نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پرا رتھنا کی۔ "شیوجی! آپ

تخلیق اور فنا کے دیوتا ہیں، میرے گیان میں اضافہ اور اگیان میں کمی آپ ہی کر سکتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں مانوسے کی لائق احترام مانی اہلیا بانی کے دربار تک پہنچ چکا ہوں، وہاں میرے گیان اور تہ صبی بہر دقت خطرے میں رہیں گے کیونکہ مجھ کو جس شخص کی ہم نشینی ملی ہے وہ بہت بڑا جاہل اور نادان ہے۔

اس کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، پلٹ کر دیکھا تو پروہت اور اس کے چند چیلوں کو کھڑے ہوتے دیکھا۔ پروہت نے پوچھا: ”پرہیا کر جی! کیا جی کا سے ملاقات ہو گئی؟“

پرہیا کر نے کہا: ”نہیں، ابھی نہیں ہوئی۔“
 پروہت نے کہا: ”اگر تم اس سے ملنا چاہو تو پکڑتا تلے پہنچ جاؤ وہ اس کی جڑ میں منہ سجاتے بیٹھی ہے۔“

پرہیا کر حیران تھا کہ پروہت جی اس پر اتنے مہربان کیوں ہو سبے ہیں۔ وہ شیرو جی کے سامنے سے ہٹ کر مندر کے دروازے میں پروہت کے پاس جا کھڑا ہوا۔ بولا: ”پروہت جی! میں اس سے تھوڑی دیر کے لئے ملنا تو چاہتا تھا لیکن آئندہ خود ملاقات سے گریز کر رہی ہے تو میں زبردستی اور اصرار کیوں کروں؟ وہ نہیں چاہتی تو میں کیوں ملیں؟“

پروہت زور زور سے ہنسنے لگا: ”جھانی! جو جی میں گئے کرو میں تو جلا لیکن جانے سے پہلے مجھ سے ضرور مل لینا۔“

پروہت چلا گیا۔ پرہیا کر شیرو جی کو پرنام کرنے چلا گیا۔ پرنام کر کے وہ مندر کے باہر آگیا اور آہستہ آہستہ پکڑیا کی طرف بڑھا۔ رجنی کانت کا منہ مندر کی طرف تھا، اس نے پرہیا کر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو منہ پھیر لیا اور سنجیدہ و افسردہ منہ سمجھ کر بیٹھی رہی۔ پرہیا کر اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور انتظار کرنے لگا کہ رجنی کانت اسے دیکھنے کو وہ کوئی بات کرے لیکن رجنی کانت نے سر ہی نہیں اٹھایا۔ گمردن جھنگا نے لاعلم بنی بیٹھی رہی۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد پرہیا کر نے کہا: ”میں تمہارا چھلاؤ اپنا کرنے آگیا تھا۔ رجنی کانت! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم مجھ سے اس حد تک بیزار ہو تو میں یہاں نہ آتا۔“

اس کے بعد پرہیا کر نے چھلاؤ رجنی کانت کے قدموں میں گر دیا۔ جو

سیدھے پاؤں کے انگوٹھے کے ناخن سے ٹکرا کر ایک طرف لڑھک گیا۔ رجنی کانت نے شوخی سے سر اٹھایا اور زبردستی مسکرا کر پوچھا: ”کسی کی امانت۔ یوں واپس کی جانی ہے؟“
 پرہیا کر نے کہا: ”تم لوں تو سہی دمنہ میں تو یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ تم نے شاید اپنی زبان شیرو جی کے چہرہ میں چڑھا دی۔“

رجنی کانت نے جواب دیا: ”تم جو چاہو سو بوجھ لو کیونکہ تم کسی بھی معاملے اور مسئلے میں اپنے آپ ہی فیصلہ کر لیا کرتے ہو، تم نے عورتوں کی بابت جو اپنا فیصلہ سنایا تھا وہ بھی تمہارے مزاج اور عادت کے مطابق تھا۔“

پرہیا کر نے جواب دیا: ”میں نے عورت کے بارے میں جو رائے دی تھی اس سے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں تھی اور اگر سچائی سے کسی کو تکلیف پہنچ بھی جاتے تو اس پر زہامت یا انہیں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے رجنی کانت میں اپنی ملتے کی سچائی پر ماب بھی خوش اور مطمئن ہوں اور تیری آرزو کی یا مال مجھ کو زائد یا متاسف نہیں کر سکتے۔“

رجنی کانت نے کہا: ”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم بے رحم اور ظالم انسان ہو اور تمہارے سینے میں دل کے بجائے پتھر کا ٹکڑا رکھا ہے۔“

پرہیا کر ہنس دیا: ”تو تم بہت غصے میں ہو۔ میرے سینے میں بھی گوشت ہی کا دل ہے، یہ کہنا بھی ہے، دوسروں کے دکھ پر سب جیتا بھی ہے لیکن یہ سچائی اور دانائی کا بے دام کا غلام ہے، یہ منافقت اور جھوٹ کو قابلِ رحم نہیں سمجھتا۔“

رجنی کانت نے ادھر ادھر دیکھ کر پرہیا کر کے پاؤں پکڑ لیے، بولی: ”یہ کھڑے کھڑے کب تک بائیں بناتے رہو گے۔ کچھ دیر کے لئے بیٹھ تو جاؤ۔“

حسین عورت کے ہاتھ کے لمس نے پرہیا کر میں ہیجان پیدا کر دیا۔ وہ گھبرا کر بیٹھ گیا۔

رجنی کانت نے کہا: ”یہ بات ہوئی۔“

پرہیا کر نے کہا: ”رجنی کانت! میں نے عورت کی بابت جو کچھ کہا تھا، وہ میرا اپنا نہیں تھا۔ منو کی رتے تھی۔ ماضی کے بڑوں کی رتے تھی اور منو کی رتے اور بڑوں کے اقوال کو جھٹلانا ہم میں سے کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں ان انڈال کی سچائی پر اتنا ہی یقین رکھتا ہوں جتنا اپنے منہ پر اور منہ پر کی سچائی پر۔“

کانت: میں تنہا رہ سکتا ہوں۔ اکیلا زندگی گزار سکتا ہوں، اگر ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب رہے اور ملتے بھی رہے تو تم اپنی آنکھوں سے میرے اس دعوے کی سچائی کا مشاہدہ بھی کر لو گی؟

رجنی کانت نے جواب دیا: ”پر بھاکر جی! میں تمہاری طرح بہت زیادہ عقلمند ہونے کی دعوے دار نہیں ہوں لیکن اس خدا سی سچائی کا علم میں بھی رکھتی ہوں کہ ساتھی کے بنا تو شیطان بھی نہیں رہ سکتا، اس کو بھی ساتھی درکار ہوتا ہے؟ پر بھاکر اچھل پڑا، بولا: ”تب پھر میں بھی کسی کو اپنا ساتھی بنا لوں گا۔ اگر تم شیوجی کی داسی نہ ہوتیں تو تمہی کو اپنا ساتھی بنا لیتا لیکن اب کسی اور کو نہ بنا پڑے گا۔“

رجنی کانت نے کہا: ”کیوں مجھے کیوں نہیں؟ میں شیوجی کی داسی ہونے کے کارن تمہاری جیون ساتھی تو نہیں بن سکتی پھر ساتھی تو بن ہی سکتی ہوں، اس میں کیا دشواری حائل ہے؟“

پر بھاکر نے کہا: ”اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں اپنا ساتھی بنا لوں گا۔“
رجنی کانت بولی: ”لیکن میں اپنی لڑی لنگڑی، سٹری لگی دانائی اور سچائی کی قیمت ضرور دوں گی۔“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”میں قیمت بھی دوں گا، اس میں فکر کس بات کی؟ رجنی کانت نے پر بھاکر کا ہاتھ دبایا: ”اور وہ قیمت یہ ہو گی کہ تم مجھے ہمیشہ اپنا ساتھی بناتے رکھو اور آئندہ میری ذات کو اپنی تنقید کا نشانہ نہ بناؤ۔“
پر بھاکر سوچ میں پڑ گیا، بولا: ”یہ بہت مشکل ہے، جب میں بولوں گا تو سچ ہی بولوں گا اور اس سچ میں اگر تمہاری ذات سے متعلق جھوٹ بھی ہو گا تو میری تلخ نوازی سے محفوظ نہیں رہے گا۔“

رجنی کانت نے کہا: ”لیکن تم احتیاط تو کر سکتے ہو۔“

پر بھاکر نے کہا: ”ہاں ایسا کر سکتا ہوں، ایسا بالکل کر سکتا ہوں۔“
رجنی کانت نے بڑی گرم جوشی سے پر بھاکر کا ہاتھ دبایا: ”تب پھر وعدہ رہا؟“

پر بھاکر نے بھی ڈرتے ڈرتے ہاتھ دبایا: ”میں وعدہ جو کر رہا ہوں۔“
اب رجنی کانت نے پہلو بدل کر پر بھاکر سے کھڑک بٹھ جانے کی کوشش

رجنی کانت نے جواب دیا: ”پر بھاکر جی! میں کوئی عقلمند عورت نہیں ہوں لیکن چند سچائیوں کا مجھے بھی گیان حاصل ہے۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں بھی معلوم ہو پھر میں اس کو بیان کئے بغیر نہیں رہوں گی۔“

پر بھاکر نے خوش ہو کر کہا: ”رجنی کانت! دانائی اور سچائی کا تو میں عاشق ہوں، یہ جس سے اور جہاں سے ملے میں قیمتاً حاصل کرنے کو تیار رہوں۔ ایک ایسے قیمت پر جو میں ادا کر سکوں۔“

رجنی کانت کی آنکھوں میں چمک اُگتی، پوچھا: ”قیمت؟“ یعنی تم سچائی اور دانائی کو اپنی مقرر کردہ قیمتوں پر خریدنے کو تیار ہو؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”بالکل بالکل لیکن اس شرط پر کہ وہ سچائی اور دانائز سچائی اور دانائی ثابت بھی ہو جائے۔“

رجنی کانت نے ششدری سا سنسن بھری۔ اس کے بعد ہنسنا شروع ہوا کہ تیر جھونکے کی طرح دل میں ہلچل مچا گیا۔
جو کچھ نظر آ رہا تھا، پر بھاکر کو ہریشان کر دینے کے لیے کافی تھا۔

رجنی کانت نے کہا: ”پر بھاکر جی! بہت ساری سچائی اور دانائی انسان کے حق میں مصیبت بن جاتی ہے۔ اگر خوشگوار زندگی گزارنا ہے تو واجباً ہی سچائی اور دانائی پر قربانیت کرنا بہت زیادہ سچائی اور دانائی انسان کے لئے اس آب دہلنے کی طرح ہوتی ہے جس کا اعتدال زندگی کے لئے ضروری اور جس کی افراط پیغام موت بن جاتی ہے۔ دانائی اور سچائی کو اگر کسی انسان میں یکجا کر دیا جائے گا تو وہ انسان اکیلا رہ جائے گا اور انسان اکیلا نہیں رہ سکتا۔ تم کیا کرنا انسان بھی تنہا نہیں رہ سکتا۔“

پر بھاکر پر اچانک جس رجنی کانت کا انکشاف ہوا تھا، اس نے حیران اور ششدر کر کے رکھ دیا۔ فرط حیرت سے پوچھا: ”رجنی کانت! یہ تم بول رہی ہو؟ میں تو تمہیں سنگ ربڑ سمجھا تھا لیکن تم قیمتی پتھر نکلیں۔“

رجنی کانت نے پر بھاکر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہتھیلی پر نظریں جمادیں، بولی: ”پر بھاکر جی! تم بھی تنہا نہیں رہ سکتے۔ تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہو گی۔ اس لئے میرے ایک ساتھی تلاش کر لینا چاہیے۔“

پر بھاکر نے اس کے ہاتھ کو دبا دینا چاہا لیکن ہمت نہ کر سکا، بولا: ”رجنی

”شیدہ جی نیرے جذبے اور شوق کو دیکھ کر ہر بھاکر کے روپ میں یہاں آگئے ہیں۔
اگر یہ خود خسیجی نہیں تو ان کے اوتار ضرور ہوں گے۔“

ہر دہت جی کی بات رجنی کانت کے دل میں تیر کی طرح اتر گئی۔ وہ تیزی
سے اٹھی اور دوسرے ہی لمحے ہر بھاکر کے چرنوں میں گر گئی۔ ہر بھاکر نے پیچھے
ہٹنے کی کوشش کی لیکن پیچھے ہر دہت جی اپنے چیلوں سمیت کھڑے تھے۔
ہر بھاکر نے رجنی کانت کو قدموں سے اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا۔ اب
اس نے شرم سے اپنے چہرے کو گھونٹ میں چھپایا تھا۔ بالکل دھن کی طرح،
نئی نویلی دھن کی مانند۔

*

*

*

اس بار جب وہ اہلیا بانی کے دربار میں پہنچا تو ہر بھاکر کے دل میں
کئی خلشیں پیدا ہو چکی تھیں۔ ماں باپ اور بھائی بہن نے زیادہ سے زیادہ مال و
نذر پیدا کرنے کی خواہش کی تھی۔ جبکہ رجنی کانت نے سائنسی بناتے رہنے کی
درخواست کی تھی اور جب اس کو رجنی کانت میں کسی دانا اور سچے انسان کا روپ
نظر آیا تھا تو وہ اس کو سائنسی بننے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس وقت تک ہر بھاکر نے
رجنی کانت کے جسم سے زیادہ دلچسپی نہیں لی تھی مگر جب ہر دہت نے ہر بھاکر
کے شبیو جی کا اوتار ہونے کا اعلان کر دیا اور رجنی کانت کو اس کی داسی قرار دیا تو
ہر بھاکر کے دل و دماغ میں ہلچل مچ گئی تھی اور وہ ذہنی اور قلبی طور پر رجنی کانت
کے قدموں میں گر گیا۔ رجنی کانت پر اپنا حق محسوس کرنے لگا۔

وہ جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوا اور اپنے ساتھ لائے ہوئے
سامان کو قریب سے لگانے لگا اسی وقت کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دیا
ہر بھاکر نے دروازہ کھولا تو اہلیا بانی کو چند لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ کھڑے
دیکھا۔ اس نے ادب سے پرنام کیا اور رانی کے لئے کمرے میں جگہ بنانے لگا۔
اہلیا بانی نے کہا: ”ہر بھاکر جی! اب رانی کو انسان بنانا سہما کا کام ہے ورنہ
میں خود دایوس ہو چکی ہوں۔“

ہر بھاکر نے جواب دیا: ”محترم خاتون! دایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔
مجھ کو ان سے چاہا تو مالی رازدارہ راست ہر ضرور آجائے گا۔“

کی۔ ہر بھاکر نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ وہ اگر رجنی کانت کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھ
رہا تو بات معلوم نہیں کہاں پہنچ جائے۔ وہ کھسک کھسکا دوڑ ہو گیا اور وہیں سے
کہا: ”رجنی کانت اب تم گھر جا سکتی ہو، کچھ تو میں گھرنک پہنچا دو۔ یہیں کسی تجربہ
میں تم رہتی ہو گی۔“

رجنی کانت نے شوخی سے کہا: ”ہر بھاکر جی! مجھے دھکا تو نہ دو۔“
رجنی کانت نے ہر بھاکر کو روک لیا اور دونوں مزے مزے کی باتیں
کرنے لگے۔ آخر میں ہر بھاکر نے کہا: ”رجنی کانت! آج میں نے تم سے بڑی
باتیں کیں، کہیں تم اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں، ایسی
کوئی بات نہیں۔ میں اس وقت تم سے نہیں تمہاری دانائی سے باتیں کر رہا ہوں
رجنی کانت نے کہا: ”میں تم کو بہت پسند کرنے لگی ہوں ہر بھاکر جی
تم مجھ کو روئے اور آج میں بھرنے کے لئے نہ چھوڑ جانا وقتاً فوقتاً مجھ سے ملنے
ضرور رہنا۔“

ہر بھاکر نے جواب دیا: ”دانائی! اور سچائی کی طلب مجھ کو تمہارے پاس
لائی رہے گی، تم بے فکر اور مطمئن رہو۔“

اچانک ہر دہت جی آگئے اور دونوں کے سامنے کھڑے ہو کر خوب
خوب بننے، بولنے۔ ”ہر بھاکر جی! اگر تم رانی اہلیا بانی کی چاکری میں نہ چلے گئے
ہوتے تو میں تمہیں اپنے پاس رکھ لیتا۔ تم جیسا سچا اور دانالے گا کہاں۔ اگر تم
کبھی کبھی یہاں آتے جاتے رہو گے تو میں اس کو اپنے اچھے بھاگ میں شمار
کر تا رہوں گا۔“

ہر بھاکر نے جواب دیا: ”ہر دہت جی! میں نے رجنی کانت سے یہاں
آئے جانے رہنے کا وعدہ کر لیا ہے، میں یہاں ضرور آیا کروں گا۔“

ہر دہت جی نے رجنی کانت سے کہا: ”رجنی کانت! اٹو بڑے نصیہوں والی
ہے۔ ٹو شیدہ جی کی سچی داسی جان پڑتی ہے کیونکہ جس اگر اپنے دل کی بات سمجھ
ہر بھاکر دوں تو تو رنگ رہ جائے گی اور ہر بھاکر جی کے چہروں میں پڑے رہنے
کی ہر دہت جی نے کہا: ”ہر دہت جی! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

ہر دہت جی نے کنکھیوں سے ہر بھاکر کو دیکھ کر رجنی کانت کو جواب دیا۔

پہر بھاگنے ایک دم یہ فیصلہ کر لیا کہ اس کم عقل اور پاگل سے الجھنا مناسب نہیں، جواب دیا: "بہتر ہے، میں نصیحتیں نہیں کروں گا لیکن میں بھی آپ سے یہ بتی کر دوں گا کہ آپ اپنے کسی ایسے معاملے میں مشورہ نہ لیجئے گا جبر میں یہ اندیشہ موجود ہو کہ میں مشورہ آپ کی مرضی کے خلاف دوں گا۔"

مالی راؤ خوش ہو گیا اور ایک دم جوش و خروش سے پہر بھاگ کو سینے سے لگا لیا۔ بولا: "پہر بھاگ! اب میں بھی اقرار کرتا ہوں کہ تو دودھ پانی ہے، تو گیافے ہے اور ساتھ ہی وڈ یا پتی بھی، کیونکہ اگر تو میرا کہنا نہ مانتا تو یہاں ہر وقت خطر در میں گھیرا ہوتا۔"

اس کے بعد مالی راؤ کے حکم پر قص و مویشی کا انتظام کیا گیا۔ دھار کا اس کے لئے اودھرا ٹھہر بھاگ بھاگ بھاگ رہا تھا۔ مالی راؤ نے دھار کا حکم دیا کہ اس میں پر دھت بجی اور دیوڑھیوں کو بھی مٹو کیا جائے۔ پہر بھاگ خوب سمجھ رہا تھا کہ اس طرح مالی راؤ کہاں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پہر بھاگ اس سے دُور دُور رہنا چاہتا تھا لیکن اس وقت ایک ایسے پاگل کے سامنے کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں لٹکی تلوار تھی اور وہ تلوار کی نوک کو پہر بھاگ کے پیٹ پر رکھ کر کھڑے رہنے کا حکم دے رہا تھا۔

مالی راؤ نے اس تقریب پر خوب خوب خرچ کیا اہلیا بانی تب جبر و کراہ یہ سب دیکھ رہی تھی اور خاموش تھی۔ اس نے دھار کا اور اس جیسے دوسرے خدمت گاروں کی خوشامریں اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور کانوں سے سنیں، یہ لوگ کم عقل مالی راؤ کو بتلنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے۔ اہلیا بانی نے دھار کا کو علیحدہ بلا کر سمجھایا کہ وہ مالی راؤ کے احکام کی تعمیل ذرا پس پیش سے کرے۔

لیکن دھار کا نے ہاتھ جوڑ کر معذرت کر لی، بولا: "راتی جی! ہمارا حق غصے کے بہت تیز ہیں اگر میں نے ان کا حکم نہیں مانا یا پس پیش سے مانا تو وہ مجھ کو قتل کر دیتے گے۔"

اہلیا بانی دھار کا سے مایوس ہو کر پہر بھاگ کے پاس پہنچی، اس وقت پہر بھاگ مالی راؤ کے آگے پیچھے پھر رہا تھا۔ لپٹنے گانے والیاں آنے لگی تھیں، پہر بھاگ ان کے پیچھے کا انتظام کر رہا تھا لیکن مالی راؤ کا حکم یہی تھا کہ پہر بھاگ

کہیں جاتے نہیں، اس کے سامنے یا آس پاس ہی موجود رہے مگر جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ پہر بھاگ کو اس کی ماں یاد کر رہی ہے تو مالی راؤ نے اسے چلے جانے کی اجازت دے دی اور یہ دھمکی بھی دے دی کہ اگر پہر بھاگ نے ماں جی سے شکایتی انداز میں کچھ کہا سنا تو اس کے برے نتائج لگیں گے۔

اہلیا بانی پہر بھاگ کو تحلیف میں لے گئی شکایتا کہا: "پہر بھاگ جی! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میں تو تمہیں بہت عقل مند سمجھتی تھی اور خیال تھا کہ تم مالی راؤ کو علم و دانش بخشو گے لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ تم خود مالی راؤ کے آگے پیچھے پھر رہے ہو۔"

پہر بھاگ نے جواب دیا: "راتی جی! اگر آپ جرات مانیں تو میں عرض کر دوں کہ مالی راؤ کی فطرت کی خرابی میں قدر نہیں کر سکتا اور میں ہی کیا یہ خرابی کوئی بھی دُور نہیں کر سکتا۔"

اہلیا بانی نے رنج و غم سے کہا: "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ فطرت کی خرابی سے تمہیں کیا مراد ہے؟"

پہر بھاگ نے جواب دیا: "مقدس خاتون! منو شا ستر میں کہا گیا ہے کہ کم نسل شخص اخلاق میں یا تو اپنے باپ سے مشابہ ہوتا ہے یا اپنی ماں سے یا پھر دونوں سے۔ وہ اپنی جبلت اور فطرت کو چھپا نہیں سکتا۔"

اہلیا بانی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "پہر بھاگ! تجھے کچھ پتہ ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے؟"

پہر بھاگ نے جواب دیا: "دیوی جی! میں نے جو کچھ کہا ہے خوب سوچ سمجھ کر کہا ہے۔ مالی راؤ کی خرابی آپ کی طرف سے تو نہیں ہو سکتی۔ آپ مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہیں لیکن میں یہ کہنے سے باز نہیں رہوں گا کہ مالی راؤ کی خرابی اس کے باپ کی طرف سے ہوگی۔"

اہلیا بانی نے کہا: "میں سمجھ کر قتل نہیں کر دوں گی تو مالی راؤ کی اصلاح کر۔ جہاں علم و دانش موجود ہوں وہاں کیا نہیں ہو سکتا اگر تو چاہے تو مالی راؤ بھلا مانس بن سکتا ہے۔"

پہر بھاگ نے سر جھکا لیا۔ "دیوی! فطرت نہیں بدل سکتی۔ پانی کو کتنا ہی کھولاؤ آخر کار ٹھنڈا ہو کر اپنی اصل فطرت میں آجائے گا۔ کتنے کو بادشاہ بنا

دو، پر وہ جیتے چبا نا نہیں چھوڑے گا۔“

اہلیا بانی لا جواب ہو گئی بولی۔ ”مگر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ علم و دانش جہالت کے آس پاس پھرے۔“

پربھاکر نے جواب دیا۔ ”دیوی جی! سونے، چاندی جیسی نرم و نازک اور کمزور دھاتوں کی ٹوپے جیسی طاقتور اور مضبوط چیز درباری کرتی ہے۔ یہ تو مقدمات کی باتیں ہیں ان پر کسی کا کیا اختیار؟“

اہلیا بانی زبج ہو گئی۔ ”پربھاکر جی! اپنی شاندار باتوں سے تم مالی راڈ کو کچھ نہ کچھ بدل ضرور دو گے۔ خواہ یہ تبدیلی عارضی اور وقتی ہی کیوں نہ ہو بالکل پانی کی طرح جس کو آگ سے گرم کیا جاسکتا ہے۔“

پربھاکر نے جواب دیا۔ ”میں کوشش کروں گا اور اس کوشش میں میں مارا بھی جاسکتا ہوں، کیونکہ اگر میرے علم اور دانش اس کی جہالت اور بد طبیعتی کے مقابلے میں کم ہوتے، تو اس کو چھوڑی سہ آگ کی طرح جو پانی کے بہت بڑے ذخیرے کو گرم کرنے کی کوشش میں بجھ جاتے، میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔“

اہلیا بانی نے کہا۔ ”اچھا، تم اپنی کوشش جاری رکھو، میں نے ہر وہمت جی کو بھی سمجھا دیا ہے، وہ بھی مالی راڈ کو سدھارنے کی کوشش کریں گے۔ میں نے مالی راڈ کو اس کے دادا ملہار راڈ کے راج سنگھاسن پر بٹھا تو دیا ہے اب اس کو اس کدڑی کا اہل ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش بھی کروں گی۔“

اہلیا بانی باتیں تو پربھاکر سے کر رہی تھی مگر اس کی نظر میں بار بار بھلو کے کمرے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے اٹھی اور اس کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہاں ایک خدمت گار عورت ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی اہلیا بانی نے اس کی گردن پکڑ لی۔ ”تو یہاں کیا کر رہی ہے؟ ہمارے باتیں سن رہی تھی؟ تجھ کو یہاں کس نے بھیجا تھا؟ مالی راڈ نے؟“

عورت گڑ گڑانے لگی لیکن اس نے آخر نہ نہیں کیا کہ مالی راڈ کے لیے مخبری کر رہی ہے۔ اہلیا بانی نے اس کو دھکے دے کر نکال دیا اور بڑبڑانے لگی۔ ”یعنی مالی راڈ اب اپنی ماں کی نگرانی کر رہا ہے اپنی ماں پربھاسوں اور مخبر مقرر کر دیتے ہیں۔ یہ بہت! لیکن میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔“

مالی راڈ مغلوں کی روش پر جشن طرب منا رہا تھا۔ ناچنے والیاں مالی راڈ کے قریب اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں، مالی راڈ کے داہنی طرف پربھاکر اور سنگھاسن قریب پرست بیٹھا تھا۔ ہر وہمت کے چیلے مالی راڈ کے بائیں طرف زمین پر آستی پالنی مارے بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے کیلے کے پتوں پر بھوجن رکھا تھا، پوری پکوری اور سبزیوں پھلواں کوناج گلے سے زیادہ کھانے میں مزہ آور ہاتھا مالی راڈ کبھی کبھی گردن گھما کر بلا نوش چیلوں کو دیکھ کر مسکراتا۔

مالی راڈ کے نگھاسن کے آگے چند دیوداسیاں بھی بیٹھی تھیں، ان میں رجنی کانت بھی موجود تھی۔ پربھاکر اس سے دور تھا لیکن وہ اس محفل میں رجنی طور پر سب سے زیادہ قریب رجنی کانت ہی سے تھا۔ وہ اس جشن میں رجنی کانت کی موجودگی سے ناخوش تھا لیکن اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ مالی راڈ رجنی کانت کو حریفانہ نظروں سے دیکھ کر ناچنے والیوں کو دیکھنے لگتا۔ اس نے اچانک ہر وہمت سے پوچھا۔ ”ہر وہمت جی! کیا رجنی کانت کو ناچ گانا آتا ہے؟“

ہر وہمت جی نے ہنس کر جواب دیا۔ ”آتا ہے کیا معنی؟ وہ خوب آتا ہے۔ شنید جی کی داسی اپنے ناتھ کو اپنے ناز گلے سے صبح شام خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی مہر اور سرسلی آواز میں بھجن، سننے والے کے انگ انگ میں اتر جاتا ہے۔ یہ بھی کچھ ایسی ڈوب کر اندر لہرا لہرا کر ناگن کی طرح ناچ اور بھجن کا مظاہرہ کرتی ہے کہ دیکھنے اور سننے والوں کا من قابو میں نہیں رہتا۔“

مالی راڈ نے کہا۔ ”تب پھر ہر وہمت جی! رجنی کانت کو ناچ اور بھجن کا حکم دو تا کہ روح اور جسم بیک وقت ایسے کیف دسرور سے لطف اندوز ہو جائیں جو دیوتاؤں کو میسر ہوتا ہے، محض دیوتاؤں کو۔“

پربھاکر نے ان دونوں کی باتوں میں کئی بار رجنی کانت کا نام سنا تو کان کھڑے ہوئے اور وہ مالی راڈ کی اجازت کے بغیر ہر وہمت اور مالی راڈ کے قریب جا بیٹھا اور کہا۔ ”مہاراج! اس موقع پر میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں!“

مالی راڈ نے بے نیازی سے کہا۔ ”پربھاکر جی! اس وقت اپنے گیار، ورتیا اور مہرھی کو مجھ سے دور ہی رکھو کیونکہ اگر یہ دل بہلانے کی محفل ہے تو اس میں باتیں بھی اسی قسم کی ہونا چاہئیں اور اگر یہ بھجن اور گیتن کی محفل ہے تو بھی یہاں دیوتاؤں اور ان کے کارناموں کی تمنا ہونا چاہیے۔“

نہیں بچ سکتے اس لیے میں مہاراج کو مشورہ دوں گا کہ مہاراج خود اور اپنے راج کو اس آگنی سے بچائیں۔“

رجنی کانت کو پرہاکر جی باتوں سے ایک بار پھر بڑا دکھ ہوا لیکن مایا داؤ نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا بولا۔ ”پرہاکر جی! جب میں نے ایک بار یہ کہہ دیا ہے کہ مجھ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوگا تو بے کار تک بک سے کیا حاصل ہے“

پرودھت نے بھی ناگواری سے کہا۔ ”پرہاکر جی! جب مہاراج تمہاری کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتے تو تم بلا وجہ کیوں بولے جا رہے ہو؟“

پرہاکر کے سینے میں تو آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی، بولا۔ ”مہاراج! میں آپ کو کس طرح بتاؤں کہ ناری ایک بے اغیار جنس ہے۔ منو نے اپنے شاستر میں ناری کی بابت کہا ہے کہ ناری کی پسندیدہ چیزیں ہیں، بستر سے محبت، بیٹھنے کی چوکی سے آتش، زلیور کا شوق، آسم سووگی غصہ، بڑائی کی طرف میلان، اذیت رسانی سے رغبت اور ضدی پن۔“

رجنی کانت نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور بڑے کرب سے بولی۔ ”بھگوان کے لیے اس کی زبان بند کرو، میں اتنی زیادہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی۔“

مایا داؤ نے پرہاکر کو بھگوان کے بجائے اپنے پاس ہی بٹھالیا، بولا۔ ”پرہاکر جی! تم میرے پاس ہی بیٹھ جاؤ، کیونکہ میں خالی باتوں کا قائل نہیں۔ میں ناریوں کے سامنے بٹھا کر اور ان کے ناز و انداز دکھا کر تم سے پوچھوں گا کہ بولو اب کیا کہتے ہو؟ پرہاکر جی! جس کو ناری کہتے ہیں بڑے مزے کی چیز ہوتی ہے۔ اتنی مزے کی کہ اس سے زیادہ مزیدار چیسز کا خیال تک نہیں کیا جاسکتا۔“

پرہاکر بے بس ہو گیا، وہ رجنی کانت کو مایا داؤ کے سامنے ناچتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا، بولا۔ ”مہاراج! اگر میری باتوں میں اثر نہیں رہا اور وہ بے کار گتیں تو مجھ کو اس رنگ جھوٹی سے چلے جانے کی اجازت دی جائے۔“

پرودھت رجنی کانت کی پریشانی سے خود بھی پریشان ہو رہا تھا، بولا۔ ”مہاراج! پرہاکر جی کو مت روکو، چلا جانے دو، ورنہ رنگ میں بھنگ آجائے گا۔“

پرہاکر نے جواب دیا۔ ”مہاراج! میں راجا کی محفل میں راج نیستی کی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں مہاراج کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اپنے دیس میں جو کام شیواجی نے شروع کیا تھا، اب اس کو مہاراج مایا داؤ کے ہاتھوں پورا ہونا چاہیے۔ اپنے دیس پر عرصے سے مغل حکومت کمر رہے ہیں، اب مغل حکومت ختم ہونا چاہیے اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مہاراج اپنے راج بھون کو رنگ بھومی (تفریح گاہ) نہ بننے دیں۔“

مایا داؤ کو ہنسی آگئی، مسکرا کر مذاق اڑانے کے انداز میں پرودھت سے پوچھا۔ ”پرودھت جی! پرہاکر جی کیا کہہ رہے ہیں؟ اپنی سمجھ میں تو کچھ آیا نہیں، اگر آپ کچھ سمجھیں ہوں تو مجھے بھی سمجھا دیں۔“

پرودھت نے جواب دیا۔ ”مہاراج! میں نے پرہاکر جی کی باتوں پر دھیان نہیں دیا اس لیے کیا جواب دوں؟“

لیکن پرہاکر باز نہیں آیا، بولا۔ ”مہاراج! میں آپ سے مخاطب ہوں، آپ کو بھگوان نے راج پاٹ دیا ہے، اس کی قدر کریں، اس کی حفاظت کریں اور اس کی قدر اور حفاظت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ عورتوں سے دور رہیں ناچ گانے سے بچیں۔“

مایا داؤ نے متہ پھیر لیا بولا۔ ”میں نے ایک بار کہہ چودیا کہ آج اور اس وقت گیان لور دھیان کی باتیں نہیں ہوں گی۔“

پرہاکر نے جواب دیا۔ ”لیکن میں یہ باتیں اس لیے کر دوں گا کہ مجھے بھگوان نے گیان، ودیا اور مدیتھی اسی لیے دی ہیں کہ میں اس کی روشنی سے تاریکیاں دور کر دوں۔“

مایا داؤ نے جھٹک دیا۔ ”تو اپنی جگہ چھوڑ کر یہاں کہوں آگیا ہے۔“

پرہاکر کی ضد اور مایا داؤ کی جھڑکی نے رجنی کانت کو بھی ان دونوں کی طرف متوجہ کر دیا۔ وہ گردن موڑے بغیر ہی ان دونوں کی باتیں توجہ سے سنتی رہی۔ پرہاکر کہہ رہا تھا۔ ”مہاراج! عربوں میں ایک لفظ ہے ناری جس کا مطلب ہے آگنی۔ اپنی زبان میں ناری عورت کو کہتے ہیں۔ ناری کا مطلب ہے آگ کی یا آگ والی مہاراج، ناری کو آگ والی ہی سمجھیں، جو بھی اس آگنی کو سینے سے لگائے گا جل جھن کر بھسم ہو جائے گا۔ مہاراج! راج، دلش، نش، یہاں تک کہ دیوتا بھی (اس آگنی سے

مالی رادے سختی سے کہا۔ ”میں نہیں پرہیز کر رہی ہوں، میں ان کے گمان، ویڈیا اور بڑھی کو نیا سماں دکھانا چاہتا ہوں اور میں ان کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس دنیا میں گمان، ویڈیا اور بڑھی کے علاوہ بھی کچھ ہے“ اس کے بعد رجنی کانت کو حکم دیا۔ ”تو نے اپنے کان کیوں بند کر رکھے ہیں؟ انہیں کھول دے اور میں اپنے بھجن اور نچ سے خوش کر“

رجنی کانت نے بڑے کرب سے کہا۔ ”مہاراج! پہلے اس دھوان کو نکالو اس محفل سے“

مالی رادے تشریح سے کہا۔ ”رجنی کانت! یہ نہیں جانتے گا تو بھجن شروع کر“

پروہت جی بھی مالی رادے کو سمجھ چکے تھے، بولے۔ ”رجنی کانت! اٹو نادان کیوں بنتی ہے؟ سمجھ گیا۔ مہاراج جسے چاہیں بھجائیں اور جسے چاہیں بھگا دیں تو کسی کی طرف دیکھیے ہی کیوں؟ بھجن شروع کر اور اس کے بعد پارہی کا ناغیادہ رقص لاس شروع کر دے“

رجنی کانت بدرجہ مجبوری اٹھی اور بھجن شروع کر دیا۔ اس کی آواز میں سوز و دردوں شامل تھا۔ رجنی کانت نے کسی آواز کی بھجن شروع کیا۔ آواز سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ابیشور کا وجہاتی علم رکھتا ہو اور اس کے دھیان میں غرق رہتا ہو۔ پروہت جی نے بھجن کے لفظ کو سن کر بھی مالی رادے سے کہا۔ ”مہاراج! ذرا غور سے سننا، شہروں (رفظوں) کی آگنی میں جب آواز کا تیل پڑ جاتا ہے تو یہ آگ بڑی طرح بھڑک اٹھتی ہے اور یہ آگ سننے والوں کے کانوں سے ان کے دلوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مہاراج! ہوشیار“

رجنی کانت جھوم جھوم کر بھجن سنا رہی تھی، پھر سوز و گم کر میں۔۔۔۔۔

ڈوبی ہوئی آواز میں۔

”میں نے پریم کے دیے (چہرے) میں اچھا (خواہش) کا تیل ڈال دیا اور گناہ کی بٹی کو آگ دکھا دی۔

دیاجل گیا، اس کی روشنی چاندوں طرف پھیل گئی لیکن میں اور میرا وجود آہستہ آہستہ جلتا جا رہا ہے۔

شاید وہ دن زیادہ دور نہیں جب میں نہیں، میری راکھ

رہ جائے گی۔

اڑنے ہوئے ہنسوں اور بگڑوں سے مجھ پر ہانکی ماری نے التجائی“

لجابت کے ساتھ ”اد پہلے پہنچنے والو! مجھ کو نہ بھول جانا کیونکہ تم جب وہاں پہنچو گے تو کائنات (کائنات) کے پاس میرے من کو بھی موجود پاؤ گے۔

پھر بھی تم کائنات سے پوچھنا تو سہی، کیا تم نے ابھی تک اس کی خبر نہیں لی؟

اے کائنات! سوچو تو سہی، ایسا کرنا، ایسی روش کہاں تک مناسب ہے؟

رشی لوگ، اپنی صالح مشقت سے جب عرفان حاصل کر لیتے ہیں تو۔

کہتے ہیں، اس کا رنگ شاندار، جمال نام آواز اور اس کی صورت ایسی اور دلچسپ ہے۔

مگر میں یقین دلاتی ہوں کہ رشیوں کی ساری جاں فشانی میرے پرہیزگاروں کی عظمت کا اندازہ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

رشیوں کا چہرہ عرفان ایک بڑے پھوٹے بے تیل بے تلی چہرے کے سوا کچھ بھی نہیں“

رجنی کانت کے آواز میں بھجن نے پرہیزگار کو مست و بے خود کر دیا وہ جھومنے لگا مگر مالی رادے پر اس کا اثر ہوا، پھر اسامہ بنا کر بولا۔ ”یہ کیسا اوٹ پٹا رنگ بھجن شروع کر دیا۔ اس کے تو سر پر کا ہی پتہ نہیں چلتا“

پرہیزگار نے عرض کیا۔ ”مہاراج! آپ نے شاید دھیان نہیں دیا ورنہ اس بھجن نے میرے دل میں آگ سی لگا دی ہے“

مالی رادے نے اپنے ہم نشینوں کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس کر کہا۔

”تیرے دل میں آگ بھجن سے نہیں، ناری کی آواز اور اس کے وجود سے لگی ہو گی“

مالی راؤ کو ہنستے دیکھ کر ہم نشین، پروہت اور اس کے چیلے بھی ہنس دیے۔

مالی راؤ نے رجنی کانت سے کہا: ”رجنی کانت! مجھے توڑو کوئی ایسا بھجن سنا جس کے سمجھنے میں دل دماغ کو مشقت نہ کرنا پڑے۔ میرے پاس پر بھاکر جیسا ذہنی دماغ نہیں ہے۔“

لیکن رجنی کانت نے دوسرا بھجن سنانے سے انکار کر دیا۔

پروہت جی نے بات بگڑنے دیکھی تو نہایت نرمی اور ملائمت سے کہا: ”رجنی کانت! اب تم پاربتی جی کا رقص ’لاس‘ دکھا دو، نازنینا نہ دلبرانہ رقص۔“

پر بھاکر نے بھی سفارش کی: ”بیشک بیشک۔ بھجن سے لگائی ہوئی آگ پر پاربتی جی کے رقص دلبرانہ کا تیل چھڑک دو تاکہ گھر میں جو کچھ جلنے سے بچا ہے وہ بھی جل جائے۔“

رجنی کانت چپ چاپ اٹھی اور پاربتی کا رقص لاس شروع کر دیا۔ ایسا لگتا تھا گویا پاربتی کے جملہ ناز و انداز اور لہریں ادائیں رجنی کانت میں جمع ہو گئی ہیں اور وہ ان سے ناز اُن کے دل کو جیتنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ان اداؤں کا مالی راؤ اور پر بھاکر پر یکساں اثر ہو رہا تھا۔ پر بھاکر نے مالی راؤ کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا اور وہ نہایت اٹھاک اور نوجہ سے رجنی کانت کو دیکھ رہا تھا۔ مالی راؤ بھی پر بھاکر کی محویت کو رشک و حسد سے محسوس کر رہا تھا۔ آخر ہم سبم ہو کر پر بھاکر کو کھڑا کر دیا، بولا: ”پر بھاکر جی! تم اسی وقت اس محفل سے نکل جاؤ کیونکہ میں تمہاری اس دورنگی کو برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک طرف تو ناری کو گالیاں دو، چرا بھلا کہو اور دوسری طرف اس کے جلوؤں میں یوں کھو جاؤ کہ راجیہ سمجھا کہ رعب اور دیر بہتک دل سے نکال دو۔“

پر بھاکر کی بے عزتی پر پروہت جی تو بس مسکرا کر رہ گئے مگر ان کے چیلوں نے مالی راؤ کی ہمدردی بے غیر زور و زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔

پر بھاکر نے مالی راؤ کی آنکھوں میں وحشت اور درندگی محسوس کی اور اسی میں بہتری جانی کہ مالی راؤ کی نظروں سے ڈوہ ہو جائے۔ خطرے کے پیش نظر جانے جانے کہا: ”مہاراج! آپ کا حکم سرائے انکھوں پر لیکن ایک بات

میری بھی یاد رکھنا۔ میں پر بھاکر، ماد بھات خاندان کا ایک شخص، کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ میں ایک غیر معمولی شخص ہوں۔ فوق الفہم، مانوق الفطرت شخص، اگر میں تنہا بھی کر دیا جاؤں تب بھی میں غیر معمولی ہی رہوں گا۔“

مالی راؤ نے غصے میں کپکپاتے ہوتے کہا: ”ارے کوئی ہے جو اس غیر معمولی شخص کو معمولی دھکے دے کر نکال باہر کرے؟“

سکتی خدمت گار آگے بڑھے اور پر بھاکر کو مانتے دھکے دیتے محفل سے نکال لے گئے۔

پر بھاکر کے نکال دیے جانے کے بعد مالی راؤ نے رجنی کانت کو اپنے پاس بلالیا۔ اس نے پروہت کی طرف دیکھا۔ پروہت نے کہا: ”کوئی سہرح نہیں رجنی کانت! سمجھ کو تو مہاراج مالی راؤ میں کسی اوتار کا روپ نظر آتا ہے، بااوتار کے منگ بیٹھ جا۔“

سمجھا کی دوسری ناچنے گانے والیاں رجنی کانت کو رشک و حسد سے دیکھ رہی تھیں۔ رجنی کانت سر جھکائے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

مالی راؤ پروہت اور رجنی کانت کے ساتھ ملحقہ کرے میں چلا گیا۔ اس نے رجنی کانت کو اپنے پاس بٹھایا۔ مالی راؤ کی حریفانہ نظریں رجنی کانت کے ایک لب عضو کا جائزہ لے رہی تھیں۔ رجنی کانت کے بازو، بازو بندہ سے لے ہوئے تھے۔

مادھی کا بلو سر سے ڈھلک کر شانے پر گر رہا تھا، جوڑا اٹھلا ہوا تھا اور بڑی بڑی سیاہ زلفیں پشت پر پھیلی ہوئی تھیں۔ رجنی کانت مالی راؤ سے نظریں نہیں ملا رہی تھی کیونکہ ان نظروں میں جو بیاس تھی رجنی کانت اس کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ شفاف پیشانی اور اس کے نیچے باریک ہلالی بھنڈیں لمبی لمبی پللیں کے حصار میں گھری ہوئی تبادام جیسی بڑی بڑی خمار آگیاں آنکھیں، چاند نچڑان کی حامل ٹھوڑی اور ٹھوڑی کے نیچے خوبصورت گردن، مالی راؤ اس شبابی سحر و کیف میں کھو گیا۔ اگر پروہت موجود نہ ہوتا تو مالی راؤ ہم داحتیا طے سے گر جاتا۔

پروہت نے عرض کیا: ”مہاراج! ایک برہمن کی حیثیت سے میں کئی کاروبار تو کر نہیں سکتا کیونکہ کاروبار میں جھوٹ اور منکر و فریب سے

بھی کام لینا پڑتا ہے مگر میں کامیاب نہ کرنا ضرور چاہتا ہوں، میں کسی اور کے نردمال میں اپنا مال شامل کر کے اس کے کاروبار میں حصے دار بن جانا چاہتا ہوں، اس طرح میں خود کاروباری جھگڑا اور کمزور فزیب سے بچ سکوں گا۔

مالی راقہ پر دہمت کی باتیں غور سے نہیں سن رہا تھا۔ پوچھا۔ ”میں آپ کے لئے کیا کر رہا ہوں؟ بس آپ یہ بتادیں؟“
 پر دہمت نے جواب دیا۔ ”بس مجھ کو اتنا نردمال مل جائے کہ میں کاروبار کر سکوں۔“

مالی راقہ نے کہا۔ ”وہ آپ کو مل جائے گا، آپ فکر نہ کریں۔“
 پر دہمت نے دوسری درخواست بھی پیش کر دی۔ ”اور مہاراج! مندر اور اس کی متعلقہ عمارتوں کی مرمت اور اضافوں کے لیے بھی کچھ درکار ہے اس کا بھی حکم ہو جائے۔“

مالی راقہ نے جواب دیا۔ ”وہ بھی ہو جائے گا۔“
 پر دہمت نے ایک اور درخواست پیش کی۔ ”اور جنگ! جیلوں اور دیوادیو کے خرچ کے لیے بھی۔۔۔۔۔۔“

مالی راقہ نے بات کاٹ دی۔ ”آپ جو کچھ بھی چاہتے ہیں سب ہو جائے گا مگر آپ کو ایک کام میرا بھی کرنا ہو گا۔“

چانک پر دہمت کام کی نوعیت سے اچھی طرح واقف تھا، پھر بھی معصومیت سے سوال کیا۔ ”کون سا کام؟ ارشاد، آپ کا کام ضرور ہو گا۔ اگر اس کام کا تعلق میری ذات سے ہو گا۔“

مالی راقہ، پر دہمت کو ایک کونے میں لے گیا اور سرگوشی میں کہا۔ ”پر دہمت جی! آپ راجی کانت کو مات بھر کے لئے میرے پاس چھوڑ دیں۔۔۔“

پر دہمت نے پوری بات سننے بغیر نفی میں گمردن ہلانا شروع کر دی۔ ”نہیں جی ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ مہاراج! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

مالی راقہ نے جواب دیا۔ ”پر دہمت جی! میں نے جو کچھ کہا ہے خوب سوچ سمجھ کر کہا ہے۔“

پر دہمت نے دودھی سے ایک نظر راجی کانت پر ڈالی اور کہا۔ ”مہاراج! ہو چو تو سہی، اگر راجی کانت پوری رات آپ کے پاس رہ گئی تو اس کا آپ پر مجھ پر اور راجی کانت پر اثر کیا پڑے گا؟ یہ خبر چھپی نہیں رہے گی۔ بہت جلد مشہور ہو جائے گی اور میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اس وقت ہم تینوں کسی کو شکل تک نہیں دکھا سکیں گے۔“

مالی راقہ نے حاجت سے درخواست کی۔ ”پر دہمت جی! مالوس نہ کر دو۔ اس وقت میں باتیں تو آپ سے کر رہا ہوں مگر میرا پورا دھیان راجی کانت کی طرف ہے۔ اے کاش میں راجی کانت کی ساتنوں کا لمس اپنے چہرے پر محسوس کر سکتا، اے کاش! میں اس کے بالوں کی سیاہ لٹیں اپنے چہرے پر بکھیر سکتا۔ اے کاش! اے کاش!“

پر دہمت نے سرگوشی میں جواب دیا۔ ”مہاراج! تم ابھی اناڑی ہو، یہ بات اس طرح نہیں ہوتی جس طرح تم چاہتے ہو، تم ایک راجی کانت کو مانگ رہے ہو جبکہ بیسیوں راجی کانتا باتیں تمہیں مل سکتی ہیں۔ راجی کانت راج بھون میں نہیں آتے گی بلکہ مہاراج کو راجی کانت کی خاطر ہمارے آئٹم میں آنا پڑے گا اس طرح تم دونوں کی ملاقات پر پردہ بھی پڑا رہے گا۔“

مالی راقہ نے مدبذب لہجے میں کہا۔ ”مجھ کو آئٹم آنا پڑے گا تو کیا مجھ کو لوگ آئٹم میں نہیں دیکھیں گے؟“

پر دہمت جی نے جواب دیا۔ ”مہاراج! آئٹم میں راج دربار جیسی بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی اور وہاں جو بھی ہوتا ہے اس پر میرا حکم چلتا ہے اس لیے آئٹم کی بات آئٹم سے باہر نہیں نکل سکتی، وہ بڑی محفوظ جگہ ہے ایک بار آکر دیکھ لو۔“

مالی راقہ پر دہمت کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا۔ آہستہ سے بولا۔ ”پر دہمت جی! پھر جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی کروں گا لیکن اس وقت اتنا تو موقع دے سکتے ہو کہ میں راجی کانت سے چند باتیں ہی کر لوں۔“

پر دہمت نے جواب دیا۔ ”بس کچھ دیر کے لئے ادھر ادھر ہوا جانا ہوں، تم راجی کانت سے باتیں کر لو مگر خبردار جو باتوں سے نبا دہ کچھ کیا۔“

پروہت اور مالی راؤ ایک ساتھ رجنی کانت کے پاس چلے گئے۔ پروہت نے دونوں سے کہا: ”اچھا مہاراج! میں ابھی آتا ہوں ذرا باہر نکل کر ناچ سبھا کا رنگ تو دیکھ لوں، ابھی آتا ہوں“

رجنی کانت کھڑی ہو گئی بولی: ”پھر میں بھی چلتی ہوں پروہت جی! آپ کے ساتھ۔ میں یہاں بیٹھ کر کیا کروں گی؟“

پروہت جی نے کہا: ”لو! تو یہیں ٹوک۔ مہاراج! تیرے بھجن کے بارے میں کچھ باتیں کرنے والے ہیں، میں خود بھی ابھی واپس آتا ہوں“

پروہت کے جاتے ہی مالی راؤ رجنی کانت کے پاس بیٹھ گیا۔ بولا: ”رجنی کانت! جب تک میں نے تجھ کو نہیں دیکھا تھا۔ بھگوان کی کارِ یگری کا قائل نہیں تھا۔“

رجنی کانت ایک طرف کھسک گئی۔ بولی: ”سہرا ب تو قاتل ہو گئے آپ؟“

مالی راؤ نے والہانہ جواب دیا: ”قاتل ہونا کیا معنی میں بھگوان کی داسی کا داس ہو گیا ہوں“

یہ کہتے کہتے مالی راؤ نے رجنی کانت کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کا خیال تھا۔ رجنی کانت ہاتھ کھینچ لے گی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ مالی راؤ کا حوصلہ بڑھا اس نے دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور انہیں دباتے ہوئے کہا: ”اس لمحے مجھے کچھ ایسا لگ رہا ہے گویا میں نے پارتی کے ہاتھ پکڑ لیے ہیں۔ ان ہاتھوں میں تقدیر ہے، پاکی ہے، تسکین و طمانیت ہے“

رجنی کانت نے شکایت نہ کی۔ ”لیکن مجھ کو اس بات کا رنج ہے کہ آپ نے پرہیا کر کو اپنی سبھا سے ذیل کمر کے نکال دیا۔ حالانکہ وہ وِدیا پتی اور ودھوان دگیا نی ہے۔ اگر آپ کو بھگوان کا ذرا بھی خیال ہوتا تو پرہیا کمر سے ایسا سلوک نہ کرتے۔“

مالی راؤ نے چونک کر بڑے غور سے رجنی کانت کو دیکھا اور کہا: ”اگر مجھ کو یہ بات پہلے سے معلوم ہوتی کہ تم پرہیا کمر کی عزت کرتی ہو تو میں اس کو اپنی سبھا سے ہرگز نہ نکالتا حالانکہ وہ ہم سب کے سامنے بلکہ تیرے بھی سامنے عورتوں کو ذلیل کر رہا تھا۔“

رجنی کانت نے کہا: ”میں پرہیا کمر کی نہیں اس کے گیان اور وِدیا کی عزت کمرتی ہوں۔“

مالی راؤ: —————

نرج ہو کر بولا: ”یہ رنگین اور مزے دار سب سے میں پرہیا کمر کا ذکر کیا لے بیٹھی اور رجنی کانت سچی بات تو یہ ہے کہ میں نہ تو گیانی ہوں اور نہ ہی وِدیا پتی اس لیے میں گیان اور وِدیا کی بڑی بڑی اور گہری گہری باتیں سننا بھی نہیں چاہتا۔ میں تو مزے اڑانے اور غیش کرنے کا قاتل ہوں اس دنیا میں اگر کسی انسان کو دولت، اختیارات اور حکومت مل گئی ہو اور وہ خود کو ان چیزوں سے الگ بھلا رکھ کر خشک اور بے کیف زندگی گزارے اور غیش نہ کرے تو وہ شخص میری نظر میں احمق اور بالکل ہو گا۔“

رجنی کانت نے اچانک اپنے ہاتھ کھینچ لیے اور بولی: ”تو گویا آپ اپنے اقتدار، اختیار اور دولت سے غیش کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں مگر میں اس پر عمل درآمد نہیں ہونے دوں گی!“

لیکن دوسرے ہی لمحے، جیسے ہی رجنی کانت کا مکالمہ ختم ہوا مالی راؤ اسے زبردستی اپنی طرف کھینچ لیا۔ اسی وقت

پروہت جی بھی اندر داخل ہو گئے اور دُور ہی سے شور مچانا شروع کر دیا ”مہاراج! یہ تو تم وعدہ خلافی کر رہے ہو۔ رجنی کانت کو چھوڑ کر ذرا یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ میں نے سنا ہے آپ کی ماما جی تشریف لا رہی ہیں، اگر وہ یہاں آئیں گی تو قیامت اٹھ کھڑی ہو گی!“

مالی راؤ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ اب اس کمرے میں رجنی کانت تھی اور پروہت تھا۔

رجنی کانت نے کہا: ”پروہت جی! میری مشکل حل کرو، یہ مہاراج مالی راؤ تو بڑے ندید سے معلوم ہوئے ہیں۔“

پروہت جی نے ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کے لئے کہا۔ ہر گزوشی میں کہا: ”رجنی کانت! مہاراج کی ماما جی اسی طرف آ رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہیں اور جا رہی ہوں اور مجھ کو محض شبہ ہوا ہو۔“

رجنی کانت نے جواب دیا: ”نہیں، پروہت جی! ایسی کوئی بات نہیں“

میں نہیں، بھگوان کی مرضی کے بغیر تو پتا بھی نہیں ہلتا۔
اہلیا بانی کے فوراً بعد ہی پرودہت بھی چلا گیا۔

★

★

★

پرہیہا کو دوسرے دن مالی راؤ نے پھر طلب کیا اور مہابت نرمی سے پیش آیا۔ لیکن پرہیہا کو یہ طال تھا کاس کو رجنی کانت کے سامنے ذلیل کیا گیا۔ پرہیہا کو مالی راؤ کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ مالی راؤ نے پرہیہا کو پوچھا: "بھگوان نے تجھ کو بڑی عقل دی ہے اور علم بھی دافرا ہے، پھر تو ہر چیز میں کیڑے کیوں نکالتا رہتا ہے اور خاص کر عورتوں میں؟"
پرہیہا کو نے جواب دیا: "مہاراج آپ نے مجھے اس عورت کے سامنے ذلیل کر دیا جو فطرتاً خود ذلیل اور پست ہوتی ہے۔"
مالی راؤ نے ایک آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے پوچھا: "رجنی کانت کی بابت تیری کیا رائے ہے؟"

پرہیہا کو نے جواب دیا: "جب میں عورت کی بات کرتا ہوں تو اس میں ہر عورت شامل ہوتی ہے، رجنی کانت بھی۔"

مالی راؤ نے کہا: "لیکن پرہیہا کو رجنی کانت دوسری عورتوں سے مختلف ہے۔ اس میں وہ باتیں نہیں ملتی جو دوسری عورتوں میں پائی جاتی ہیں۔"

پرہیہا کو نے جواب دیا: "یہ ناممکن ہے مہاراج! کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ لومڑی ہو مگر عین ادا اور چالاکی سے محروم، گائے ہو مگر شیر جیسی بہادر، جینا ہو مگر کھجور جیسا سست، دھات آگ ہو مگر برف کی طرح سرد، برف ہو مگر آگ کی طرح گرم اور دیکھتی ہوئی۔ جس کی تشرت ہے وہ اس میں اسی طرح موجود ہے۔ سبھی کی جس طرح نور بنی شعا عین، کرنیں؟"

مالی راؤ نے کہا: "پرہیہا کو رجنی کانت پرہیہا کو میرے دل سے تو رجنی کانت نہیں نکلتی۔ یہ تو جی کی سوگند، اگر وہ داسی نہ ہوتی تو آج میرے پہلو میں ہوتی۔ تم یقین کرو، وہ ایسی مومن اور سوتیلی ہے کہ اس کی مورتی دل میں رہ بس گئی ہے۔ میں کہیں بھی رہوں، کہیں بھی جاؤں وہ میری نظروں میں سما رہتی ہے۔"

پرہیہا کو کے دل پر اسے چل رہے تھے۔ حسد اور رقابت کی آگ اس

ہمت نہ ہادو، بھگوان نے چاہا تو کچھ بھی نہ ہوگا۔"

لیکن اسی وقت ان کے کمرے میں اہلیا بانی داخل ہو گئی۔ اس ہاتھوں میں چند کاغذات تھے، اندر داخل ہوتے ہی پوچھا: "پرودہت کو مالی راؤ کہاں چلا گیا؟"

پرودہت جی نے جھوٹ بول دیا: "دیوی جی! مالی راؤ جی نے کہ ہم دونوں یہاں بیٹھیں، غصہ دیر میں جب وہ واپس آجائیں تو۔۔۔ تو۔۔۔"

اہلیا بانی نے غصے میں کہا: "تم برہمن ہوتے ہوئے بھی کارڈ باریک ہو۔ اس کے علاوہ تم نے میرے بیٹے کو راہ راست پر لے آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن تو وہ ہر دن سے کچھ زیادہ ہی بگڑا ہوا تھا، آخر ایسا کیوں؟"

پرودہت جی نے جواب دیا: "دیوی جی! آپ کا کام ایک دن کا نہیں ہے۔ مہاراج مالی راؤ جی کو اپنے آشرم میں آنے کی دعوت دے دی ہے بس دیہ آڑا دی سے سمجھا سکوں گا۔"

اہلیا بانی رجنی کانت کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی، پوچھا: "تو یہاں کہاں رہی ہے؟"

رجنی کانت نے ادب اور سلیقے سے جواب دیا: "دیوی جی! میں یہاں کروں گی، ذرا سستانے کے لئے یہاں آگئی تھی کیونکہ ناپح سے آدمی بہت زیادہ تھک جاتا ہے۔"

اہلیا بانی نے گویا دونوں ہی سے کہا: "بہر حال میں یہ بھی ناپسند کرتی ہوں کہ مالی راؤ کے ہوا دعاب میں نہیں شمار کیے جاتیں گے اور میں بھی اس خیال سے مالی راؤ کی ناپح سمجھاؤں گی۔ تمہارا کدھر کے کاموں میں مہاراج مالی راؤ کا ہاتھ بٹایا جاتے؟"

اہلیا بانی نے جاتے جاتے کہا: "میں جا رہی ہوں اور اس دن کا انتظار کروں گی۔ جب تم لوگ مالی راؤ کو آدمی بنانے کی کوشش کرو گے اور کامیاب ہو جاؤ گے۔"

پرودہت جی نے پوری بات ہی نہیں سنی کھٹے ہوتے دروازے کی طرف بڑھے اور کہا: "کوشش کرنا ہمارا کام ہے اور کامیابی یا ناکامی ہمارے اختیار

درد نہ اس کوشش میں ہیں مالا جاؤں گا“

اہلیا باقی نے افسوس سے جواب دیا۔ ”پر بھاکر ہی! میں مجبور ہوں، تم بھی سوچ سمجھ کے، ام کرو، میں اس کا حل تلاش کر رہی ہوں۔ مالی راؤ سے جھگڑو نہیں، کیونکہ اس کے لئے تم دوست بن کر نہ کچھ کر سکتے ہو مگر دشمنی کر کے کچھ بھی نہیں کر سکتے، تم دھواں ہو، گیان سے کام لیں جھگڑانے چاہا تو حالات بہر جلد قابو پاو گے۔“

لیکن پر بھاکر کے گیان اور برہمی بہر تو رجنی کانت نے قبضہ حرام کھا تھا، اگر بچ میں رجنی کانت نہ آگئی ہوتی اور مالی راؤ رجنی کانت پر مائل نہ ہو گیا ہوتا تو پر بھاکر مالی راؤ کے ذہن کو بدل دینے میں آسانی کامیاب ہو جاتا۔ اس کو یہ اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ پردہت اور مالی راؤ میں کوئی معاملت ہو چکی ہے ورنہ وہ شیوہ جی کے چہرے میں حاضری نہ دیتا۔ وہ کچھ دیر تک کسی کو کچھ بتائے بغیر راج بھون سے نکلا اور پردہت جی کے پاس چل دیا۔

راستے میں اس کا باپ مل گیا۔ وہ خاص طور پر یہ کہنے آیا تھا کہ ”بیٹے! اپنے کام سے کام رکھو، سیاست میں نہ پڑو، اپنے گیان اور برہمی کو دولت کمانے میں صرف کرو اور ویسی ہی باتیں کرو جیسی مالی راؤ سنا چاہتا ہے۔“

لیکن پر بھاکر باپ سے بھی ناراض ہو گیا، بولا۔ ”بتا جی! آپ تو مار دھاٹ کے معزز انسان ہیں، اور آپ کو بشر کے مقابلے میں خیر بنا کر پیدا کیا گیا تھا۔ پھر آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟“

باپ نے جواب دیا۔ ”پر بھاکر! تو بشر کا مقابلہ اس صورت میں تو کر سکتا ہے کہ تو زندہ رہے، لیکن اگر تو مار دیا جائے تو پھر بشر کا مقابلہ کون کرے گا؟ میں چاہتا ہوں کہ تو زندہ رہے اور مالی راؤ کے شر کو بھی کچل دے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تو کم عقل راہا کی ہاں میں ہاں ملا اور اپنی برہمی اور گیان کی چوٹیں لگا کر راہا کی جہالت کی دھار کو گتہ کر دے۔ تو پہلے راہا کی خوشامد کر پھر خوشامد کرو۔“

پر بھاکر نے تلخی سے کہا۔ ”لیکن میں یہ نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے پرائیڈ کے افکار میں پڑھا ہے کہ جب کسی راہا کے دیدر، گمراہ اور دیوان اس کی خوشامد کرنے لگیں تو راہا کو اپنی جان سے ہاتھ دھو لینا چاہئیں۔ میں راہا کا خوشامدی

کو جلاتے دے رہی تھی۔ اس نے پھر پورے کوشش کی کہ وہ مالی راؤ کو عورت کی طرف سے بدظن کر دے۔ بولا۔ ”مہاراج! پرائیڈ کی سوچ اور گیان پر مشتبہ کرنا اکیلا ہی میں داخل ہے۔ انہوں نے عورت کے درجے کا جو تعین کر دیا ہے وہ کافی ہے منوجی نے اپنے شاستریں لکھا ہے کہ عورتوں کا وجود صرف اس لئے ہے کہ بچے دیر ان کی پرورش کریں اور ہر روز خانہ داری کے کام میں مشغول رہیں۔“

مالی راؤ نے کہا۔ ”میں خود بھی عورت کو اس سے زیادہ درجہ دینے کو تیار نہیں۔ یہاں تک کہ میری ماں اہلیا باقی بھی چونکہ عورت ہے اس لئے میں اپنے معاویہ میں اس کی بات بھی ماننے کو تیار نہیں حالانکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے راج دربار کے بڑے بڑے گیانی اور دھواں یہاں تک کہ پردہت پنہت تک عورت کی بات مان رہے ہیں اور اس کے اشاروں پر نایچ رہے ہیں۔“

پر بھاکر باتوں میں چھپے ہوئے طنز اور اشارے کو سمجھ رہا تھا، بولا۔ ”میں جس عورت کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ماں نہیں عورت ہے آپ کو رجنی کانت اور اس جیسی دوسری عورتوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔“

مالی راؤ نے لاپرواہی سے جھڑک دیا۔ ”میری ماں کو معلوم نہیں تجھ میں کیا نظر آگیا تھا جو مجھ پر مسلط کر دیا، جا، دفع ہو جا، اپنا کام کر اور میرے معاملات میں دخل نہ دے۔“

پھر تالی بجائی تو دروازہ حاضر ہو گیا۔ مالی راؤ نے کہا۔ ”دوار کا! پردہت جی کو خبر کر دے کہ آج شام میں شیوہ جی کے چہرے میں حاضری دوں گا۔“

پر بھاکر نے جانتے جانتے کہا۔ ”مہاراج! میں ملہار راؤ کے راج سنگھاسن کو بریاد نہیں ہونے دوں گا۔ میں اپنی ذمے داریاں پوری کروں گا۔“

دوار کا نے باہر نکلتے ہوئے پر بھاکر سے سرگوشی میں کہا۔ ”نوجوان بھاٹ! اپنے جیون کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے، سیدھی طرح چاکری کر ورنہ خود منواہ مارا جائے گا۔“

پر بھاکر باہر نکلا تو سیدھا اہلیا باقی کے پاس پہنچا اور مالی راؤ کی شکایتیں کرتا رہا۔ اہلیا باقی بڑے تحمل سے سنتی رہی بولی۔ ”پر بھاکر جی! اگر پہلے مجھے اندازہ ہوتا کہ مالی راؤ ایسا ہے تو میں اس کے لئے کوئی کوشش نہ کرتی۔“

پر بھاکر نے بڑی دل صبری سے کہا۔ ”جھگڑانے کے لئے مہاراج کو روکئے

جلدی جلدی پلکیں چمک رہی ہیں وہ دہل گیا اور دل زور سے دھڑکنے لگا۔
رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

دشمن نہیں بن سکتا۔

کچھ دیر بعد وہ بوجھل قدموں سے باہر نکلا اور پیکریاں جڑ میں جا بیٹھا۔
یہ وہی جگہ تھی جہاں ایک بار وہ رجنی کانت کے ساتھ بیٹھ چکا تھا، زمین پر گرہوں
کا فرش سمجھا ہوا تھا۔ پاؤں تلے کچلی ہوئی گدیاں بچی ہوئی پتھر سی تھیں، پیکریاں جڑ
میں وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ وہ معلوم نہیں کیا سوچ رہا تھا اور سخت الشعور میں یہی
بیٹھا تھا کہ اس کی آمد کی خبر پا کر رجنی کانت وہاں ضرور آجائے گی لیکن وہ بڑی
دیر تک نہیں آئی کافی دیر بعد اس کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو
وہ رجنی کانت کے خیال میں فورا ہاں گھوم گیا۔ وہاں ایک دوسری ہی داسی کھڑی
سکرا رہی تھی، سالونی رنگت اور متوازن اعضاء میں تنگین حسن کا پیکر۔ اس نے منکرا
کر پوچھا۔ ”کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تیرے عہدوں کی مذمت کیوں کیا کرتا ہے؟“
اس نے جواب دیا۔ ”عہدوں کی مذمت میں کہاں کرتا ہوں، یہ تو تمہاری
کے افکار ہیں۔ جنہیں میں فہم آتا کرتا ہوں۔ ان میں سے بعض منہ جی نے اپنی ناسر
میں لکھ دیتے ہیں بعض پہنچ تتر کے ہیں اور بعض کا تعلق ہتھوڑی نش سے ہوتا ہے۔“
داسی نے کہا۔ ”وہ کسی کی سوچ ہو ہم تو عہدوں کی ساری برائیاں بس تیری
زبان سے سنتے رہتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سادی داسیاں، سانی نادیاں
تجہ سے ناراض ہو گئی ہیں۔“

پہر بھاکر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ”کیا ان ناراض ہونے والی داسیوں
اور نادیاں ہیں رجنی کانت بھی شامل ہے؟“

داسی نے جواب دیا۔ ”ہاں وہ بھی ناراض ہے۔ شاید سب سے زیادہ
ناراض ہے۔“

پہر بھاکر نے پوچھا۔ ”لیکن وہ ہے کہاں؟ وہ یہاں کہیں نظر کیوں نہیں
آ رہی ہے؟“

داسی نے جواب دیا۔ ”اس کو جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ تو آیا ہوا ہے، وہ اپنی
کٹھری میں لیٹ گئی اور منہ کو چادر میں چھپا لیا۔“

پہر بھاکر نے کہا۔ ”دیوی جی، تم مجھے اس کو کٹھری تک پہنچا دو، میں اس کی
غلط فہمیاں دور کرنا چاہتا ہوں۔“

باپ نے طیش میں کہا۔ ”پہر بھاکر! تب پھر تو بھی ہمارا فیصلہ سن لے۔
میں، تیری ماں اور بھائی بہن نے مل جل کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ تجھ کو راج دربار میں
بھیج کر دولت کمائی جائے لیکن تیرا چاہے پاس پہنچ کر بھی وہی کام نہیں کر رہا
ہے جس کی نتیجہ سے امیر کی جا رہی تھی اس لئے اب میں نے پورے گھر کی
تائید سے یہ فیصلہ کر لیا کہ مہاراج، مالی راج کے دربار میں پہنچ جاؤں
اور تیری جگہ لے کر دولت کے دھارے کا رٹ اپنے گھر اور کنبے کی
طرف کر دوں۔“

پہر بھاکر نے جواب دیا۔ ”آپ جو چاہے کریں لیکن جب تک میں وہاں
موجود ہوں، اسی طرح کام کرتا رہوں گا۔“

باپ نے جلد ہونے ہوتے کہا۔ ”گھر میں تنگی ہے، زرد مال بھیج ورنہ دو
دن بعد میں خود بھی آ رہا ہوں۔“

لیکن پہر بھاکر کچھ اور ہی سوچ رہا تھا، وہ باپ کی دھمکی کی پرواہ کئے بغیر
پروہت جی کے پاس پہنچ گیا۔ پروہت جی اس وقت سوئے ہوئے تھے پہر بھاکر
کی ذلت کا تماشاجن لوگوں نے دیکھا تھا وہ یہاں بھی موجود تھے، اس کو دیکھ کر
مسرانے لگے لیکن پہر بھاکر کے علم و دانش کے سبھی قائل تھے۔ ہنسنے والوں میں سے
کسی نے رجنی کانت کو پہر بھاکر کی آمد سے مطلع کر دیا۔ رجنی کانت ایک بار پہر بھاکر
سے ناراض ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی کٹھری کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور چادر
اڑھ کر کھڑ ہو رہی۔

پہر بھاکر مندر کی اندرونی حدود میں ادھر ادھر پھرتا رہا اس کا خیال
تھا، اس کی آمد کی خبر سن کر رجنی کانت اس کے پاس ضرور آجائے گی لیکن وہ نہیں
آئی۔ پہر بھاکر شیوجی کے ٹائٹل وناچ والی مودی کے سامنے جا کھڑا ہوا اور چشم نم
شیوجی سے بنتی کرنے لگا کہ اس معرکہ خیز دفتر میں اس کو جیت کی توفیق اور
ہمت عطا کی جائے۔ وہ بھڑائی ہوئی آواز میں شیوجی سے کہہ رہا تھا کہ مالی راج
جیسے نادان اور جاہل سے حکومت چھین کر کسی گیانی سودا کو دے دی جائے۔

وہ شیوجی کی مودی پر نظر میں جاتے گھبراہٹ میں مشغول تھا کہ اچانک
اس کیوں لگا گویا شیوجی کی آنکھوں میں غیر معمولی پرک پیدا ہو گئی ہے اور وہ

داسی نے انکار کیا۔ ”نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتی کیونکہ سچے سے پردہ پر
جی بھی نالارض ہیں“

پربھاکر نے گزارش کی، ”اچھا تب پھر تم رجنی کانت کی کوٹھری دعوہ ہو کر
دیکھا دو۔ میں خود ہی مل لوں گا اس سے جا کر“

داسی اس کو اپنے ساتھ لے کر چلی گئی اور رجنی کانت کی کوٹھری کو اشارہ
سے بنا کر غائب ہو گئی۔

پربھاکر اس کے دروازے کی جھری سے اندر جھانکنے لگا۔ اس نے کسو
کو چادر میں سویا ہوا دیکھا تو آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے رجنی کانت نے معنوم
آواز میں پوچھا۔ ”کون؟“

پربھاکر نے کہا۔ ”رجنی کانت! میں ہوں پر بھاکر دروازہ کھولو۔“

رجنی کانت نے جلے کپڑے پہنے میں کہا۔ ”تو بھاگ جا یہاں سے چلا جا۔ میں
سچے سے نہیں ملوں گی۔ تو ہمیں گالیاں کیوں دیتا ہے؟“

پربھاکر نے عاجزی سے کہا۔ ”میں گالیاں نہیں دیتا رجنی کانت! تم غلط
فہمی کا شکار ہو گئی ہو اور کچھ نہیں درنہ یہ صورتحال نہ ہوئی۔“

رجنی کانت نے کہا۔ ”لیکن میں ملنا ہی نہیں چاہتی۔ تم نے میرے دل
پر بڑے گھٹا دکھاتے ہیں پر بھاکر! میرے دل میں ناسود ڈال دیا ہے۔“

پربھاکر نے عاجزی سے کہا۔ ”رجنی کانت! وہ میرا ذات تھا۔ درنہ میں ایسی
بات کبھی بھی نہ کرتا۔“

رجنی کانت آنسو پونچھتی ہوئی اٹھی اور دروازہ کھول دیا۔ پربھاکر نے
ادب سے پوچھا۔ ”تم رو کیوں رہی ہو؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”پربھاکر جی! میں زمانے کی ستانی اور ٹھکانی
ہوئی کتیا ہوں، میں نے تمہیں عقلمند اور پناہ دینے سمجھا تھا لیکن تم کو جب

بھی بولنے کا وقت ملتا ہے تم میرے اور جملہ داسیوں اور ناداریوں کے خلاف
ہی بول جاتے ہو۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔“

پربھاکر نے ہنس کر کہا۔ ”اے سادہ لوح لڑکی! میں نے تو مہاراج کے سامنے
نیری اور جملہ ناداریوں اور داسیوں کی برائیاں کر کے یہ جا ہاتھ کر میری باتیں مہاراج

مالی راج کے دل میں اثر جاتیں اور وہ سچے سے نفرت کرنے لگیں لیکن انیسویں

کہ ایسا نہیں ہوا۔ اے کاش ایسا ہو گیا ہوتا۔“

رجنی کانت نے کہا۔ ”لیکن پھر بھی سچے کو ایسا نہیں کہنا تھا۔“
پربھاکر نے بڑی سادگی سے گالوں کو خود ہی ٹھپکھپایا اور توبہ توبہ کرنے

لگا، بولا۔ ”آئندہ میں خیال رکھوں گا۔“

رجنی کانت نے دوبارے لیے لیے کہا۔ ”پربھاکر جی! تم سچ بتاؤ، اس
دنیا میں میرے لئے کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ غریبوں مرادوں سے پیدا ہوئی تو منت

سے مطابق مجھ کو مندر کی داسیوں میں شامل کر دیا گیا۔ اب یہاں میں جس طرح
جی رہوں، کچھ میں ہی جانتی ہوں۔“

پربھاکر نے پوچھا۔ ”تم یہاں کس طرح جی رہی ہو؟ کچھ مجھے بھی
تو بتاؤ؟“

رجنی کانت کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، بولی۔ ”میں کیا بتاؤں؟ کس
طرح بتاؤں؟“

پربھاکر نے کہا۔ ”رجنی کانت! پردہت جی کے بقول میں شید جی
کا اوتار ہوں اور تو میری استری ہے، پھر میں پریشان ہوں اور تو بھی پریشان ہے۔“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”اب تم شید جی کے اوتار نہیں رہے، کیونکہ
پردہت جی کو تم سے بڑا ذریعہ مل گیا ہے۔ وہ مال و زر کا تو بھی پکا دنیادار ہے۔“

پربھاکر نے آہستہ سے کہا۔ ”رجنی کانت جی! تم ابھی کسی سے لڑنا مت۔“
رجنی کانت نے نہ لڑنے کا وعدہ کر لیا۔

رجنی کانت نے کہا۔ ”اے کاش، تم واقعی ایشور کے اوتار ہو تو تو
مزہ آجاتا۔“

پربھاکر نے جواب دیا۔ ”جو مزہ انسان ہونے میں ہے وہ اوتار
میں نہیں۔“

رجنی کانت ایک بار پھر پربھاکر کی ذات میں کھڑکی۔ اس نے پربھاکر
کو سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ اس نے بتایا کہ پردہت جی لالچی ہیں اور پہلے

جو پربھاکر کو شید کا اوتار قرار دیا گیا تھا تو اس کی منہ میں ان کا یہ مقصد کا فرما
تھا کہ تم مہاراج مالی راج کے خزانے سے انہیں مال و زر فراہم کرتے رہو گے اور

برہم دت جی دولت مند ہوتے چلے جاتیں گے لیکن پھر جب خوش قسمتی سے وہ خود ہی مہاراج تک پہنچ گیا تو برہم دت جی نے تم کو اوتار سے نکال باہر کیا۔ اسے مالی راؤ شیندر جی کا اوتار ہے اور وہی ہم سب کی منزل مراد تھی۔ اب میں مالی راؤ کی امانت فرما پا چکی ہوں۔“

برہم دت کے دل پر چوٹ لگی۔ وہ تھلا گیا، پوچھا۔ ”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا رہی کانت؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”برہم دت جی! باہر کوئی ہماری باتیں سن کر نہیں رہا؟“

برہم دت کو کھڑکی سے باہر گیا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہیں سے جواب دیا۔ ”یہاں کوئی بھی نہ نہیں۔“

وہ دوبارہ اندر داخل ہو گیا۔

رجنی کانت نے آہستہ آہستہ کھنا شروع کیا۔ ”برہم دت جی! میں بظاہر تو شیندر جی کی داسی ہوں مگر حقیقتاً میں برہم دت جی کی داسی ہوں۔“

اب میں برہم دت کے حکم پر مالی راؤ جی کی داسی بن جاؤں گی اور اس کے دل کی زینت بن جاؤں گی۔“

برہم دت کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ بھیا نک لہجے میں بولا۔ ”رجنی کانت! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”تمہارے کان جو کچھ سن رہے ہیں، وہی میں کہہ رہی ہوں۔“

برہم دت نے تھلا کر کہا۔ ”تو یہ برہم دت جی بھی۔۔۔۔۔“

”ہاں یہ برہم دت جی بھی۔ یہاں کی ایک سبھی داسی برہم دت اور ان کے چیلوں سے محفوظ نہیں ہے۔ بھگوان نے ہمیں بھی نفس دیا ہے، ہم کو بھی خواہش ملی ہیں اور اس پر اسرار نظام میں ہمیں اپنے نفس کی تسکین کے لئے جو کچھ اور جس طرح میسر آتا ہے غنیمت لگتا ہے۔ اے کاش تم میرے لئے کچھ کرتے، اے کاش میں تم کو حاصل کر سکتی۔ اے کاش لے کاش۔“

برہم دت سناٹے میں آگیا۔ اور خیالوں میں گم ہو کر کچھ سوچتا رہا۔

رجنی کانت نے مالیوسی سے کہا۔ ”لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ میں تم سے مطمئن

نہیں ہوں، خوش نہیں ہوں۔ تم اچھے ہوتے یاوس انسان ہو جس کو گناہ دھیان کی باتوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ تم تو بس بال کی کھال نکالتے رہو۔“

برہم دت کا دماغ پھر رہا تھا۔ اس نے رجنی کانت کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔

رجنی کانت نے کہا۔ ”میرا کام ایک مہاراج کی داسی انجام دے سکتا ہے لیکن باوقوفی نوجوان تم ایسا نہیں کر سکتے، تم یہ کام نہیں کر سکتے۔“

برہم دت نے کہا۔ ”رجنی کانت! میں سب کچھ کر سکتا ہوں، تم یہ پوچھو کہ میں کیا نہیں کر سکتا۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اسے نہیں ہونا چاہیے، میں اس کی مخالفت اور اس کے خلاف مزاحمت کروں گا۔ خواہ اس راہ میں میں کام ہی کیوں نہ آجائوں۔“

رجنی کانت نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ میں بھی دیکھوں گی۔“

رجنی کانت کو اچانک احساس ہوا کہ اس کی کھڑکی کے سامنے کچھ لوگ موجود ہیں۔ اس نے کہا۔ ”برہم دت جی! شاید باہر کوئی موجود ہے۔“

برہم دت نے جواب دیا۔ ”رجنی کانت! تم شکلی ہو گئی ہو، ابھی ابھی تو میں دیکھ کر آیا ہوں وہاں کوئی بھی نہیں۔“

رجنی کانت نے نہایت توجہ سے آہٹیں سننے کی کوشش کی اور مگر شہی میں کہا۔ ”برہم دت جی! ذرا غور سے سنو۔ اب تو آہٹیں صاف سنی جا سکتی ہیں۔ سنو تو۔“

برہم دت بھی چپ ہو گیا اور آہٹیں سننے لگا۔ واقعی لوگوں کے بھنبھناتے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور رجنی کانت سے کہا۔ ”میں باہر جا کر دیکھتا ہوں، یہ کون ہے جو موجود کی طرح ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہے۔“

برہم دت جی، ان کے کئی چیلے، چند دیو داسیاں اور دروازے کا تھوڑا سا بڑھلائے کھڑے تھے، برہم دت کو دیکھتے ہی انہوں نے بے ہنگم شور کیا۔ پرست پلنے ساتھیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھا اور برہم دت سے پوچھا۔ ”اندرون ہے؟“

برہم دت کی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی، وہ گھبرا گیا تھا، آں اداں کر کے رہ گیا۔

برہم دت تیزی سے آگے بڑھا اور برہم دت کو ایک طرف ہٹا کر کھڑکی میں داخل ہو گیا۔ وہاں ڈریسنگ روم رجنی کانت کے دروازے پر نظر پڑ جائے بیٹھی تھی۔

۱۱۵

پروہت نے سختی سے سوال کیا۔ ”پرہیا کر کہاں کیا کر رہا تھا؟“

رجنی کانت نے کمزور لہجے میں جواب دیا۔ ”بائیں“

پروہت جی نے رجنی کانت کو گھور کر دیکھا۔ ”صرف بائیں؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”ہاں، صرف بائیں“

پروہت نے پوچھا۔ ”کیسی بائیں؟ کیا بائیں کر رہا تھا؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”وہ مجھے نصیحتیں کر رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ ایک

داسی کو کیسا ہونا چاہیے اور اپنے نفس پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے۔“

پروہت کے پیچھے پرہیا کر بھی اندر داخل ہو چکا تھا اور اس نے رجنی

کانت کا جواب سن لیا تھا۔ پروہت پیچھے مڑا اور اپنے پیچھے پرہیا کر کو کھڑا دیکھ کر

برہم ہو گیا۔ بولا۔ ”پرہیا کر جی! تمہیں بری اجازت کے بغیر اندر نہیں آنا چاہیے تھا۔“

رجنی کانت کی کوٹھری میں چوری چھپے آکر اور تہائی میں من مانی کر کے تم نے اچھا نہیں

کیا۔ معاملہ سنگین اور نازک ہے۔“

باہر چلے زور زور سے کہہ رہے تھے۔ ”باہر والوں کی مندر کی حدود میں

من مانی نہیں چلے گی۔“

دوار کا کھد ہا تھا۔ ”پرہیا کر جی! تم تو نابالوں کے دشمن اور گیانی انسان ہو،

میں تو تمہیں بھگت سمجھتا تھا لیکن یہ آج میں کیا دیکھ رہا ہوں؟“

پروہت جی نے رجنی کانت کو کوٹھری ہی میں چھوڑا اور پرہیا کر کو شلنے

سے پکڑ کر کوٹھری سے باہر نکلے۔ معلوم نہیں کیا سوچ کر چیلوں اور داسیوں کو منسٹر

ہو جانے کا حکم دیا اور جب سب چلے گئے۔ تو دوار کا سے کہا۔ ”داسکا! میں مہاراج

سے اسی وقت ملنا چاہتا ہوں۔ میں تیرے ساتھ چلوں گا۔“

پرہیا کر بہت شرمندہ تھا، پروہت سے کہا۔ ”پروہت جی! سیڑھی ساری

باتوں کو غلط رنگ نہ دو۔“

پروہت جی نے گرمی سے کہا۔ ”پرہیا کر جی! تم تو بولو تمہیں کیونکہ تم نے جو

کچھ کیا ہے اس پر مجھ کو شرم آ رہی ہے۔“

پرہیا کر نے غصے سے کہا۔ ”کواس، میں نے کچھ بھی نہیں کیا، مجھ پر تو بخود

الزام نہ لگاؤ۔“

دوار کانے پروہت کا ساتھ دیا۔ ”پرہیا کر جی! اب بائیں بتانے سے کچھ

حاصل نہیں، پروہت جی نے ایک دنیا دیکھی ہے اور یہاں کے معاملات کو دوسروں

سے زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔“

پروہت جی نے سختی سے کہا۔ ”پرہیا کر جی! میں تو تمہیں بھی نہیں جانے

دوں گا۔ تم ہم دونوں کے ساتھ ہی چلو گے کیونکہ رجنی کانت کے معاملے میں میں

خود ذمہ داری نہیں لے سکتا۔“

پرہیا کر نے جواب دیا۔ ”میں گناہ گار نہیں ہوں پروہت جی! تم اطمینان رکھو،

میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گا اور یہ نالک جو تم نے رچایا ہے، میں محو میں

بگاڑ دوں گا۔“

دوار کانے کہا۔ ”پرہیا کر جی! تم یہ اور بڑا کر رہے ہو، اگر تم اپنے کتے پر نام

ہو جائے اور پروہت جی سے معافی مانگ لیتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔“ پھر پروہت جی

کو ایک طرف لے جایا کر سرگوشی میں سمجھایا۔ ”پروہت جی! میرا خیال ہے اس معاملے کو

میں ختم کر دیا جائے، کیونکہ معاملے کو جتنا بڑھاؤ گے اتنی ہی گند اچھلے گی۔ مہاراج

الی رات کے مزاج کا کوئی سہر دسا نہیں ہو سکتا ہے وہ پرہیا کر کو معاف کر کے ہم

میں سے کسی کو خطا کا ٹھہرا دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پرہیا کر ہی کو گناہ گار

ٹھہرا کر قتل کر دیں کیونکہ کسی کو قتل کر دینا تو مہاراج کے لئے مہایت معمولی

بات ہے۔“

لیکن پروہت جی نے صاف انکار کر دیا۔ کہا۔ ”میں دوار کا جی! البسا

نہیں ہو سکتا، میں مہاراج کو لاعلم نہیں رکھ سکتا کیونکہ یہ بات دوسروں کے

علم میں آچکی ہے اور اگر میں چپ ہو جاؤں گا تو میں خطا کا ٹھہروں گا۔“

دوار کانے آہستہ سے سمجھے سمجھے لہجے میں کہا۔ ”بہتر ہے لیکن میں آپ

سے متفق نہیں ہو سکتا۔“

یہ دونوں پرہیا کر کے پاس پہنچے اور کہا۔ ”تب پھر چلو پرہیا کر جی! بھگوان

ام پر رحم کریں، معاملہ بڑا گھمبیر ہے۔“

پرہیا کر نے کھسپائے لہجے میں جواب دیا۔ ”چلو، میں تیار ہوں۔“

اور یہ تینوں مانی رات کے پاس چل دیئے۔ پرہیا کر خود کو بے گناہ اور

پاک سمجھ رہا تھا۔ یہ پائی اور بے گناہی اس میں ہمت اور حوصلے کی استقامت

ہو کر رہی تھی لیکن آہستہ آہستہ ہمت اور حوصلہ رخصت ہونے لگا اور وہ اپنے

وجود میں خوف اور دہشت کی سرد لہریں محسوس کرنے لگا۔

اہلیا باقی بہر حالت میں پرہیزگار کمر کھڑی رہی۔

مالی رات نے بیدار ہونے ہی ان تینوں کو طلب کر لیا۔ اہلیا باقی بھی بیڈ کے پاس پہنچ گئی۔ مالی رات کو ماں کی موجودگی سے کوفت ہو رہی تھی۔ ماں کو درشتگی سے مخاطب کیا۔ "ماں جی! آپ کو رات پاٹ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے آخر وہ آپ نے تو میرا بچھا پکڑ لیا ہے۔ بھنگوں کے لئے مجھ پر دیا کر د اور اپنی فری سے رات کرنے دو۔"

اہلیا باقی کا کلیجہ شق ہونے لگا۔ بیڈ کی باتوں نے اس کے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ بولی۔ "مالی رات! میں تیری ماں ہوں اور اس رات کی نگرانی بھی۔ میں نے ہی تجھے کو رات دلایا ہے اور میں ہی اس رات کو چلاؤں گی۔ تو نادان ہے تجھے کی طرح میری انگلی پکڑے رہ۔ آخر یہ تینوں جہاں کیوں آئے ہیں؟" مالی رات نے جل کر جواب دیا۔ "یہ تینوں مجھے گرفتار کرنے آئے ہیں۔ اب چاہیے ان تینوں سے مجھ کو۔"

اہلیا باقی سمجھ گئی کہ مالی رات جلی کٹی باتیں کیوں کر رہا ہے۔ غصے میں زور زور سے پاؤں پٹک کر بولی۔ "کم عقل اور بے وقوف لڑکے! میں جانتی ہوں کہ اس وقت تو کیا چاہتا ہے؟ شاید تنہائی؟" اس کے بعد وہ وہاں سے چلی گئی اور یہ کہتی گئی کہ "میں یہاں سے جا رہی ہوں لیکن تو جیسی فصل بو رہا ہے اس کا شاندار۔۔۔۔۔"

لیکن مالی رات معلوم نہیں کیوں اور کس بات پر چیخنے چلانے لگا، جس میں اہلیا باقی کی آواز دب گئی اور اس کا ہوا فکھ بھی کوئی تہ نہیں سن سکا۔ جب مالی رات کو اچھی طرح یہ یقین ہو گیا کہ اہلیا باقی ڈر ڈر تک موجود نہیں، تو ہنسنے لگا۔ پروہت اور دار کا سے کہا۔ "اگر میں یہ نافرمان کرنا تو میری ان اچھی نگاہیں موجود ہوتی۔ وہ تو مجھے انگلی پکڑا کے چلانا چاہتی ہے۔" پروہت جی نے ہر سامنے بنایا اور کہا۔ "مہاراج! بڑا غضب ہو گیا۔ وہ تو ہر بھگوان کی پٹنہ درمیان ہی میں موجود ہے۔ وہ یہ مسئلہ کن پرستوں کی محفل میں سنایا جا رہا ہوتا۔"

مالی رات نے برہمی سے کہا۔ "پروہت جی! اور کچھ کہنا ہے یا بس؟" پروہت جی نے جلدی جلدی سادی روتلہ سنادی اور عرض کیا۔ "مہاراج!

مند کے دروازے پر بندھی (دھتھ) ان تینوں کا انتظار کر رہی تھی پروہت دونوں سے پہلے رتھ میں بیٹھ گیا ماس کے بعد ہر بھگوان اور دار کا بیٹھ گئے۔ تینوں خاموش تھے، کم مہم معلوم نہیں کیا سوچ رہے تھے۔ رتھ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا اور رات بھون قریب آتا جا رہا تھا، ہر بھگوان کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

دن ڈھل رہا تھا اور سورج مغرب میں جھکتا جا رہا تھا، سائے لمبے ہو گئے تھے۔ راستے میں راہ گیروں نے پروہت کو جب بھی دیکھا، ہر نام کیا۔ ہر بھگوان نے اچانک سوال کر دیا۔ "پروہت جی! تم نے مجھے شیوجی کا اقرار کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اس طرح رجنی کا تم میری پتی ہے اور آج تم مجھ کو ذلیل کرنے پر تیار گئے ہو؟ آخر کیوں؟"

پروہت نے جواب دیا۔ "اس وقت تک میں نے تم کو گیانی، فرد یا پتی اور وہ ہون سمجھتا تھا۔ اگر تم شیوجی کے اقرار بھی تھے تو اس طرح تم کو زیادہ ذلت دار اور محتاط ہونا چاہیے تھا۔" رات بھون کا صدر دروازہ پروہت اور ہر بھگوان کو دیکھتے ہی کھل گیا۔ رتھ اندر داخل ہو گیا۔ مالی رات کی داسیوں نے اطلاع دی کہ مالک آرام کر رہے ہیں۔

دار کا نے انہیں مہمان خانے میں بٹھا دیا اور داسیوں سے کہا کہ "جیسے ہی مالک بیدار ہو جائیں، پروہت، ہر بھگوان اور دار کا کی آمد کی اطلاع دی جائے۔"

وہ تینوں دو گھنٹے تک انتظار کی زحمت چھیلتے رہے۔ شام سے ذرا پہلے مالی رات بیدار ہو گیا۔ لیکن مالی رات سے پہلے ان تینوں کے پاس اہلیا باقی پہنچ گئی اور پروہت اور دار کا کے درمیان ہر بھگوان کو دیکھ کر پریشان ہو گئی، پروہت سے پوچھا۔ "کیا بات ہے پروہت جی! آج یہ تلگم کیسے نظر آ رہی ہے؟" پروہت جی یہ مقدمہ اہلیا باقی کے سامنے نہیں پیش کرنا چاہتے تھے کیونکہ

اس میں میرا کوئی دروش نہیں، جو کچھ بھی ہوا ہے پر بھاکر ہی اس کا ذمہ دار اور خطا کا ہے۔“

اب پر بھاکر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس نے پورے جوش و خروش سے پردہت کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ اس نے جوج پیچ کر کہا: ”میں، گیا تھا اور مہینوں کے سامنے گیا تھا لیکن کسی کے پاس بٹری نیت سے نہیں گیا تھا۔ میں اس کے لئے سو گنر کھا سکتا ہوں۔ میں بالکل بے گناہ اور پاک ہوں۔“

مالی راقہ پردہت کی زبانی تفصیل سن کر کچھ پریشان ہو گیا تھا لیکن جب پر بھاکر نے زور و شور سے اس کی تردید کی تو وہ کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔ اس نے پر بھاکر سے پوچھا: ”تو وہاں کیوں گیا تھا؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”مہاراج! میں مندر میں پہلی بار تو نہیں گیا تھا اگر پہلے بھی تو جاتا رہا ہوں۔“

مالی راقہ نے چڑچڑے پن سے کہا: ”میں آج کی بابت پوچھ رہا ہوں، تو آؤ وہاں کیوں گیا تھا اور خاص کر جینی کانت کے پاس تیرا کیا کام تھا؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”مہاراج! جیسا کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ نصیحتیں کرنے کا عادی ہوں، میں چپ چاپ نہیں رہ سکتا چنانچہ آج میں راقہ کانت کو نصیحتیں کرنے پہنچ گیا تھا۔“

مالی راقہ مسکرا دیا: ”پوچھا۔“ تو نے جینی کانت کو کیا نصیحتیں کیں؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”میں نے اس کو سمجھایا کہ دیوداسی کو کس طرح زندگی گزارنا چاہیے اور یہ کہ سرکش نفس کو دہانے اور قابو میں کرنے کی تدبیریں کیا ہیں؟“

مالی راقہ زور و شور سے ہنسنے لگا: ”پردہت سے کہا۔“ پردہت جی! تم بلاوجہ پریشان ہو گئے۔ تم پر بھاکر کو نہیں جانتے لیکن میں خوب جانتا ہوں۔ اس کو بہت زیادہ بولنے اور نصیحتیں کرنے کی عادت ہے اور عادت آدمی کو بے بس اور مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ایک معصوم اور سچا نوجوان ہے پر اس پر بے ہودہ شکوک نہیں کرنا چاہیے۔“

پردہت کھٹکھٹا ہوا: ”لیکن مہاراج!۔۔۔۔۔“

مالی راقہ نے بات کاٹ دی: ”پردہت جی! اب لیکن ویکن ختم کر دو۔“

موضوع کو بند کر دو، بالکل ختم کر دو کیونکہ میں معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا ہوں۔ بھلا سوچو تو سہی کہ جو شخص ہر وقت عورت کو بڑا بھلا کہتا رہے اور اس کو ذلیل و خوار کرتا پھرے۔ اس پر اس قسم کا شک کرنا کہاں تک جائز اور مناسب ہے؟“

پردہت نے پھر کسمپخت سے کہا: ”لیکن منشن تو منشن ہی ہے یہ سب کچھ۔۔۔۔۔“

مالی راقہ ناراض ہو گیا: ”یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے، میں کیا کہہ رہا ہوں کیا تم نے میری بات نہیں سنی؟ میں پر بھاکر پر اس قسم کا الزام نہیں لگا سکتا اب تم دوسری باتیں کر دو۔“ پھر پوچھا: ”آج شام کو میں مندر پہنچ رہا ہوں، تم کو اپنا وعدہ یاد ہے نا؟“

پردہت نے سرد مہری سے جواب دیا: ”یاد ہے، اچھی طرح یاد ہے۔“

مالی راقہ نے پھر سوال کیا: ”کیا تم نے جینی کانت سے بات کر لی؟“

پردہت نے جواب دیا: ”ہاں بات کر لی، وہ راضی ہے اور وہ یوں بھی میری مرضی اور حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔“

مالی راقہ نے خوش ہو کر کہا: ”بہت خوب، بہت خوب۔ کچھ دیر بعد میں آ رہا ہوں۔“

پردہت بے دلی سے اٹھ کھڑا ہوا، بولا: ”تب پھر مہاراج! میں چلتا ہوں۔“

مالی راقہ بھی کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی پر بھاکر اور دودار کا بھی کھڑے ہو گئے۔ مالی راقہ پردہت کے ساتھ ساتھ کچھ دور تک چلتا رہا، بولا: ”مجھے اپنا وعدہ یاد ہے، کل کے بعد تم کا دوبارہ میں روپیہ لگا سکوں گے۔ میں انتظام کر دوں گا۔“

پردہت کے مردہ چہرے پر ہمارا آگئی۔ مسکرا کر پوچھا: ”جناب والا! اگر وہ انتظام کل ہی کر دیا جاتے تو خوب ہو۔“

مالی راقہ نے جواب دیا: ”کل ہی انتظام کر دیا جائے گا تم مت تردد کر دو۔“

پردہت خوش خوش رخ میں بیٹھا اور مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ پردہت کے چلے جانے کے بعد مالی راقہ پر بھاکر کو اپنے ساتھ لے کر

تخلی میں چلا گیا۔ دوار کا کورخصت کر دیا گیا، پر بھاکر خوفزدہ تھا کیونکہ بہرہ دہت کے جانے ہی مالی راؤ منجید ہو گیا تھا۔ وہ فکر مند نظر آتا تھا۔ پر بھاکر نے ٹٹولنے کے لیے جانے کی اجازت چاہی مگر مالی راؤ نے جانے کی اجازت نہیں دی، بولا: "پر بھاکر جی! میں نے بہرہ دہت کے سامنے بات نہیں بڑھائی مگر اب میں تم سے پوچھنا ہوں کہ تم رجبی کانت کے پاس کیوں گئے تھے؟"

پر بھاکر نے جواب دیا: "میں جانے کی وجہ ایک بار بتا چکا ہوں اس لیے دوبارہ نہیں بتاؤں گا۔"

مالی راؤ نے پر بھاکر کی گڑسی پکڑ لی: "میں تمہاری عزت کرتا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میری عزت سے کھیلنے لگو۔"

پر بھاکر نے کسمسا کر گردن چھڑانے کی کوشش کی مگر مالی راؤ کی انگلیاں گوشت میں بری طرح پیوست ہو گئی تھیں۔ مالی راؤ اس کی ناکام کوشش سے خوش ہوا، بولا: "میری انگلیاں تیری عقل سے زیادہ مضبوط اور طاقتور ہیں۔"

پر بھاکر نے ایک بار پھر گردن چھڑانے کی کوشش کی لیکن پھر ناکام رہا، پر بھاکر نے کہا: "آپ جسمانی قوت میں مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں۔ رہا عقل کا معاملہ تو اس میں آپ سمیت کتنے ہی اچھ جاتیں، آخر میں ہر شخص ناکام رہے گا۔"

مالی راؤ نے گرفت کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ "پر بھاکر جی! باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم رجبی کانت کے پاس کیوں گئے تھے؟"

پر بھاکر نے جواب دیا: "مہاراج! میں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں رجبی کانت کو نصیحتیں کرنے گیا تھا؟"

مالی راؤ ادا پر بھاکر کی روداد کسی داسی نے اہلیا بانی کو گوش گزار کر دی، وہ بھاگی بھاگی ان دونوں کے پاس پہنچی اور پر بھاکر کی گڑسی مالی راؤ کی گرفت میں دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ اس نے مالی راؤ کو دھکا دے کر ہٹا دیا، بولی: "یہ کیا کر رہا ہے تو؟ مالی راؤ! یہ ماد بھاٹ ذات سے تعلق رکھتا ہے، پر بھاکر جی کو کواہڑا پہنچا کر تو ہمیشہ دکھی رہے گا۔"

مالی راؤ، ماں کو اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گیا۔ جھنجھلا کر بولا: "ماں جی! تم راج پاٹ کے معاملوں میں مت بو لو ورنہ مجھے کچھا اور سوچنا اور کرنا پڑے گا۔"

اہلیا بانی نے جواب دیا: "مالی راؤ! تو سپردیہ ہے، تو شریفوں اور عزت مندوں سے اس طرح پیش آتا ہے گویا یہ چاکر اور داس ہیں۔ بھگوان کے لیے سنبھل جا، ورنہ اس کا نتیجہ کم از کم تیرے حق میں بہت بُرا نکلے گا۔"

مالی راؤ نے پر بھاکر کو چھوڑ دیا، ماں سے کہا: "ماں جی! پر بھاکر جی کچھلتا کر دو، میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔"

اہلیا بانی نے جواب دیا: "اگر تو دھواؤں اور وڈیا ہتھوں کا دشمن ہو گیا ہے تو کوئی پردا نہیں، آج سے پر بھاکر جی میری چاکری کرے گا، اب تو اس پر حکم نہیں چلائے گا۔"

مالی راؤ ایک دم نرم پڑ گیا، بولا: "ماں جی! میں دھواؤں اور وڈیا ہتھوں کا دشمن نہیں ہوں لیکن اس نے ایک ایسی حرکت کی ہے جو ہم سب کے لئے شرمناک ہے۔ بہرہ دہت جی اس کے سب سے بڑے گواہ ہیں۔"

اہلیا بانی نے پر بھاکر کو حکم دیا: "تو میرے ساتھ چل،" پھر بیٹھے سے کہا: "میں بہرہ دہت جی سے خود بات کر لوں گی، ایک بات تجھ کو ہر حال میں یاد رکھنا ہے۔ وہ یہ کہ ماد بھاٹ کا دل ڈکھانے والا کبھی خوش حال نہیں دیکھا گیا۔ تو بھی بھگوان کے غضب سے ڈر۔ میں تیرے انجام سے دل ہی دل میں خوفزدہ ہوتا ہوں۔" مالی راؤ بڑ بڑاتا ہوا ماں کے سامنے سے ہٹ گیا۔

اہلیا بانی پر بھاکر کو اپنے ساتھ لے گئی اور اس کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ پر بھاکر دیو داسی رجبی کانت کو یہ سمجھانے گیا تھا کہ سٹیو جی کی داسی کو کسی انسان کے مکرو فریب اور حرص و ہوس کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی کوششیں جاری رکھے اور مالی راؤ سے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی سمجھایا کہ مالی راؤ سے عقلمندی سے پیش آؤ تاکہ اس کی اصلاح ہو سکے۔

شام کو مندروں سے ناقوس کی آوازیں بلند ہوئیں، کسی کسی لمحے گھنٹیوں کا شور بھی سنا دے جاتا۔ اہلیا بانی راج بھون میں موجود مندر میں چلی گئی۔ پر بھاکر جانے کے لئے تیار ہوا تو دوار کانے اسے مطلع کیا کہ مہاراج مالی راؤ جی یاد فرما رہے ہیں۔ لمحہ بھر کے تاہل کے بعد پر بھاکر نے جواب دیا: "شاید تم کو نہیں معلوم کہ اب میں اہلیا بانی کی چاکری میں چلا گیا ہوں۔"

پربھاکر شرمندہ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہا جواب دے۔
 مالی راؤ کھنکھلا کر ہنس دیا، بولا: ”پربھاکر جی! اب ہنسی مذاق ختم، میں نے تم
 سے جو کچھ کہا سنا وہ سب مذاق تھا۔ میں تمہیں اپنے مزاح کا ضروری آدمی سمجھتا
 ہوں، آؤ میرے ساتھ چلو مجھے قدم قدم پر تمہاری ضرورت محسوس ہوگی۔“
 پربھاکر نے جواب دیا: ”مہاراج! راجا کا اپنی پر جا سے مذاق کرنا ایسا ہی
 ہے جیسے شیر لوٹری کو زخمی کر کے دل لگی کرے۔ مجھے اپنی گردن پر اب بھی آپ
 کی انگلیوں اور ناخنوں کی خراش محسوس ہوتی ہے۔“

دوا کا ایک دوسرا رتھ لے آ گیا۔ مالی راؤ اپنے رتھ میں جا بیٹھا، دوا کا
 لے اپنے رتھ پر پربھاکر کو بٹھالیا، پھر دوا کا کا رتھ آگے آگے چل پڑا، اس کے
 پیچھے مالی راؤ کا رتھ تھا۔ مغرب کی سیاہی گہری ہوئی جا ہی تھی، آس پاس اور
 سامنے مکانوں کی کھڑکیوں اور جھریوں سے چراغوں کی روشنیاں چمک چمک کر
 باہر آ رہی تھیں۔ دن بھر چرنے چلنے کے بعد مویشیوں کے ریوڑ بستی میں داخل
 ہو چکے تھے احد ان کی بے ہنگم آوازوں سے فضا کا سکوت بار بار ٹوٹ رہا تھا۔

مندر کے صدر دروازے پر پروہت، مالی راؤ کے انتظار میں کھڑا تھا۔
 دونوں رتھ آگے پیچھے مندر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ پروہت نے آگے بڑھ
 کر مالی راؤ کو پہنام کیا اور پوچھا: ”کیا مہاراج کو اپنا وعدہ یاد ہے؟“

مالی راؤ رتھ سے پیچھے آگیا اور رتھ کے کھانچے میں رکھے ہوئے شراب
 کے چھوٹے سے ٹکے کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا: ”پروہت جی! اس کو وہیں
 پہنچا دو جہاں مجھے کچھ وقت گزارنا ہے۔“

پروہت کی نظر میں بڑی بے چینی سے رتھ کے ایک ایک گوشے کا
 جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر دریافت کیا: ”مہاراج! آپ نے مجھ سے
 کوئی وعدہ کیا تھا۔ اس کا کیا ہوا؟“

مالی راؤ نے تلخی سے جواب دیا: ”پروہت جی! مجھے اپنا وعدہ یاد ہے اور
 وہ کل تک پورا کر دیا جائے گا کوئی نہ چلتے وقت مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔“

دوا کا اور پربھاکر بھی اپنے رتھ سے نیچے آ چکے تھے۔ ان دونوں نے
 پروہت کو نہایت ادب سے سلام کیا۔ پروہت نے بے دلی اور اسی سے ان
 کے سلام کا جواب دیا۔ مالی راؤ نے حکمانہ انداز میں پوچھا: ”مجھے میری جگہ پر پہنچا دے۔“

دوا کا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ”پربھاکر جی! تم عقلمند انسان
 ہو، حالات اور ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرو، یہ درست ہے کہ مزاح بھون کی
 سب سے زیادہ بزرگ ادب بانی شخصیت اہلیا بانی جی کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی
 نہ سمجھو کہ یہاں کا مزاح پاٹ مہاراج مالی راؤ جی کے ہاتھ میں ہے چنانچہ کوئی
 ایسا شخص جس کو مالی راؤ جی کا اعتماد حاصل ہو مزاح بھون میں نہیں رہ سکتا۔
 مہاراج مالی راؤ سے نہ بگاڑو نہ پچھتاؤ گے۔“

پربھاکر نے جواب دیا: ”دوا کا جی! میں تو کسی سے بگاڑ کا قائل ہی نہیں۔
 مہاراج مالی راؤ جی خود ہی باطن ہو گئے مجھ سے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مزاح بھون
 میں طاقت کا توازن کس کے ہاتھ میں ہے۔ میں تو یہاں مالی راؤ جی کی خدمت ہی
 کرنے آیا تھا لیکن میری دُعا، میری بات، میری دشمن بن گئی ہیں۔ میری سمجھ میں
 نہیں آتا کہ میں خود کو اس ماحول میں کس طرح برقرار رکھوں؟“

دوا کا نے کہا: ”مہاراج مالی راؤ جی اپنے کیے پر شرمندہ ہیں اور وہ تم
 سے اسی وقت ملنا چاہتے ہیں۔“

پربھاکر اسی وقت دوا کا کے ساتھ مالی راؤ کے پاس چل دیا۔
 ”مالی راؤ کا رتھ مزاح بھون کے اندر ہی مالی راؤ کی رہائش گاہ کے سامنے

کھڑا تھا۔ مالی راؤ رتھ پر بیٹھا، ان دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔ مالی راؤ کے قدموں
 میں ایک کھانچا تھا جس میں چھوٹا سا شراب کا ٹٹکا رکھا تھا اور اس کی ہلکی
 ہلکی بو تھنوں میں داخل ہو کر مست و سرشار کر رہی تھی۔ وہ پربھاکر کو دیکھتے
 ہی رتھ سے اتر پڑا اور ہنستے ہوئے پوچھا: ”پربھاکر جی! کیا تم واقعی مجھ سے ناراض
 ہو گئے تھے؟ یا کوئی بات تھی؟“

پربھاکر نے جواب دیا: ”مالک! بھلا کوئی چاکر اپنے مالک سے ناراض
 ہو سکتا ہے۔“

مالی راؤ نے فوراً اُچھ بدل دیا۔ طعن و طنز سے کہا: ”واہ پربھاکر جی! میں
 نے تو تمہاری گردن دلوچ کی تھی، تمہاری گڈی پر اس وقت بھی میری انگلیوں
 کے نشان موجود ہوں گے اور تم اتنے بے غیرت ہو کہ مجھ سے ناراض تک نہیں
 ہوتے، اب بھی بے شری سے یہی کہہ رہے ہو کہ بھلا کوئی چاکر اپنے مالک
 سے ناراض ہو سکتا ہے۔“

سے کہا: ”آپ دونوں میرے پیچھے چلے آئیں۔ یہ تہہ خانہ ہے، پورے مندر سے الگ تھلگ ایک خفیہ رہائش گاہ“۔

اس کے بعد ہر دہت سیڑھیوں کے ذریعے تہہ خانے میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے یہ دونوں بھی وہیں پہنچ گئے۔ اندر تہہ خانے میں سرسوں کے تیل سے دیے روشن تھے، وہاں ان کے سامنے ایک شاندار کمرا موجود تھا کمرے کے بیچوں بیچ ایک بزرگا ہوا تھا اور پوری فضا خوشبو سے مہک رہی تھی۔

مالی راؤ نے پوچھا: ”ہر دہت جی! رجنی کانت کہاں ہے؟“
ہر دہت نے گتھی سہلاتے ہوئے جواب دیا: ”مہاراج! وہ بھی آجائے گی، پر آپ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔“

مالی راؤ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا: ”ہر دہت جی! نچنت دے بے فکر، راجہ وعدہ کیا ہے تو پورا بھی کر دوں گا۔ کل راجہ بھون پہنچ جانا، وعدہ پورا کر دوں گا!“
ہر دہت کو کچھ سمجھ رہا تھا، کچھ نہیں سمجھ رہا تھا۔ تہہ خانے میں سبھی سچائے بستر اور خلوت کی موجودگی میں رجنی کانت کا ذکر، ہر دہت کو سب کچھ سمجھ گیا تھا، اگر اس کو پہلے سے یہ معلوم ہوتا کہ مالی راؤ بڑے ارادوں سے مندر رجا رہا ہے تو وہ ہرگز ساتھ نہ آتا۔

ہر دہت کرنے مالی راؤ سے اجازت مانگی: ”مہاراج! مجھ کو درکار کے پاس جانے کی اجازت دیجیے۔“

مالی راؤ نے ہر دہت کو حکم دیا: ”راجہ کانت کو فوراً بھیج دے کیونکہ میں اب اور صبر نہیں کر سکتا۔“ پھر ہر دہت سے کہا: ”تو کچھ دیر خاموش بیٹھا رہ۔ میں رجنی کانت کو ہمیں بلاتے لیتا ہوں، تیرا جھوٹا سچ ابھی کھل جائے گا۔“
ہر دہت کو کچھ سمجھ گیا لیکن اپنے خوف کو دباتے رکھا۔ چہرے پر حرکات و سکنات سے اس کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔

ہر دہت چلا گیا اور کچھ دیر رجنی کانت کے ساتھ واپس آ گیا، رجنی کانت بولت سے لری پھندی ان دونوں کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ ہر دہت نے ہر دہت سے کہا: ”اب تو یہاں تک کر کیا کرے گا۔ میرے ساتھ باہر چلے!“

لیکن مالی راؤ نے ہر دہت کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: ”میں نہیں ہر دہت جی! یہ ابھی میں میرے پاس رہے گا تم جا سکتے ہو۔“

ہر دہت نے مالی راؤ کو دیکھ کر دوار کا ادھر پر بھاگ کر ہر سوالیہ نظر ڈالی۔ مالی راؤ اس کا مطلب سمجھ گیا، بولا: ”ہر دہت جی! ان دونوں سے مت ڈرو، دونوں ہی اپنے خاص آدمی ہیں۔“

ہر دہت نے شراب کا مٹکا دوار کے ہاتھوں میں دے دیا اور خود آگے آگے رہنمائی کرتا ہوا مندر کے اندر داخل ہو گیا۔ ہر دہت نے مندر کے آخری سرے پر رکھی ہوئی بڑی موڑتی کے عقب میں کھڑے ہو کر ہاتھ کے اشارے سے مالی راؤ کو اپنے پاس بلایا۔ مالی راؤ اس کے پاس پہنچ گیا۔ ہر دہت نے مالی راؤ کو کھڑک کے مندر کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور مالی راؤ کے پاس دوبارہ پہنچ کر کہا: ”مہاراج! اپنے دونوں آدمیوں کو باہر بھیج دیجئے کیونکہ انہیں زیادہ اعتماد میں لینا کسی طرح مناسب نہیں۔“

مالی راؤ نے دوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”یہ مجھ سے دور رہے گا۔“ پھر ہر دہت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”ادھر یہ یعنی ہر دہت جی، میرے ساتھ میرے پاس رہیں گے کیونکہ اس دروہدان و دبا ہتی کی ہر جگہ ضرورت رہتی ہے۔“

ہر دہت نے پوچھا: ”کیا دوار کا جی کو مندر سے نکال دیا جائے؟“
مالی راؤ نے جواب دیا: ”ہاں، بالکل۔“

ہر دہت نے دوار کے شراب کا مٹکا لے لیا اور اس کو باہر نکال دیا۔ اب مندر کی ماحم روشنی میں ہر دہت جی، مالی راؤ اور ہر دہت کو آسیدی سالیوں کی طرح ایک دوسرے کے آس پاس کھڑے کچھ سوچ رہے تھے۔ پھر ہر دہت ہاتھ کے اشارے سے مالی راؤ کو ایک طرف لے گیا، بولا: ”مہاراج! اب میں کیا کروں؟ اندر نیچے تہہ خانے میں رجنی کانت آپ کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔ میں آپ کو ہر دہت کی موجودگی میں وہاں تک کس طرح پہنچاؤں؟ مالی راؤ نے سرسری نظروں سے ہر دہت کو دیکھ کر ہر دہت کے کان میں کہا: ”ہر دہت جی! میں اس بددماغ اور مغرور لڑکھن کو کچھ دیر کے لیے اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا ہوں اس کے بعد یہ مجھ سے جھگڑا ہو جائے تو کوئی قلق نہ ہوگا۔“

ہر دہت نے شراب کا مٹکا اپنے کانٹھے پر رکھا اور مالی راؤ اور ہر دہت

رجنی کانت پر بھاکر سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ مانی رات سے کہا۔ ”مہاراج! اس کو چلا جانے دو! مد نہ یہ ابھی عقل کی باتیں شروع کر دے گا!“
 پر بھاکر کا خیال تھا کہ رجنی کانت اس کی موجودگی سے پشیمان بھی ہوگی اور گھبرائے گی بھی لیکن اس بات نے اس کو رجنی کانت کی طرف سے بہت مایوس کر دیا۔
 مانی رات نے جاتے ہوئے پر وہمت سے کہا۔ ”کیا آلات دے کشی یہاں مل جائیں گے؟“

پر وہمت نے جواب دیا۔ ”مہاراج! یہاں سب کچھ مل جاتے گا۔“ پھر سچ کے سرمانے کو نے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”وہاں اس کو نے میں ہر وہ چیز موجود ہے جس کی مہاراج کو ضرورت ہوگی!“

مانی رات نے کو نے کی طرف دیکھا تو وہاں سب کچھ رکھا نظر آیا۔ پر وہمت چلا گیا۔ پر بھاکر کو وحشت محسوس ہونے لگی۔ مانی رات نے شوخ و منہر بن کر اس سے پر بھاکر کی طرف دیکھا اور رجنی کانت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا، پوچھا۔ ”رجنی کانت! ہم دونوں یہاں کیوں اکٹھا ہوتے ہیں؟ کیا تو جانتی ہے؟“

رجنی کانت نے نکمبھوں سے پر بھاکر کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔ ”مہاراج میں شیوجی کی داسی ہوں، مجھ کو پر وہمت جی نے جب یہ بتایا کہ آپ شیوجی کے اوتار ہیں تو میں ہنسی خوشی آپ کے چرنوں میں آگئی!“

ابھی تک پر بھاکر کا یہ خیال تھا کہ رجنی کانت اس کا لحاظ کرے گی، اس کا موجودگی میں سترائے گی، چپکائے گی لیکن اس جواب نے پر بھاکر کو عورت کی طرف سے بالکل ہی باطن کر دیا۔ وہ ٹرپ کر کھڑا ہو گیا اور رجنی کانت سے کہہ ”رجنی کانت! اس مندر کا پر وہمت بھی عجیب و غریب انسان ہے۔ شاید یہ بات سمجھ بھی یاد ہوگی کہ یہ پر وہمت ایک دن مجھے بھی شیوجی کا اوتار کہہ چکا ہے اور تو نے اس کی تائید کی تھی!“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”لیکن پر بھاکر جی! میں نے اس سے انکار تو نہیں کیا، شیوجی ایک ہی وقت میں کئی کئی اور ارب بیج سکتے ہیں، میں تمہیں کچھ شیوجی کا اوتار ہی سمجھتی ہوں۔“
 مانی رات نے رجنی کانت سے کہا۔ ”رجنی کانت! جب سے میں نے تمہیں کہ

دیکھا ہے اپنے سینے میں ہر وقت ایک ہلچل سی محسوس کرتا رہا ہوں۔“ پھر ہنس کر پر بھاکر کی طرف دیکھا اور رجنی کانت سے کہا۔ ”یہ دھواں اور دھواں پتی معلوم نہیں کیوں ہم دونوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ یہ راج بھون میں میرے پیچھے پڑا رہتا ہے اور مٹتا ہوں یہاں تیرے کان کھاتا رہتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟“
 رجنی کانت نے پر بھاکر کی وکالت کی، بولی۔ ”مہاراج! یہ میرے پاس کئی بار آچکا ہے لیکن یہ جب بھی آیا ہمارے اہم نصیحتیں کر کے چلا گیا۔ ابھی آخر میں جب یہ مجھ سے ملا تھا تو میری کونھری میں مجھ سے باتیں کر رہا تھا کہ پر وہمت اور اس کے چیلوں نے ہمیں گھیر لیا اور پر بھاکر کو ذلیل در سوا کر کے مندر سے نکال دیا۔ بہر حال۔۔۔۔۔“

مانی رات نے اندر اہم اثرات پر بھاکر سے کہا۔ ”پر بھاکر جی! آج تم مجھے سچ سچ یہ بتاؤ کہ عورت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تمہاری اصل رائے!“

پر بھاکر نے مشکل ایک نظر رجنی کانت پر ڈالی جو مانی رات کی پنہا میں سمٹی ہوئی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ پر بھاکر رجنی کانت کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔ اپنی جلی کٹی لٹے کا بر ملا اظہار کر دیا۔ ”مہاراج! جیسا کہ میں کبھی پہلے بھی یہ بتا چکا ہوں کہ عورت ذات پر احمق اور سادہ لوگ ہی اعتبار کر سکتے ہیں ورنہ اس سے زیادہ چلن باز اور فزبی شاہی کوئی اور جنس ہو۔“

رجنی کانت تلما کر سمجھی ہو گئی اور پر بھاکر کو دیکھنے لگی۔
 مانی رات نے حفا اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”تو پر بھاکر جی! یہ عورت ذات بالکل اچھی نہیں ہوتی؟“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ مہاراج! آپ نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں رجنی کانت کے سامنے عورت ذات کی پول پٹی بیان کر دوں۔“

رجنی کانت نے تلما کر پر بھاکر کی طرف دیکھا اور نظروں ہی نظروں میں النبا کی کہ وہ عورت کی ذات کو غفلوں اور غفلوں کے زخم نہ لگائے لیکن پر بھاکر کا دل رد نہ اٹھا، رجنی کانت نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔

مالی راؤ نے اس کو چپ دیکھ کر کہا: ”ہاں، پر بھاکر جی! تم چپ کیوں ہو گئے؟
کہو، کہو، عورت ذات کی پول ہی بیان کرو۔“

پر بھاکر کی آواز بھر آگئی تھی، بولا: ”مہاراج! عورت کی سب سے بڑی
خرابی یہ ہے کہ اس میں استقلال نہیں ہوتا، اس کی طبیعت میں تلون، سمندر کی موج
کی طرح ہوتا ہے جو کبھی آگے بڑھتی ہیں کبھی پیچھے ہٹ جاتی ہیں، اس کے جذبات
بے ثبات ہوتے ہیں، بالکل شفق کے رنگوں کی طرح، لمحہ بہ لمحہ کچھ سے کچھ ہو
جانے والے“ اس کی آواز گھٹتی چلی گئی یہاں تک کہ اس نے بمشکل رو تے ہوئے
کہا: ”اور مہاراج! آپ راج پاٹ کے مانگ ہیں اور پردہ ہٹنے آپ کو شادی
کا اقرار کر دے دیا ہے اس لئے ہو سکتا ہے آپ اس پر خوش ہوں اور ناگوار ہے
ہوں کہ آپ نے رجنی کانت جیسی مہ پادہ کو باسانی حاصل کر لیا ہے اور اس وقت
جب خود رجنی کانت بھی ہنسی خوشی آپ کو شادی کا اقرار سمجھ کر آپ کے دل
سے لگ کر بیٹھ گئی آپ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہے ہیں تو
یہ آئندہ چل کر محض آپ کی خوش فہمی بھی ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ عورت کے
بابے میں برائوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جب اس کی غنا پوری ہو جاتی ہے اور
کوئی شخص اس کے کام کا نہیں رہتا تو یہ اس سے بڑی بے رحمی سے کنارہ کشی
اختیار کر لیتی ہے، اس لباس کی طرح جس کو پہنانا اور ناپسندیدہ قرار دے کر
گھورے پر چھینک دیا گیا ہو۔“

رجنی کانت تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے مالی راؤ کی پردہ کیے بغیر
پر بھاکر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بولی: ”بس کمزور پر بھاکر جی! اب اور ذلیل نہ کرو
جس جانتی ہوں کہ سبکدوان نے تمہیں دبا پختی، گبیانی اور دھواں بنا لیا ہے۔
اس سنسار میں عورت کے علاوہ کبھی کچھ ہے، اپنی عقل اور علم کو اس پر
کیوں نہیں خرچ کرتے؟“

مالی راؤ نے غصے میں رجنی کانت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور پر بھاکر کو
ڈانٹ دیا: ”پر بھاکر جی! یہ تم آپ سے باہر کیوں ہوئے جا رہے ہو؟ رجنی
کانت میری محبوبہ ہے اور میں اس کی بے عزتی گوارا نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں
قتل کر سکتا ہوں۔“

رجنی کانت نے مالی راؤ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بولی: ”کیا مصیبت

ہے؟ یہ مندر کا تہہ خانہ ہے یا نہ کہ (جہنم) یہ تم دونوں کو ہو کیا گیا ہے؟“ مالی
راؤ نے کہا: ”مہاراج! پر بھاکر جی جذباتی آدمی ہیں، مجھ کو نہیں معلوم کہ میرے
رے میں کس طرح سوچتے ہیں۔ کیا ان حالات میں یہ بہتر نہیں ہے کہ انہیں
پر بھیج دیا جاتے؟“

اس کے بعد اس نے پر بھاکر کو بڑی محبت کی نظروں سے دیکھا ان نظروں
میں محبت کے ساتھ اتنی بھی تھی۔

مالی راؤ نے جواب دیا: ”رجنی کانت میں پر بھاکر کو اپنے ساتھ اس لئے
پانچا کر اس کی عالمانہ اور عقائد باتوں سے تمہیں خوش کر دوں لیکن اس
نے تو ہم دونوں ہی کو اداس اور غمزدہ کر دیا۔ اس لیے اب اس کا یہاں سے
ہاجانا ہی بہتر ہے۔“

رجنی کانت، پر بھاکر سے بہت زیادہ متاثر تھی۔ اس نے ایک سرد
ہ بھری اور کہا: ”امنوس کہ میں پر بھاکر جی کی عالمانہ اور عقائد باتوں سے
بچہ دیر کے لئے محروم رہوں گی۔“

پر بھاکر کو اپنے شانوں پر سر دبال دوش محسوس ہو رہا تھا، بولا: ”رجنی
انت! امنوس کہ اب تو سر دہا سبھ رہی ہے، بہتہ نہیں یہ ٹھنڈی سانس کس کے
لیے تھی لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں، تیرا پہلا مطلوب پردہ ہٹ رہا ہے، دوسرا
تو طلب تیری بنیاد میں ہے، تیسرے کا مجھے علم نہیں، ہو سکتا ہے وہ میں میری
انت ہو اور تو نے ٹھنڈی سانس میرے ہی لیے بھری ہو؟“ اس کے بعد وہ
یک دم مالی راؤ سے مخاطب ہو گیا، بولا: ”مہاراج! اگر میں اپنے عقلی تجربے میں
اعلیٰ نہیں کر رہا اور میرے اندازے بالکل درست ہیں تو عورت ذات کے متعلق
میں یہ عجیب و غریب انکشاف کر رہا ہوں کہ عورت کو ذہن کسی اور کی ہوتی ہے،
ناؤ سے پیار کسی اور سے کرتی ہے لیکن ٹھنڈی سانس کسی تیسرے کے لئے
بھرتی ہے۔“

مالی راؤ نے طنزاً پوچھا: ”تو تم خوش فہمی سے یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ رجنی
انت نے سر دہا تمہارے لیے بھری تھی؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”مہاراج! میں نے یہ نہیں کہا کہ رجنی کانت نے
میرے لیے ٹھنڈی سانس سبھری تھی، شاید میں اپنے دل کی بات صحیح طور سے

کہہ نہیں سکا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ عورت وہ عجیب و غریب شے ہے جو کسی ایک سے تو باتیں کرتی ہے دوسرے کو اضطراب کی نظروں سے دیکھتی ہے اور اس کا دھیان ہوتا ہے کسی تیسرے کی طرف، جس کو وہ دل ہی دل میں رہتے رہتی ہے۔ پھر ٹھنڈی سانس بکھر کر بولا۔ ”مگر کچھ پتہ نہیں کہ وہ کون ہے جسے عورت دل سے چاہتی ہے؟“

مالی راضی محسوس کر لیا کہ اگر پر بھاکر کچھ دیر اور رکا رہا اور یوں ہی باتیں کرتا رہا تو رجنی کانت کی حالت غیر ہو جائے گی اور پر بھاکر اپنی بڑا اثر باتوں سے رجنی کانت کا دل جیت لے گا۔ اس نے پر بھاکر کو حکم دیا کہ ”تم فوراً باہر دروازے کے پاس چلے جاؤ اور وہیں میرا انتظار کرو۔“

پر بھاکر دل شکستہ اور قدم لمبزیدہ، مست و مخمور مٹرائی کی طرح تہہ خانے سے نکل کر دروازے کے پاس چلا گیا۔ بے بسی اور جمجھوری کے متحرک مگر بے جان مجسمے کی طرح۔ دروازے کو اس کے سننے اور مرچھلنے ہوئے جہرے سے پریشہ گزرا کہ مالی راضی نے اس کی کسی بات سے ناراض ہو کر کوئی بھیا ننگ اور مدوح فرسا فیصلہ سنا دیا ہے۔ اس نے تسلی دی کہا۔ ”پر بھاکر جی! شانت رہو، صبر کرو، تم بد قسمت انسان ہو، تمہیں عقل اور علم کی دولت تو بہت زیادہ مل گئی ہے لیکن اس سے کام لینے کا سلیقہ نہیں ملا۔ اگر مہاراج نے تمہارے بارے میں کوئی تکلیف دہ فیصلہ سنا دیا ہے تو میں انہیں فیصلہ بدل دینے پر آمادہ کروں گا، تم مست پریشان ہو۔“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”نہیں دروازے کا جی! ایسی کوئی بات نہیں۔“ پھر مہر پر کوہ بیٹھ گیا، بولا۔ ”دوار کا جی! میں بہت دکھی انسان ہوں، بہت ہی غمزدہ، میرے لیے گیان، وقار اور بڑھئی کی افراط مصیبت بن گئی ہے۔ اسے کاش میں نادان ہوتا تو بہت خوش ہوتا۔“

لیکن دروازے کا اس کی باتیں نہیں سمجھ سکا۔ وہ پر بھاکر کی صورت ہی دیکھتا رہ گیا۔

پر بھاکر کے چلے جانے کے بعد مالی راضی نے رجنی کانت کو اپنے پاس بٹھایا۔ اور پر بھاکر کے امتزاج کو زائل کرنے کی کوشش میں بولا۔ ”رجنی کانت! تو نے پر بھاکر کی باتیں سنیں یہ کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتا، یہ عورت سے اس لئے

ناخوش ہے کہ یہ اپنی ذہریلی باتوں کی وجہ سے کسی عورت کا دل نہیں جیت سکا۔ میں راج بھون واپس جا کر اس کو بدتر میں سزا دوں گا۔ اس نے تیرا دل دکھایا ہے اس نے ناقابل معافی جرم کیا ہے۔ میں اس کو معاف نہیں کروں گا۔“

لیکن رجنی کانت نے اس کی سفارش کی، بولی۔ ”مہاراج! اس کو معاف کر دو، اس کے سر کی ہڈی کے نیچے میں جو قیمتی چیز موجود ہے اگر وہ کسی طرح برباد ہوگئی تو سنا سنا اس سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے گا۔“

مالی راضی نے آلات سے کشتی رجنی کانت کے حوالے کیے اور پھر دونوں ہی نے تہہ خانے کی فضا کے سوا سب کچھ فراموش کر دیا، سب کچھ بھلا دیا۔

راج بھون سے دور، مقدس باحول کے تہہ خانے میں جو کچھ ہو رہا تھا اہلیا بائی اس کی بابت سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ وہ اپنے راج بھون کے مندر میں شیدو جی کی مورتی سے یہ درخواست کر رہی تھی کہ ”بے شبہ جی! میرے مالی راضی پر رحم کرو اور اس کو کام کا بنا دو۔“

رات گئے مالی راضی پر بھاکر اور دروازے کے ساتھ واپس آنے کے لئے مندر سے باہر نکلا تو پر دہشت نے مالی راضی کا راستہ روک لیا۔ وہ فکر مند اور غیر مطمئن تھا۔ اس نے ایک بار پھر مالی راضی کو اس کا وعدہ یاد دلایا۔ ”مہاراج کل میں کس وقت آؤں؟“ مالی راضی نے بے غمی سے جواب دیا۔ ”سہ پہر کو۔ پر دہشت جی! سونے چاندی کالو مجھ من سے نکال دو۔ ویسے میں اپنا وعدہ پورا کر دوں گا۔“

مالی راضی اپنے رشتہ پر جا بیٹھا، دروازے پر بھاکر کو دوسرے رشتہ پر چلے گئے۔ پر بھاکر کی نظر میں مندر کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ رجنی کانت کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ بہت اداس اور مایوس تھا۔ دل سے جینے کی خواہش رخصت ہوگئی تھی۔ وہ مالی راضی سے ذرا بھی غمزدہ نہ تھا۔ اب وہ مالی راضی کی چاکری سے بھی بیزار ہو چکا تھا۔

اس وقت مالی راضی بڑی تنگ میں تھا۔ اس کا رتھ آگے تھا۔ اس نے رتھ بان سے گھنٹہ کے داس اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اس کی جگہ جا بیٹھا۔ اس نے گھنٹہ کے رتھار کم کر دی یہاں تک کہ پر بھاکر کے رتھ کو اپنے رتھ کے برابر آ جانے کا موقع دیا جب دونوں رتھ برابر آ گئے تو مالی راضی نے پر بھاکر کو چھیڑا۔ ”پر بھاکر جی! تم نے اپنے حسد کا جس طرح اظہار کیا تھا، میں اس پر تمہیں قتل کر سکتا

تھا لیکن انہوں نے کہ رجنی کا منت نے سفارش کر دی کہ میں تمہیں معاف کر دوں۔
 پر بھاکر نے کہا: ”مہاراج! تم مجھے قتل کر دو۔ میں زندگی سے بیزار ہوں اور
 اگر تم مجھے قتل نہیں کر سکتے تو مجھے چاکری سے نکال دو۔ کیونکہ جس راج میں غور
 کی بات پر عمل کیا جا رہا ہو، وہاں کسی دھمکان کا رہنا ذلت ہے۔“

مالی راج نے کہا: ”چندر دن صبر کرو پر بھاکر جی۔ بس چند دن اور میں
 رجنی کا منت کو اپنے راج بھون میں لانا چاہتا ہوں۔ جس دن وہ میرے پاس
 آجائے گی میں تجھ کو اپنے راج پاٹے ڈر کر دوں گا۔“
 کچھ دیر بعد دو دن بعد راج بھون میں داخل ہو گئے۔ اہلیا بائی کھڑکی
 سے دونوں رتھوں کو داخل ہونے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل لرز رہا تھا۔ ماؤ
 راج نے پر بھاکر کو حکم دیا۔

”پر بھاکر! تم میری ماں کے پاس نہیں جاؤ گے، اگر وہ بلائے تب بھی
 نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے ترکش میں ایک تیراں دقت بھی ہے۔ تم میری
 ماں سے وہ باتیں کہہ دو گے جنہیں نہیں کہنا چاہیے۔“

پر بھاکر کو فی جواب دیے بغیر رتھ سے اتر کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس
 نے اپنے بستر پر گر کر بڑی دیر تک سوئے کی کوشش کی۔ لیکن نیند کا کہیں پہنچ
 نہ تھا۔ وہ تصور میں رجنی کا منت کو اپنے سامنے کھڑا کر کے شکایتیں کرنا چاہتا تھا
 اول تو رجنی کا منت کا خیالی پیکر آنے سے ہچکچا رہا تھا اور اگر چند ثانیوں کے لئے
 آتا بھی تو شوشی سے پر بھاکر کا منہ پڑا کر غائب ہو جاتا۔ بستر پر بھاکر کو درد
 دے رہا تھا۔

رات کے پچھلے پہر راج بھون کے مندر میں اہلیا بائی نے پر بھاکر کو طلب
 کر لیا۔ اس وقت اہلیا بائی کی آنکھوں سے غم ٹپک رہا تھا۔ وہ شیشو جی کی موٹی
 سامنے دوزانو بیٹھی تھی پر بھاکر کو اشارے سے حکم دیا کہ اس کی طرح وہ بھی شیشو
 کے سامنے دوزانو بیٹھ جائے۔

پر بھاکر نے حکم کی تعمیل کی۔ اہلیا بائی نے شیشو جی سے کہا: ”شیدو جی! یہ
 تم نے مجھے لڑکا دیا ہے یا شیطان۔ میں مالی راج سے تنگ آ گئی ہوں۔ اگر میرے
 دکھ کا ختم نہ اپنے نہیں کیا تو ہم دونوں میں سے کسی ایک کو بیم دیو (ملک الموت)
 کے حوالے کر دو، مجھ کو یا مالی راج کو۔“

پر بھاکر اہلیا بائی کی درد مندانہ درخواست سے تڑپ گیا، کیونکہ اس سے
 اس کا اپنا زخم ہرا ہو گیا تھا۔

اہلیا بائی نے اچانک پر بھاکر سے پوچھا: ”پر بھاکر! تو ماؤ راج کا خاندان کا
 عقلمند اور ایسا مندر جو ان ہے بیچ بننا یہ مالی راج کہاں گیا تھا؟“

پر بھاکر نے مالی راج کے خوف سے اپنے آس پاس اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔
 اس کو ایسا لگ رہا تھا گویا مالی راج اس کے پیچھے کھڑا قہر کی نظروں سے گھور رہا
 ہے۔ وہ خاموش رہا اور رحم طلب نظروں سے اہلیا بائی کو دیکھ کر سر جھکا لیا۔

اہلیا بائی نے بردعا دی: ”پر بھاکر! اگر تو خاموش رہا تو میں تجھے ایسا لکڑ
 (بردعا، دون کی کتو جنم جنم غلاب جھیلنا رہے گا۔“

پر بھاکر گھر آیا اور اس نے سب کچھ بتا دیا۔ آخر میں کہا: ”رائی جی! شیشو جی
 کی داسی رجنی کا منت کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اب میں
 اپنی چاکری چھوڑنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی جائے۔“

اہلیا بائی نے اپنا سر پیٹ لیا۔ ”شیشو جی! تم خاموش کیوں ہو؟ اب مالی راج
 اتنا کر گیا ہے کہ تمہاری داسی تک تو نہیں بخشنا۔“

پر بھاکر نے اہلیا بائی کے پاؤں پکڑ لئے: ”مقدس خاتون! مجھے معاف کر دیں
 میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں۔“

اہلیا بائی نے شفقت سے پر بھاکر کے سر پر ہاتھ پھیرا، پوچھا: ”یہ پروہت
 کیسا آدمی ہے جو مندر میں ایسا پاپ کر رہا ہے؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”مہاراجی جی! اس کو سونے چاندی کی لو بھرنے
 اندھا کر دیا ہے۔“

اہلیا بائی نے پروہت کو بردعا دی: ”بھگوان! اسے غارت کر دیں۔“
 اس کے بعد اہلیا بائی نے پر بھاکر کو تسلی دی۔ سمجھایا: ”پر بھاکر! تو

دو دھوان ہے، میں جانتی ہوں کہ تو ذلتوں کے بیچ میں زبردستی رہ رہا ہے۔ تو
 گیا ہے مگر جالتوں میں رہنے پر مجبور ہے تو اگیا نہ ہے نہ کہ میں لسا دیا گیا ہے لیکن

تو چند دن صبر کرو۔ میں اس جہالت کے راج بھون سے ویدیا اور گیان کے سودر پر کو
 کسی حال میں نہیں جانے دوں گی۔“

پر بھاکر نے درخواست کی: ”مقدس خاتون! اب میں یہاں ایک ہی منظر
 ۱۳۵

پہرہ سکتا ہوں، تم مالی راؤ کو منہ جانے سے روک دو گی۔ میں شیوجی کی
و اسی رجی کانت کی آمد واپال ہوتے نہیں دیکھ سکتا اگر پھر ایسا ہوا تو میں
اپنی جان دے دوں گا۔ کیونکہ میں مندر کی حرور میں اتنا بڑا پاپ برداشت
نہیں کر سکتا۔“

اہلیا بانی نے رقت سے جواب دیا: ”پر بھاکر، میں وعدہ تو نہیں کروں گی لیکن
کوشش کروں گی کہ مالی راؤ کو اس کے شیطانی کاموں سے روک دوں۔“

کچھ دیر بعد دونوں شیوجی کے سامنے سے ہٹ کر ایک گوشے میں چلے
گئے۔ وہاں اہلیا بانی نے ایک بار پھر وہ تفصیل سنی جو پر بھاکر مندر میں دیکھ آیا
تھا۔ اہلیا بانی کا چہرہ نرود بڑ گیا۔ وہ کانپ گئی۔ بولی۔ ”پتہ نہیں، مالی راؤ کے پاپ
کی ہمیں کیا سزا ملے؟“

دونوں جیسے ہی مندر سے نکلے، دروازے کے باہر کسی نے ان دونوں کو
روک لیا۔ اندھیرے میں روکنے والے کو پہچانا نہیں جاسکا۔ اہلیا بانی نے سختی سے
کہا: ”تم کون ہو گستاخ؟ میرا دستہ چھوڑ دو ورنہ سزا بھگتو گے۔“

لیکن راستہ بدکنے والا کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ یہ مالی راؤ مستحاجو
پر بھاکر اور اہلیا بانی کی باتیں سن چکا تھا۔ وحشیانہ فہم نگایا اور کہا: ”ماں جی!
میں یہاں کالاجہ ہوں اور اندور کی ہر چیز پر میری حکومت ہے۔ میرا ہر فعل اور
ہر لفظ قانون ہے۔ میرے معاملات میں تم سمیت کوئی بھی دخل نہیں دے سکتا
یہ میری دلتے نہیں میرا حکم ہے اور اس حکم کی تعمیل تم بھی اسی طرح کرو گی جس
طرح دوسرے عام و خاص کرتے ہیں۔“

اہلیا بانی اپنی اہانت برداشت نہ کر سکی، مشتعل ہو کر بولی: ”مالی راؤ! تو
سانپ ہے، میں تجھے ایسا سراپ دوں گی کہ تو زندگی بھر پریشان رہے گا اور بعد
میں کئی جنم دکھ جھیلے گا۔“

مالی راؤ نے غصے سے کہا: ”کوئی پرہاہ نہیں، میں تمہارے سراپ کو بھی دیکھ
لوں گا۔“ پھر پر بھاکر سے کہا: ”اولاچی اور موقع پرست ماہ دھجٹا۔ کیا میں نے
تجھے منع نہیں کیا تھا کہ تو میری ماں سے نہیں ملے گا۔“

مالی راؤ دونوں کو برا بھلا کہتا چلا گیا۔ پر بھاکر نے اہلیا بانی سے کہا: ”حق میں
خاتون! اب کیا ہو گا؟“

اہلیا بانی بہت شرمندہ تھی، خفت مٹانے کے لئے بولی: ”کچھ بھی نہیں
کہے فکر رہ، میں بہت جلد اس کا علاج کر دوں گی۔“
دونوں بوجھل قدموں سے اپنی اپنی رہائش گاہوں میں چلے گئے۔ لیکن
خوف اور دھڑکوں کے ساتھ۔ اہلیا بانی مالی راؤ کو سدھارنے کے منصوبے اور
تدبیریں سوچنے لگی۔ پر بھاکر اپنے حشر کا اندازہ لگا رہا تھا۔

* * *
ابھی وہ سو کر بھی نہیں اٹھا تھا کہ رجی کانت اور پردھت مرتھ میں سوار
راج بھون میں داخل ہوتے۔ دونوں کا پہلا آنا سامنا پر بھاکر ہی سے ہوا۔
پردھت تو بہت خوش تھا مگر رجی کانت شرمندہ تھی۔ وہ پر بھاکر سے نظریں
نہیں ملا رہی تھی۔ پر بھاکر نے نفرت اور غصے کے باوجود رجی کانت کو پھر شرفی
نظروں سے دیکھا۔ رجی کانت نے پر بھاکر سے شکایت نہ کہا۔ ”پر بھاکر جی!
کل خوب خوب ذلیل کیا تم نے؟ کہہ دوں گی بھڑاس نکالنے کے بعد تمہیں نیند تو
بہت اچھی آئی ہو گی۔“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”رجی کانت! میں نے تمہیں ذلیل نہیں کیا تھا۔
بلکہ سچی باتیں بتائی تھیں۔ افسوس کہ تم پاپ کم کے بھی شرمندہ نہیں۔ اب میں یہ
سدھنا ہوں کہ کل میں نے جو کچھ غصے میں کہا تھا، درست تھا اور مجھ کو اس پر
شرمندہ نہیں ہونا چاہیے۔“

رجی کانت نے کہا: ”میں تمہیں شرمندہ کرنے نہیں آئی ہوں۔ پردھت
جی تنہا آپ سے تھے مگر میں ان کے ساتھ نہ رہ سکتی آگئی۔ صرف اس لئے کہ مالی راؤ
کہیں تمہیں قتل نہ کر دے۔“

پر بھاکر نے کہا: ”رجی کانت! تمہارا شکریہ۔ لیکن میں موت سے نہیں
ڈرتا۔ اگر تم میری زندگی کے لئے یہاں آتی ہو تو واپس چلی جاؤ۔ میں تمہاری سازش
کے عوض زندہ رہنا پسند نہیں کروں گا۔“

لیکن رجی کانت نے اس کی بات نہیں مانی، بولی: ”اس معاملے میں میں
تمہاری بات نہیں مانوں گی۔ میں بدھی، گیان اور دھرم کو غصے کی نذر نہیں ہونے
دوں گی۔ پر بھاکر جی! میں تمہاری عزت کرتی ہوں، تم میری عزت کم دیا نہ کر دو۔“

راج بھون میں مالی راؤ اور رجنی کانت کے ہوس انگیز عشق کی کہانی کسی حد تک مشہور ہو چکی تھی۔ بھون کی داسیاں اور داس پرودہت اور رجنی کانت کے ارگرد کھیلوں کی طرح منڈلانے لگے۔ مالی راؤ ان کی آمد سے بے خبر تھا لیکن اس کی جیسے ہی یہ خبر ملی وہ ان کے پاس خود ہی پہنچ گیا۔ اس نے پرودہت کو خشکیوں نظروں سے دیکھا بولا۔ ”پرودہت جی! میں نے تمہیں سہ پہر کو بلایا تھا۔“

پرودہت نے جواب دیا۔ ”مجھ کو یاد ہے، لیکن اس وقت میں وعدہ کرنا یاد دہانی کرانے آیا ہوں۔“

مالی راؤ نے رجنی کانت سے پوچھا۔ ”اور تم۔ تم کیوں آتی ہو؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”تم نے پرہکاکر کی بابت کیا فیصلہ کیا؟“

مہاراجؑ

مالی راؤ نے کہا۔ ”ابھی تو کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن آج فیصلہ ضرور کروں گا۔“

رجنی کانت نے کہا۔ ”مہاراج! اگر تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ ہے تو میں اس کا واسطہ دے کر یہ بنتی کر دوں گی کہ پرہکاکر جی کو معاف کر دیا جائے۔ مالی راؤ کوئی جواب دینے کے بجائے ان دونوں کو اپنے ساتھ اپنے دیوان خانہ میں لے گیا۔ وہاں اس نے پرودہت کی ایک بار پھر خبر لی بولا۔

”پرودہت جی! بتاؤ تو سہی تمہارا بھگون اور شہر جی تمہیں یہ کیوں نہیں بتاتے کہ لوبھ اور مایا ہال بڑی بڑی چیزیں ہیں۔ جب میں نے تم سے سہ پہر کا وعدہ کر لیا تھا تو تم اس وقت راج بھون میں کیوں آ گئے؟“

پرودہت نے جواب دیا۔ ”مہاراج! میرا خستہ دار مجھے تنگ کر رہا ہے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ مہاراج مجھ کو جو کچھ دینا چاہتے ہیں۔ اسی وقت دے دیں؟“

مالی راؤ نے کہا۔ ”ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے، بالکل ہو سکتا ہے۔“ اس کے بعد مالی راؤ نے مالی بجا کر خدمت گاروں کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ ہر خدمت گار راج بھون میں اعلان کر دے کہ آج مہاراج مالی راؤ دان چن کرنے والے ہیں اس لئے جس کسی کو یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہو، دیوان خانے میں آجائے۔“

پرودہت جی نے گہرا کر کہا۔ ”تو کیا مہاراج مجھ کو جو کچھ دیں گے سب کے سامنے دیں گے۔“

مالی راؤ نے جواب دیا۔ ”ہاں پرودہت جی، اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟ تم فکر نہ کرو۔ تمہیں تمہارا معاوضہ مل جائے گا اور جو لوگ یہ منظر دیکھیں گے ان کے حوصلے بڑھیں گے اور وہ میری وفاداری کا دم بھرنے لگیں گے۔“

پرودہت جی نے آہستہ سے کہا۔ ”لیکن ایسا اگر نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ ویسے مہاراج کی مرضی جیسا چاہیں کریں۔“

پورے راج بھون میں دھوم مچ گئی کہ مالی راؤ شہر جی کے بڑے بھائی اور پرودہت کو دان دینے والا ہے۔ اس خبر نے اہلیا بانی کو بھی خوش کیا لیکن دل میں ایک پھانس چھب رہی تھی۔ وہ دان کو رجنی کانت کا معاوضہ سمجھ رہی تھی۔ پرہکاکر بھی یہی سمجھ رہا تھا اور اس تقریب سے اس کے دل پر چوٹ لگ رہی تھی۔ وہ مل جانا چاہتا تھا مگر یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ اس میں شامل نہ ہوا تو مالی راؤ کا اس پر غتاب ضرور نازل ہو گا۔

مالی راؤ نے پرودہت اور رجنی کانت سے کہا کہ میں کچھ دیر تک تقریب کی تیاریوں میں مشغول رہوں گا۔ تم دونوں پرہکاکر کی عاقلانہ باتیں سنو، ممکن ہے وہ کوئی ایسی بات بھی کہہ جائے جس سے آئندہ زندگی میں فائدہ حاصل ہو جائے۔“

لیکن پرہکاکر کا غمزہ دل تنہائی چاہتا تھا۔ وہ رجنی کانت سے دور رہنا چاہتا تھا۔ اسے پرودہت سے بھی چوڑی نفرت تھی۔ لیکن مالی راؤ کے حکم سے فرماؤ اختیار کرنے کی طاقت اس میں نہیں تھی۔ جب وہ ان دونوں کے سامنے بیٹھا رہا۔ رجنی کانت نے پرہکاکر کو چھڑا۔

”پرہکاکر جی! تم ہر وقت اداس اور مایوس کیوں رہتے ہو۔ آئندہ ایسا کیوں ہے؟“

پرہکاکر نے جواب دیا۔ ”تم خوب جانتی ہو رجنی کانت کہ میں ہمیشہ سے اداس اور مایوس نہیں ہوں اور یہ بھی جانتی ہو کہ اب میں اداس اور مایوس کیوں ہو گیا ہوں؟“

پرودہت نے مسکرا کر پرہکاکر کو نصیحت کی۔ ”پرہکاکر جی! تم پریشان

حال مفلس دانا ہو۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ تمہاری باتیں مانیں اور تمہاری عزت کریں تو دولت مند بنو، دولت پیدا کرو۔ کیونکہ دولت کے بغیر علم، عقل، صحت بے کار چیزیں ہیں اسی لئے میں دولت مند بننا چاہتا ہوں۔“

پیر بھاکر نے بے زاری سے کمرے میں ٹھلٹھا شروع کر دیا، بولا: ”پروردہ جی! تم جو کچھ کہہ رہے ہو، ہو سکتا ہے درست ہو لیکن ایک بات میری بھی یاد رکھنا، کسی چیز کی فطرت کبھی نہیں بدلتی۔ مالی راز جی تمہیں اعلان کر کے اور شاندار تقریب منعقد کر کے شاندار دان دینے والے ہیں۔ اگر انسانی فطرت کوئی چیز ہے تو یہ سب مالی راز جی کی فطرت کے خلاف ہے جبکہ ان تم پر رحم کریں۔“

رجنی کانت نے اس موضوع کی مذمت کر دی۔ وہ خود بھی کھڑی ہو گئی۔ بولی: ”مجھے اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کیا کسی اور دلچسپ اور مشترک موضوع پر باتیں نہیں ہو سکتیں؟“

پیر بھاکر رجنی کانت کے پاس چلا گیا اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”رجنی کانت تم جانتی ہو کہ میں دنیا میں عزت اس کے شباب اور فطرت کا سب سے بڑا نکتہ چیں ہوں۔ لیکن تمہارے حسن اور شباب نے مجھے کوشاکر کر لینے کی کوشش کی۔ میں چاہوں تو اپنے زور و بیان سے گھنٹوں تمہارے حسن اور شباب کو گفتگو کا موضوع بناتے رکھوں لیکن ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب تم خود مجھ پر ملکت ہو اور مجھے مال و دولت طاقت اور امارت ہر چیز پر مجھے ترجیح دو۔“

رجنی کانت نے جواب دیا: ”میں تمہاری عزت کرتی ہوں۔۔۔۔۔“

پیر بھاکر نے بات کاٹ دی: ”لیکن میں عزت کا نہیں محبت کا بھوکا ہوں۔ عزت تو میں دوسروں سے بھی حاصل کر لیتا ہوں۔“

پروردہ جی نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا: ”پیر بھاکر جی! ایسی باتیں نہ کرو۔ اگر مالی راز جی نے تمہاری باتیں سن لیں تو بہت ناامان ہوں گے اور رجنی کانت تم بھی احتیاط کرو۔“

پیر بھاکر خاموش ہو گیا۔ رجنی کانت نے خوشامدانہ انداز میں پروردہ جی کو جواب دیا: ”پروردہ جی! میں تم پر اعتبار کرتی ہوں اور یہ جانتی ہوں کہ تم میری

باتیں اپنے سینے ہی میں محفوظ رکھو گے۔ تبھی تو میں نے اتنی صاف صاف باتیں کر لی ہیں۔ پیر بھاکر نے دل سے ہو کیں اٹھ کر ہی تھیں۔ سحر انگیز، پُر کیف اور لطیف ہنسی باریجی میں آئی کہ اس مجسمہ کیف و رعنائی کو اپنے دل سے لگا لے۔

اس کے بعد قتل ہی کیوں نہ کر دیا جاتے۔ اس کے پورے جسم میں ایک پراسرار سنناہٹ دوڑ گئی۔ اس سنناہٹ نے اعصاب میں کھپاؤ پیدا کر دیا۔ اور حراتِ بدنانہ پیدا ہو گئی۔ شاید وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کچھ دیر کے لئے کھوج کا تنہا اور وہ ایک ایسی لغزش کا مرکز بن گیا، جو حق و ان فطرت کا رو سے لغزش کے بجائے جسم اور روح کا تقاضا ہوئی۔ اور مالی راز اور پروردہ جی کی نظر میں ناقابل معافی جرم اور انتہائی گھناؤنا پاپ اور بدترین بددیانتی۔ مگر ماحول میں ایک دم اندراج تک پیدا ہو جانے والی بے چینی اور انتشار نے پیر بھاکر سمیت سبھی کو چونکا کر دیا۔ ان کی نظریہ دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ اسی وقت کمرے میں اہلیا بانی اپنی داسیوں کے چھرمٹ میں داخل ہوئی۔ پیر بھاکر اور پروردہ جی نے اس مقدس خاتون کو سلام کیا۔ رجنی کانت نے بھی سلام کیا لیکن اس کے سلام میں ہچکچاہٹ اور احساسِ گناہ کی جھپک تھی۔ اہلیا بانی نے پیر بھاکر اور پروردہ جی کو توجہ سے دیکھا۔ مگر رجنی کانت پر نظروں مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ تیری کو نوک کی طرح جس کی چھین رجنی کانت اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس کمرے سے بھاگ کھڑی ہونا چاہتی تھی۔ مگر بھاگنے کے بجائے سمت کمدہ گئی۔

اہلیا بانی رجنی کانت کے پاس اس کے مقابل جا کھڑی ہوئی اور اس کے حسن اور اس کے گمراہ جسم کا بغور جائزہ لینے لگی۔ اس کے جسم کے زیر اہلیا بانی کی نظروں میں چکا چوند پیدا کر رہے تھے۔ جھکی ہوئی، نشیلی بڑی بڑی آنکھیں رجنی کانت کے اپنے پاؤں کے انگوٹھے کو دیکھ رہی تھیں۔

اہلیا بانی نے رجنی کانت کے کان دھبے پر ہاتھ رکھ کر ہلادیا، بولی: ”تو یہ تم ہو شیو جی کی داسی جس نے میرے بیٹے مالی راز کو پاگل کر دیا ہے۔“

رجنی کانت کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔ پروردہ جی نے رجنی کانت کی طرف سے جواب دیا: ”دبوی! رجنی کانت کے حسن نے شیو جی کو بھی نظر پیا کھا ہے۔ مالی راز جی تو محض انسان ہیں۔“

اہلیا بانی نے تڑپ کر کہا: ”پروردہ جی اگر تم برہمن نہ ہو تو اور برہمن

کو سزا دینا پاپ نہ ہوتا تو میں تمہیں اتنی عجز ناک سزا دیتی کہ دیکھنے والے کانپ جائے۔ ختم کی مقدس فضا میں تمہاری موجودگی، مرضی اور منظوری سے جو کچھ ہو گیا۔ اس کی تمہیں جلد یا بدیر کوئی بھیا ننگ سزا ضرور ملے گی؟

پروہت نے جواب دیا۔ ”دیوی جی! میں آپ کی عزت کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں آپ کی بے جا اور بیگانہ بنی ہوئی خوشی شکریے کے ساتھ سن لوں۔ میں نے جو کچھ کیا اس پر خدا بھی شرمندہ نہیں اور میں آپ کی طرح اس کو پاپ بھی نہیں سمجھتا، میں نے جو کچھ کیا شیو جی کی ایا، اجازت اور حکم پر کیا؟“

اہلیا بانی اور زیادہ برہم ہو گئی۔ ”یہ بے شرمی، یہ ڈھٹائی۔ اپنے پاپ کو جائز قرار دینا چاہتے ہو۔ پروہت جی! کچھ تو شرم کر دو اور میرے بیٹے پر رحم کر دو اسے اور ہمت سے کام انجام دینا ہیں۔ اس کو غلط راہ پر ہمت لگاؤ۔“

پروہت جی خدا بھی نہیں گھبراتے، بڑے سکون سے جواب دیا۔ ”دیوی! مجھے شیو جی نے خطاب میں بتایا تھا کہ مائی راؤ جی اس زمانے میں ان کے اوتار ہیں۔ اگر شیو جی کی داسی ان کے اوتار کے حوالے کر دی تو اس میں پاپ کیا ہوا؟“

اہلیا بانی نے کہا۔ ”مائی راؤ میرا بیٹا ہے اس کو مجھ سے زیادہ اور کون جانے گا۔ شیو جی کے اوتار شیطان نہیں ہو سکتا۔“

پروہت نے اہلیا بانی کو ٹھنڈا کر کے کی کوشش کی۔ اسے سمجھانے لگا۔ ”مقدس خاتون! غصہ آگ ہے، اس میں ہوش و حواس اور عقل اور تدبیر جل کر بھسم ہو جاتے ہیں۔ خدا صبر کرو۔“

ایک داسی بھاگتی ہوئی اس طرف آئی اور اہلیا بانی کو مطلع کیا۔ ”دیوی جی! بہا راج اس طرف آ رہے ہیں؟“

پروہت نے مشورہ دیا۔ ”بانی جی! آپ یہاں سے چلی جاتے کیونکہ اس ہجوم میں ماں بیٹے کا تصادم اچھی بات نہیں؟“

پروہت جی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ انہوں نے اہلیا بانی کی گھبراہٹ محسوس کرتی تھی۔ خود اہلیا بانی پروہت کے مشورے پر عمل کرنا چاہتی تھی لیکن مائی راؤ کے خوف سے ٹل جانے میں اپنی بے عزتی بھی سمجھتی تھی۔ وہ جہاں اور جس طرح کھڑی تھی کھڑی رہی، بلکہ اور زیادہ تن کر کھڑی ہو گئی۔

مائی راؤ چند نوجوان لڑکیوں کے جھرمٹ میں اندر داخل ہوا اس نے بیجاں کو سرسری نظروں سے دیکھ کر ہجوم پر نظر ڈالی اور آخر میں اس کی نظریں ہنسی کا منت ہی سے سوال کیا۔ ”رجنی! کیا یہاں کوئی سبھا ہی ہو رہی ہے اور کسی اہم معاملے پر مشورہ ہو رہے ہیں؟“

رجنی کا منت نہ بول سکا کہ منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ اب مائی راؤ اپنی ماں سے مخاطب ہوا۔ ”ماں جی کیا بات ہے خبریت تو ہے؟ پاپ اداس کیوں کھڑی ہیں؟“

اہلیا بانی نے انوس سے کہا۔ ”مائی راؤ! یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟“ مائی راؤ نے لڑکیوں اور رجنی کا منت کو دیکھ کر کہا۔ ”وہی جو ہم سب دیکھ رہے ہیں؟“

اہلیا بانی نے بڑے غصے سے کام لیا۔ ”مائی راؤ! میں تیری ماں ہوں، مجھ سے دب سے بات کر۔“

مائی راؤ رجنی کا منت اور دوسری لڑکیوں کو دیکھ کر مسکرایا۔ ”تم سب گواہ ہو کہ میں ادب سے ہی بات کر رہا ہوں؟“

اہلیا بانی نے کہا۔ ”تم مانوے کے حکمران ہو، مہاراجہ ہو کہہ کے بالائیں۔ اگر تم ہی فضول چکڑوں میں پڑ گئے تو راج پاٹ کی ذمہ داریاں کون پوری کرے گا؟“

مائی راؤ نے اپنی ماں کا مذاق اڑایا۔ ”تو گویا آپ کے خیال میں میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہا۔ اب یہ بھی بتا دیجئے کہ اگر میں راج پاٹ کی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہا تو یہ کام کون انجام دے رہا ہے؟“

اہلیا بانی نے لڑکیوں اور رجنی کا منت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”مائی راؤ! یہ بیش بھری صراحی! جنہیں تو اپنے سامنے لے پھرتا ہے اور جن کے زہر کو تو موسم میں سمجھ رہا ہے، یہ تجھے ہلاک کر دیں گی۔ انہوں نے بڑی جبری حکمتوں اور بڑے بڑے دھواڑوں کو کھایا ہے۔ جھگڑانے کے لئے ان سے بچ، ان سے برہم نہ کر۔“

پروہت اور رجنی کا منت ماں بیٹے کی گفتگو سے بڑا حفاظ اٹھا رہے تھے۔

اندیش بڑھایا اس کا راج پاٹ میں کیا کام؟
مالی راق نے دبی آواز میں کہا۔ ”وہ میری ماں ہے، ہم لوگ نواس کا احترام
کرو، خبردار جو بھی تم لوگ۔۔۔۔“

لیکن پرہیزگار پرودہت جی اور رجنی کانت، سبھی کو دیکھ رہا تھا اور انہیں
پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے مالی راق کے لہجے میں جیسے ہر تے مذاق اور طنز
کو سبھی سمجھ لیا تھا۔ پوری سمجھا اہلیا بائی کا مذاق اڑا رہی تھی پرہیزگار نے آگے
بڑھ کر عرض کیا۔

”مہاراج! ماں جی کا ادب کرو تاکہ یہ سب بھی ان کا احترام کریں۔ وہ نالارض
روتی ہوئی چلی گئی ہیں تم انہیں منا کر معافی مانگ لو تاکہ بھگوان خوش ہو جائیں؟
مالی راق نے پرہیزگار کی گدڑی پر سرچپت رسید کی۔ ”اب چپ ہو جا بکواسی،
کیا بڑ بڑا لگا رکھی ہے تو نے، بڑھاپا حسد سے جوانی کے ارگرد دیوار میں کھڑی کرنا
چاہتا ہے، میں ان دیواروں کو اٹھانے ہی کیوں دوں؟“

رجنی کانت اپنی جگہ سے چل کر پرہیزگار کے پاس آگئی اور سرگزشتی میں کہا۔
”پرہیزگار جی! ہم اپنے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہو؟“
مالی راق نے یہ سب دیکھ لیا، رجنی کانت سے پوچھا۔ ”یہ تو اسے کیا سکھا
رہی ہے؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”اس مہانگی اور مہانگیائی کو میں کیا سکھاؤں گی۔
بس تو اس سے یہ کہہ رہی تھی کہ تو خود کو دوسروں پر کیوں چڑھاتے دے رہا
ہے بس اپنی فکر کر؟“

مالی راق نے بڑھی حیثیت اور خوش میں پرہیزگار کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”پرہیزگار جی!
میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں وہ تماشہ دکھاؤں کہ ہنسنے ہنسنے لوٹ لوٹ ہو جاؤ گے۔
یہ ساتھ چلو؟“ پھر پرودہت سے کہا۔ ”پرودہت جی! میں نے تمہارے لئے اس سے
نہیں زیادہ دکھا ہے، جس کا میں نے تم سے وعدہ کر لیا تھا جو تے، کپڑے آگے ہستی کا
پچھ سامان اور روپے، دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے؟“

پرودہت نے دعا دی۔ ”مہاراج! برہمن کو خوش کر دو گے تو بھگوان
بھی خوش ہو جائیں گے؟“

مالی راق بولا۔ ”پرودہت جی! میں نے اس تقریب میں پورے مندر کو بلایا

مالی راق نے ایک لڑکی کو کھینچ کر اپنے چہرے کے سامنے کمر لیا اور اس
کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔ ”ماں جی! ان آنکھوں میں اگر آپ میری آنکھوں
سے دیکھیں تو یہاں رنگ و بو، کیف و سرور اور لذت و لطافت کی دنیا میں نظر
آئیں گی۔ جوانی اور احتیاط کہیں بھی ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں اور جب ان دونوں
میں قطعہ راور اختیار بھی شامل ہو جائے تو پھر کچھ کہنا ہی کیا۔“ پھر ایک دم پرہیزگار
کو مخاطب کیا۔ ”کیوں ودھوان جی تمہارا کیا خیال ہے؟“

اہلیا بائی نے مذکور جواب دیا۔ ”مالی راق! تو اپنی ماں کی بے عزتی کر رہا ہے،
تو تو پاگل ہو گیا ہے۔“ پھر کڑکھانے لگی۔ ”ہے شیوجی! مجھے تو تم نے بیٹے کی بجائے
شیطان دے دیا، میں اپنے سرم کا رونا کس کے آگے روؤں؟“

مالی راق نے پرہیزگار سے کہا۔ ”پرہیزگار جی! بھگوان تمہیں ہمیشہ دکھی رکھیں
تم نے میری ماں کو خوب درغلا یا ہے، یہ میری ماں جو کچھ کہہ رہی ہے ماں کی زبان
میں پرہیزگار بول رہا ہے۔ ودھوان جی! اب بھی سنبھل جاؤ ورنہ وہ سزا دوں گا کہ
تمہاری نسلیں یاد رکھیں گی۔“

پرہیزگار کھسیا کر رہ گیا۔ رجنی کانت نے پرہیزگار کی وکالت کی۔ ”مہاراج! ہم ہر بات
میں اس جذباتی ودھوان جی کو کیوں گھسیٹ لیتے ہو؟“

پرودہت جی نے کہا۔ ”شاید اس لئے کہ پرہیزگار جی اپنے گیان اور ودھوان کی
دولت ہر جگہ مفت تقسیم کرتے رہتے ہیں۔“

مالی راق ہر ایک سے بے نیاز اپنے خیالوں میں گم تھا۔ پرودہت جی سے
اچانک مخاطب ہوا۔ ”پرودہت جی خوش ہو جاؤ، کچھ دیر بعد تمہیں دران کی سمجھا میں
بنا سنا کر کھڑا کر دیا جائے گا اور تم دیکھتے ہی دیکھتے مہنتوں کے رشک و حسد کا
شکار ہو جاؤ گے۔“

پرودہت جی نے بے اختیار دعا دی۔ ”ہے شیوجی! اپنے اوتار مالی راق کو سدا
خوش رکھنا کیونکہ اگر یہ ہے تو تمہارا بھی راج ہے مگر کچھ بھی۔۔۔۔“

اہلیا بائی روتی ہوئی کہہ گئی۔ ”مطلب پرستوں کی جھوٹی باتوں نے میرے
بیٹے کے دل و دماغ کو جیت لیا ہے۔ اب اس پرہیزگار جی ہی رحم کریں تو کر رہی ورنہ
اس کو انسان ٹھیک نہیں کر سکتے۔“

اہلیا بائی کے جاتے ہی پرودہت جی نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ ”وہ گیا آل

ہے۔ ہم نے میرا جس طرح ساتھ دیا ہے۔ اس کا یہی تقاضا تھا کہ میں تمہاری عزت اور شان میں اضافہ کر دوں۔“

رجنی کا نتنے پوچھا۔ ”امہ سراج! مجھے کیلے گا؟“

مالی راق نے مسکرا کر کہا۔ ”مجھے شیوجی کا اذنا ملے گا۔“

کچھ دیر بعد یہ قافلہ کمرے سے نکل کر راج بھون کے اس ہال کی طرف چل دیا۔ جو اس تقریب کے لئے آنا فانا سجا دیا گیا تھا۔

✱

✱

✱

مالی راق کا سنگھاسن سب سے اونچا تھا۔ اس کے آس پاس اور پیچھے مورچیل برادر داسیاں مورچیل کو ہلا ہلا کر کھیاں اڑا رہی تھیں۔ رجنی کا نت مالی راق کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ پردہت جی کے لئے نسبتاً چھوٹا سنگھاسن رکھ دیا گیا تھا۔ جس کے سامنے کھڑے مالی راق کی اجازت کے منتظر تھے۔ راج سنگھاسن کے بالکل سامنے ایک تخت بچھا تھا اور اس پر خوبصورت چاندنی بھی ہوئی تھی۔ اس چاندنی پر تین تین بڑے بڑے صندوق رکھے تھے جو بند تھے۔ ان سب کے سامنے کافی دور تک لوگوں کا جھوم تھا۔ مالی راق نے پرہک کر کو صندوق کے پاس کھڑا کر دیا تھا۔ معلوم نہیں کیوں کسی کے بلاتے بغیر ہی اہلیا بانی بھی وہاں پہنچ گئی۔ اور مالی راق کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

مالی راق نے ہنس کر کہا۔ ”مجھ کو معلوم تھا کہ ماں جی ضرور آئیں گی، سدا گیتیں۔“

لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔ ماں جی اس کے پیچھے کھڑی رہی۔ رجنی کا نت نے سرگوشی میں کہا۔ ”مہا سراج! ماں جی کا احترام کرو اور ان کے لئے سنگھاسن چھوڑ دو۔“

”ہش!“ مالی راق نے چھٹک دیا۔ ”اگر آج میں اپنا سنگھاسن چھوڑ دوں گا تو کل مجھے سراج پاٹ چھوڑنا پڑھائے گا۔ میں اتنی مروت نہیں کر سکتا۔“

پردہت جی کی بے چینی قابلِ دید تھی۔ ان کی نظریں تخت پر رکھے ہوئے صندوقوں پر جمی ہوئی تھیں۔

کچھ دیر بعد مالی راق نے پردہت جی سے کہا۔ ”پردہت جی! انتظار کی

گھڑیاں ختم۔“ اس کے بعد اس نے حاضرین کو مخاطب کیا اور ان کے سامنے پردہت کی بڑی تعریفیں کی اور کہا۔ ”پردہت جی! میں آج تمہیں اتنا بڑا اور اہم مقام دوں گا کہ دنیا جلنے لگے۔“

پردہت جی نے شرمناک عرض کیا۔ ”مہا سراج! میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اور اگر کیا تو وہی کیا جو میرا فرض تھا، میری ذمہ داری تھی۔ اس سے زیادہ تو میں نے کچھ نہیں کیا۔“

مالی راق اس کی باتیں دلچسپی سے نہیں سن رہا تھا۔ وہ رجنی کا نت کو لئے ہوتے کھڑا ہو گیا۔ اس کی اتباع میں ہر کوئی کھڑا ہو گیا۔ رجنی کا نت کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ کے وہ آہستہ آہستہ صندوقوں کی طرف بڑھا اس کے پیچھے پیچھے مورچیل برادر داسیاں اور اہلیا بانی چل رہی تھیں۔ اس نے چلتے چلتے لچانک پیچھے موکراں کو مخاطب کیا۔ ”ماں جی! آپ کو یاد ہے نا۔ ابھی کچھ دیر پہلے آپ نے یہ کہا تھا کہ مالی راق میرا بیٹا ہے اور میں اس کو خوب جانتی ہوں۔“

اہلیا بانی نے آہستہ سے کہا۔ ”ہاں بیٹے میں نے یہ بات کہی تھی۔“ مالی راق نے قہقہہ لگایا۔ ”سنگھان نے چاہا تو میں آپ کو چھوٹا نہیں ہونے دوں گا۔ اس کے بعد آپ کہہ اٹھیں گی کہ مالی راق میرا سعادت مند بیٹا ہے۔“

پرہک کر ان باتوں سے چکر اڑا تھا۔ پردہت جی بے چین تھے کہ مالی راق معاملے کو بلاوجہ طول دے رہا ہے۔ جو کچھ دینا چاہتا ہے دے دلا کر چھٹی کرے۔ مالی راق نے اچانک دوار کا کھڑا کر دیا۔ ”دوار کا! تو کدھر گیا۔ نظر کیوں نہیں آتا۔“

خدمت کاروں نے دوار کا کی تلاش میں بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ دوار کا وہاں موجود ہی نہ تھا۔ کچھ دیر بعد چند مزدوروں کو لئے ہوتے ہال میں داخل ہوا۔ مزدوروں نے چھوٹے چھوٹے ٹوکے رکھے سنگھال رکھے تھے۔ بید کے بنے ہوئے ٹوکے بند تھے اور انہیں اتنی عمدگی سے بنایا گیا تھا کہ جھری کا نام نشان تک نہیں ملتا تھا۔ دوار کا نے یہ ٹوکے صندوقوں کے پاس رکھ دیئے اور عرض کیا۔

”مہا سراج کا حکم تھا۔ دقت کم تھا اور کام بڑا۔ بہر حال کچھ بھی میں نے کام جو کس کر دیا ہے۔“

دوار کا نے ان ٹوکروں کو صندوقوں میں الٹ دیا اور دوبارہ بند کر

کے پیچھے ہٹ گیا۔

مالی رات نے کہا۔ ”ارے دوار کا بڑا کدھر چلا گیا۔ اور پر بھاکر جی تم بھی میرے پاس آ جاؤ۔“ پھر اپنی ماں کو بھی آواز دی۔ ”ماں جی! آپ بھی میرے پاس آ جا بیٹے۔“ مالی رات نے جس جس کو اپنے پاس بلایا تھا، سبھی اس کے قریب پہنچ گئے۔ ہر وہنت جی بن بلاتے ہی ان صندوقوں کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ رجنی کانت اس ناٹک سے سہمی ہوئی تھی۔

مالی رات نے حاضر بن سے کہا۔ ”لوگو! شیرو جی کے سب سے بڑے بھاری اور ہر وہنت سحابت میں رو بہ لگا نا چاہتے تھے، اس سلسلے میں انہوں نے مجھ سے مدد کی خواہش کی۔ پھر میں نے بھی ہر وہنت جی سے کام دیا کر لیا اور مندر کی ایک نہایت قیمتی اور مقدس شے میں نے پیشگی وصول کر لی۔ اب میں ہر وہنت جی کے بقول شیرو جی کا اذنا رہوں، اور میں ہر وہنت جی کو جو کچھ بھی دے رہا ہوں وہ شیرو جی کے اذنا کی حیثیت سے دے رہا ہوں۔“

مالی رات نے اس چھوٹی سی تقریر کے فوراً بعد ہر وہنت جی کو اجازت دے دی۔ ”ہر وہنت جی! صندوق کے ڈھکنے اور بید کے خالی نوکروں کو مال دزیر سے سبھ لو۔“

ہر وہنت جی نے بڑے بے صبرے پن سے صندوق کا ڈھکنا ہٹا کر اس میں دونوں ہاتھ ڈال دیئے۔ انہوں نے مال و زر کو سمیٹنے کی کوشش کی اور ایک خوفناک چیخ کے ساتھ دونوں ہاتھ باہر نکال لئے۔ وہ ہاتھوں کو زور زور سے جھٹک رہے تھے اور چیخیں مار مار کے رو رہے تھے۔ ہجوم یہ منظر دیکھ کر سہم گیا کہ ہر وہنت جی کے دونوں ہاتھوں سے بھتو جھپٹے ہوئے تھے اور کھلے ہوئے صندوق کے اندر سے کچھوڑوں کی کثیر تعداد ریگ ریگ کر نکل رہی تھی۔ ان کی مڑھی ہوتی دمیں اوپر کوا بھی ہوئی تھیں۔

ہر وہنت جی تڑپ کر گر گئے۔ ان پر غشی طاری ہو گئی اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ مالی رات ہر وہنت جی کو چھینے اٹھتے، گرتے اور پھر بہوش ہوتے دیکھ کر خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔ وہ دبو داسیوں اور پجاریوں کو پکا دیکھا کہ دعوت دے رہا تھا۔ ”شیرو جی کے داسیو آگے بڑھو اور مال دزیر سے سبھ لے ہوئے ان صندوقوں کو خالی کر دو، ان میں جو

کچھ بھی ہے تمہارا ہے۔“

لیکن دینگے بھجوروں کی موجودگی میں کس کی ہمت تھی۔ جوان صندوقوں سے مال دزیر نکالتا، حالانکہ وہ سونے چاندی سے اوپر تک بھرے ہوئے تھے۔

اہلیا بانی بے قراری سے ہر وہنت جی کے پاس پہنچی اور خدمت گاروں کو چرخ کر حکم دیا۔ ”تم سب یہاں کس بات کا تاثر دیکھ رہے ہو جاؤ بھتو کے ڈنک کی کوئی دادر لاؤ۔ ہر وہنت جی کا تو بہت بڑا حال ہے۔“

پھر مالی رات کے ایک دو ہتھوڑا سبھ کر دیا اور روتے ہوئے کہا۔ ”شیرو جی یہ میرے گھر میں میری کوکھ سے تم نے بیٹے کی جگہ شیطان کو پیدا کر دیا ہے۔ یہ تو پاگل ہو گیا ہے، اب میں کیا کروں؟“

پر بھاکر اور رجنی کانت بھی سہم گئے۔ دوار کا مطمئن تھا کیونکہ وہ اس ناٹک میں ایک خاص کردار تھا۔ بھجور بیدوں کے نوکروں میں وہی لیا تھا۔

پر بھاکر نے رجنی کانت کے کان میں کہا۔ ”رجنی کانت! آج پتہ نہیں یہ مہاراج کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ کیسی حرکت کی ہے مالی رات نے، اب کیا ہو گا؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”مہاراج کی باتیں مہاراج ہی جانیں۔“ پر بھاکر نے مالی رات سے کہا۔ ”مہاراج! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اس طرح تمہارا اعتبار جاتا رہے گا۔“

لیکن مالی رات پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے سچا یوں کے ہاتھوں کو پکڑ پکڑ کر ہر وہنت جی کے صندوقوں میں ڈالنا شروع کر دیا۔ بھجور نے انہیں ڈنک مار مار کر بے حال کر دیا۔ ذرا سی دیر میں راج بھون کا یہ مال قیامت صغریٰ کا سماں بیش کرنے لگا۔ اہلیا بانی تادیر یہ منظر نہیں دیکھ سکی اور روتی ہوئی راج بھون میں گم ہو گئی۔

کچھ دیر بعد مالی رات نے دوار کا کو حکم دیا۔ ”مال دزیر کے صندوقوں کو ان کی جگہوں پر پہنچا دو۔“

دوار کا نے حکم کی تعمیل کی۔ اور صندوقوں کے ڈھکنوں کو بند کر کے دیہاں سے ہٹا دیا۔

مالی رات کا کھیل ختم ہو چکا تھا۔ وہ خوشی میں چیختا چلاتا، قہقہے لگاتا

رجنی کانت کے پاس آیا۔ اور بولا: ”رجنی کانت! تو یہاں کھڑی کیا کر رہی ہے۔ گھر نہیں کیوں نہیں؟ تو تم فقیر لگا۔ میں نے کتنا شاندار دن دیا ہے۔ شیو جی تو جاندار اور کی بھینٹ لیتے ہیں۔ میں شیو جی کا اوتار کیا اتنا بھی نہیں کر سکتا!“

رجنی کانت نے سوالیہ نظروں سے پرہکا کر کی طرف دیکھا۔ وہ مالی راؤ کے خوفزدہ تھی۔ وہ اس سے نظر بٹا لٹے ہوئے بھی کانپ رہی تھی۔ مالی راؤ شاید اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اس نے پرہکا کر کو حکم دیا۔ ”جا، تو بھی کیا یاد کرے گا، رجنی کانت کو لے جا۔“

رجنی کانت اور پرہکا کر کو شبہ گرا کہ شاید مالی راؤ الساطن اور مذاق سے کہہ رہا ہے۔ ان دونوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اجازت ملنے کے باوجود وہ ایک ساتھ چند قدم ہی چل سکتے۔

مالی راؤ ہنستا ہوا ان دونوں کے پاس آیا اور رجنی کانت کا ہاتھ پکڑ کے پرہکا کر کے ہاتھ میں دے دیا، بولا۔ ”بزدلو! تمہارے کہوں ہو، میں جو اجازت دے رہا ہوں۔“

پرہکا کر کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ رجنی کانت پرہکا کر سے زیادہ بہادر نکلی۔ وہ خوفزدہ تو ضرور تھی مگر اس پر سبکی مہین طاری تھی۔

مالی راؤ نے دونوں کو زبردستی گھوما کر دیا۔ بولا۔ ”مور کھو! اس وقت تم دونوں کہاں ہو؟ موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔ میں تم دونوں کو ہنسی خوشی بقیہ دن کے لئے ایک دوسرے کے حوالے کر رہا ہوں اور تم ہو کہ خوف سے مرے جا رہے ہو۔ میں مالی راؤ، جو بیک وقت مہاراج بھی ہوں اور شیو جی کا اوتار بھی۔ تم دونوں کی محبت کو آسودگی بخشنا چاہتا ہوں۔ رجنی کانت کو تو اپنے ساتھ لے جا۔“

لیکن پرہکا کر اب بھی خوفزدہ تھا۔ رجنی کانت حوصلے سے بولی ”پرہکا کر جی! جب مہاراج اپنی مرضی سے ہمیں کچھ دے رہے ہیں تو ہمیں بھی اس کا احترام کرنا چاہیئے۔“

پرہکا کر نے اوجھڑا دھڑکھٹا، بجاری اور دیو داسیاں مالی راؤ کے حکم پر حیرت زدہ دم بخود نظریں نیچے کئے کھڑی تھیں جن بجاہیوں کو کچھ توڑوں نے ڈنگ مار دیا تھا دویلا چارہ ہے تھے۔ پر دہت جی فرش پر رہے ہوش بٹے تھے۔

مالی راؤ نے پرہکا کر اور رجنی کانت کے ایک ایک ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور انہیں کھینچتا ہوا ایک ایسے کمرے میں لے گیا جہاں کی سیاوٹ اور آرائش و زیبائش سے دل میں حسرت وصال اور خواہش انصال پیدا ہو سکتی تھی۔ یہ ایک خواب گاہ تھی۔ ایک گوشے میں بستر لگا ہوا تھا۔ مالی راؤ نے ان دونوں کو بٹھا دیا اور باہر والیں چلا گیا۔

پرہکا کر اور رجنی کانت حیرت اور تشویش سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ رجنی کانت نے پوچھا ”پرہکا کر جی! کیا تم دوسرے ہو؟“

پرہکا کر نے آنکھوں کے گوشوں کو انگلیوں سے پونچھ کر جواب دیا ”ہمیں تو یہ خوشی کے آنسو ہیں“ پھر رجنی کانت سے پوچھا۔ ”اور یہ تمہاری آنکھیں کیوں بھیگ گئی ہیں؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”خوشی سے، یہ بھی خوشی کے آنسو ہیں۔“ پرہکا کر نے شک و شبہ سے کمر ہٹا کر کہا۔ ”شاید، ممکن ہے ایسا ہی ہو مگر شاید نہیں۔“

رجنی کانت اس شکی مزاج اور خیالی انسان کو خوف سے دیکھنے لگی۔

*

*

*

چند گھنٹوں کی تنہائی اور اختیار سے پرہکا کر کچھ زیادہ لطف اندوز نہ ہو سکا۔ اس کا زیادہ وقت و سوسوں، اندیشوں اور حیرتوں میں گزر گیا۔ اس کے علاوہ جو وقت تھا وہ رجنی کانت کے حسن کی ستائش اور رعب میں گزر گیا۔ رجنی کانت نے پرہکا کر کو مزہ دینا شروع کر دیا تھا۔ رجنی کانت کے تقاضے کچھ اور تھے اور پرہکا کر کی کم ہمتی کا کوئی اور ہی سنگ تھا۔ وہ اس خوش قسمتی اور کامرانی کے لمحوں میں بکلی ہی سوچ رہا تھا کہ اسے کاش رجنی کانت شیو جی کی داسی نہ ہوتی، یا اگر داسی تھی بھی تو اس پرہکا کر کی نظر نہ پڑی ہوتی

اور پرہیہا کر کی نظر پڑ ہی گئی تھی تو وہ اس پر وارفتہ و شہیدانہ ہوا ہوتا۔ وہ اس وقت بھی یہی سوچ رہا تھا کہ رجنی کا نت بالا آخر مایہ راز کی ہے۔

رجنی کا نت اس کے متفکر چہرے کو بغور دیکھتی رہی۔ آخر پرہیہا کر کے چہرے پر سے بالوں کی لٹیں ہٹا دی گئیں تو بولی: ”کیا بات ہے پرہیہا کر جی کر سہ چنے لگے۔“

پرہیہا کر نے جواب دیا: ”میں سوچ رہا ہوں کہ کیا کسی شاعر کے پاس وہ الفاظ موجود ہوں گے جن سے تیرے سراپا کی سچی سچی منظر کشی ہو سکے۔ اور میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ جس صانع نے تیری تخلیق کی ہے اس کا جمالیاتی ذوق اور معیار حسن کتنا بلند پایہ ہو گا۔“

رجنی کا نت شوخی سے نظر میں ملا کر بولی: ”تم فضول باتوں میں سارا وقت گنوا دو گے۔ کچھ بہتر ہے کہ ہمیں جو اتفاقیہ موقع مل گیا ہے وہ پروں والے تیر کی طرح اڑا چلا جا رہا ہے۔“

پرہیہا کر نے رجنی کا نت کی بڑی اور بادام جیسی آنکھوں میں جھانکا اس کی لمبی لمبی پلکیوں اور پتلی پتلی بھنڈوں کے حصاء میں وہ شے نظر آئی جس میں عشاق قلوب جایا کرتے ہیں اور جن کے شکار سکھ جین سے محروم ہو جاتے ہیں۔

رجنی کا نت نے سر اکر اپنا چہرہ پیٹ میں چھپانے کی کوشش کی اٹھلا کر بولی: ”یہ تم میری آنکھوں میں کیا دیکھ رہے ہو۔ مجھے تو تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔“

پرہیہا کر نے جواب دیا: ”رجنی کا نت! میں نے عورت کو ہمیشہ ہی جڑا کہا ہے اب تک میں نے جو کچھ بھی کہا ہے، اس میں میرا ذاتی تجربہ شامل نہیں تھا۔ وہ سادہ باتیں پرانوں کی تھیں۔ لیکن اب میں شک و شبہ میں پڑ گیا ہوں مجھے اعتراف کر لینا چاہیے کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ یہ احساس مجھے پہلے بھی تھا۔

لیکن اس احساس میں تھوڑا بہت شک و شبہ بھی شامل تھا۔ مگر آج میں پورے یقین اور کامل وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس رنج و آلام کی دھوپ سے بیتی ہوئی زندگی کو چھاؤں عورت کی آغوش ہی میں ملتی ہے، یہ ایسی پڑ سکن اور فرحت بخش چھاؤں ہے جس میں پوری زندگی مست در بے خود رہ کر گزار دی جا سکتی ہے۔“

عورت کے بارے میں پرہیہا کر کے شاندار خیالات سن کر رجنی کا نت

سحر زدہ سی ہو گئی بولی: ”پرہیہا کر! تم لفظوں کے جادوگر ہو، عورتیں تو ایسے ناز و انعام کے دل فتح کر لیا کرتی ہیں۔ مگر تم یہ سارے کام اپنی قوت کو یا نی سے لے سکتے ہو، تم اپنے لفظوں سے عورتوں کے دلوں میں اچھل پیدا کر سکتے ہو، حسینوں کے گمان اور غرور کو خاک میں ملا سکتے ہو۔“

پرہیہا کر نے معلوم نہیں کیا سوچ کر اچانک سوال کیا: ”رجنی کا نت! سچ بتاؤ، ابھی کچھ دیر پہلے جب ہم اس کمرے میں داخل ہوئے تھے تو ہم دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے؟“

رجنی کا نت نے ایک بار پھر اپنا چہرہ اس کے مقابل کر لیا۔ ”ہاں آنسو تھے تو ہم دونوں کی آنکھوں میں، مگر کیوں؟“

پرہیہا کر نے کہا: ”یہ آنسو کیوں نکل آتے تھے؟“

رجنی کا نت نے جواب دیا: ”خوشی کے آنسو، کیا میری بات کا یقین نہیں آیا۔؟“

پرہیہا کر نے کہا: ”یقین آیا کیوں نہیں۔ لیکن معلوم نہیں کیوں اور کون میرے دل کے اندر بیٹھا مجھے ہشکانا اور بھڑکانا رہتا ہے۔ وہ بار بار مجھ سے یہ کہتا ہے کہ پرہیہا کر تیری آنکھوں کے آنسو تو واقعی خوشی کے تھے مگر رجنی کا نت کے آنسو مہمان مایہ راز کی جدائی کے غم ہیں بہر حال تھے۔“

رجنی کا نت تھلا گئی، اٹھ کر بیٹھ گئی: ”اوشکی تو جوان! بھگوان کے لئے شکوک اور بدگمانیوں سے پیچھا چھڑالے ورنہ تو زندگی بھر اداس، مضطرب اور بے چین رہے گا۔“

جواب میں پرہیہا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ دونوں ہڑبڑا گئے۔ رجنی کا نت نے پوچھا: ”کون ہے کس سے ملنا ہے؟“

باہر سے جواب ملا: ”پرو قرار اور بارعرب لہجے میں: ”اہلیا بانی، مالی راؤ کی ماں۔“

پرہیہا کر اور رجنی کا نت نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پرہیہا کر نے زور سے کہا: ”دروازے باہر سے بند ہیں، مہاراج بند کر

گئے ہیں۔ کھول لیجئے۔“

اہلیا بانی نہ سچ کھول کر اندر داخل ہو گئی، یہاں رجنی کانت اور پربھا کرکو بجا دیکھ کر پریشان ہو گئی، پوچھا: ”تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟“
پربھا کرکو نے ڈر سے سچے لہجے میں کہا: ”مقدس خاتون ہم یہاں کچھ بھی نہیں کر رہے۔“

اہلیا بانی رجنی کانت پر برس پڑی: ”تو داسی نہیں، نہ ہریلی ناگن ہے ایک طرف تو تو نے میرے بیٹے الی راؤ کو اپنے بس میں کر لیا ہے دوسری طرف تو نے اس ددھوان، گیانی کو زیر کر لیا ہے۔ آخر تو چاہتی کیل ہے؟“

رجنی کانت نے جواب دیا: ”دیوی جی! میں نے کسی کو بھی اپنے بس میں نہیں کیا۔ بلکہ مجھ کو لوگوں نے بس میں کر رکھا ہے۔ میں اس کمرے اور تھیلے میں اپنی مرضی اور خواہش سے نہیں آتی۔ یہاں مجھ کو پربھا کرکو کے ساتھ مہاراج الی راؤ نے قید کر دیا تھا۔“

اب اہلیا بانی پربھا کرکو سے مخاطب ہوئی: ”اور پربھا کرکو تم یوں تو بڑی بڑی باتیں کرتے ہو، گیانی بنتے ہو، ددھوان بنتے ہو، عورتوں کے خلاف زہریلی باتیں کرتے پھرتے ہو اور خود تمہارا یہ حال ہے کہ اس عورت کے اسیر، اس کمرے میں قید ہو۔“

پربھا کرکو نے ادب سے جواب دیا: ”دیوی! میں تمہاری پوزیٹا کی سو گند کھا کر یقین دلاتا ہوں کہ ہم دونوں کو اس کمرے میں مہاراج الی راؤ نے بند کیا تھا۔“
اہلیا بانی نے کہا: ”الی راؤ نے ایسا کیوں کیا؟ اور تم دونوں اس پر راضی کیوں ہو گئے؟“

رجنی کانت نے کہا: ”مہاراج ہم دونوں کو دھکیلے ہوئے یہاں تک لائے اور واپسی میں دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔“

اہلیا بانی پربھا کرکو کو ایک طرف لے گئی: ”پر وہت جی مرنے کے قریب ہر کئی اور بیماریوں کی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ الی راؤ نے یہ کیا کر دیا۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟ برہمنوں کو دکھ پہنچانے کا عذاب الی راؤ کو برباد کر دے گا۔ کہیں یہ پاگل تو نہیں ہو گیا، شیوجی کی داسی کو شراب کر کے اس کا داغی ٹواڑا ہی جاتا رہا۔ اس نے تم دونوں کو اس کمرے میں قید کر دیا۔ پربھا کرکو سوچو تو سہی۔“

سب کیا ہو رہا ہے۔“

پربھا کرکو بھی کچھ کچھ یقین ہو چلا کہ شاید الی راؤ پاگل ہو گیا ہے۔ اس نے اہلیا بانی سے استدعا کی: ”مقدس خاتون! اگر آپ کی یہ بات درست ہے کہ مہاراج الی راؤ جی کا داغی ٹواڑا درست نہیں ہے اور یہ تو کچھ ہوا ہے، ان کی دیوانگی میں ہو رہا ہے تو میں کچھ عرصہ کے لئے راج بھون سے ٹل جانا چاہتا ہوں۔“

اہلیا بانی نے جھلب دیا: ”پربھا کرکو جی! یہ سارا قصور شیوجی کی اس داسی کا ہے، تم اس سے بچو، اور اس کو یہاں سے دور کر دو، مندر بھیج دو، یہ جب تک یہاں ہے خطرہ ہی خطرہ ہے۔“

اس کے بعد وہ رجنی کانت کے پاس پہنچی اور کہا: ”دیوی! تم شیوجی کی داسی ہو، اپنے مرتبے کا خیال کر دو اور اس تقدس کو جو شیوجی کی نسبت سے مل گیا ہے منہال کر رکھو، کیونکہ اندیشہ ہے کہ اگر شیوجی ناراض ہو گئے تو اس سرزمین کو تہہ و بالا کر کے دکھ دیں گے۔“

رجنی کانت نے پربھا کرکو کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو: ”پربھا کرکو جی! تم کیا کہتے ہو؟“

پربھا کرکو نے اس کا مفہوم سمجھ کر کہا: ”رجنی کانت! مجھے نہیں معلوم کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے اور کس کا حکم ماننا چاہیے کیونکہ یہاں تم اپنی مرضی سے نہیں آتی تھیں اور ابھی تک تم مہاراج الی راؤ کے حکم کی پابند رہی ہو۔“

اہلیا بانی نے نرمی سے کہا: ”پربھا کرکو جی! تم میرے بھیج کر رہے ہو۔ اس سے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ مندر واپس چلی جائے۔“

پربھا کرکو نے خوشامدانہ کہا: ”دیوی جی! میں آپ کو ماں سمجھتا ہوں۔ اور ہمیشہ مقدس خاتون کہتا ہوں۔ میں نے رجنی کانت کو جو مشورہ دیا ہے اس میں ہم دونوں ہی کا جھلکا ہے۔ میرا بھی اور رجنی کانت کا بھی کیونکہ اگر مہاراج الی راؤ ہم دونوں سے ناراض ہو گئے تو معلوم نہیں کیا درگت بنادیں۔“

اہلیا بانی ناراض ہو گئی: ”اپنے نالائق اور پاگل بیٹے کے ہاتھوں کتنی ذلیل اور خوار ہو رہی ہوں۔ تم لوگ جو چاہو کر دو، میں جا رہی ہوں۔ میں شیوجی کے چہرے میں گر کے پر وہت جی اور دوسرے بیماریوں کے حق میں پر رکتھنا کر دوں گی۔ میرے پاس اور کئی ضروری کام ہیں۔“

وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

سکياں سنیں۔ اس نے اپنا چہرہ زلفوں سے اٹھالیا اور رجنی کانت کا چہرہ اپنے سامنے

پر بھاکر اور رجنی کانت پاس پاس کھڑے ہو گئے۔ پر بھاکر نے پوچھا: ”تم روکیوں رہی ہو؟“
کانت: ”اب کیا ہو گا؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”تم نے میرے جانے کا مسئلہ مالی رادہ کی مرضی
حکم پر ڈال کر بڑی عقل مندی کی وہ نہ یہ مجھے اسی وقت نکلوا دینی راج بھون سے۔“
لیکن پر بھاکر کو دوسرے اندیشے ستا رہے تھے، بولا: ”رجنی کانت! اگر
کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا۔ میری قسمت ہی خراب ہے۔ میں ایک حکم ہونے اور
خواہشیں نکلنے کا سنہری موقع ملا تھا جو باتوں میں اور پھر ابلبائی کی مداخلت
میں ضائع ہو گیا۔“

رجنی کانت بھی ادا اس ہو گئی بولی: ”جی تو پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ہمیں جو
اتفاق یہ موقع مل گیا ہے وہ پردوں والے تیر کی طرح اڑا چلا جا رہا ہے۔ آخر وہ خوش
بختی کے لمحے اڑ گئے، بھاگوان سماں گزر گیا۔“

پر بھاکر نے کہا: ”لیکن ہمیں مالوس نہیں ہونا چاہیے۔ زندگی ہے تو اور
موقع ملیں گے۔ شاید قسمت پھر یاد دہی کر جائے۔“

رجنی کانت نے پوچھا: ”اب میں کیا کروں؟“
پر بھاکر نے اپنا سوال کر دیا: ”اب تم کیا چاہتی ہو؟“

رجنی کانت نے جواب دیا: ”بہر حال کمرے میں بند ہونے کا موقع نہیں رہا۔
اس کے علاوہ کچھ سوچو۔“

پر بھاکر نے کہا: ”پھر مالی رادہ کے حکم یا خود ان کا انتظار کرو۔ وہ جیسا کہیں
اس پر عمل کیا جائے۔“

رجنی کانت نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پر بھاکر کو دیکھا: ”تو گویا اب میں مالی
رادہ کے پاس چلی جاؤں گی؟“

پر بھاکر نے جواب دیا: ”ہاں مجبوری ہے۔“

رجنی کانت نے سر دھڑا کر بھری: ”پر بھاکر! سوچو تو یہی، یہ کتنی عجیب سی
بات ہے کہ کچھ دیر پہلے جب ہم دونوں اس کمرے میں اخل ہوئے تھے تو
دونوں ہی کی آنکھیں اس طرح برس رہی تھیں جس طرح اب برس رہی ہیں
انداب جہانی کے وقت بھی ہماری آنکھیں چہرے میں پہلے خوشی کے آنسو تھے
اور اب غم کے آنسو ہیں۔“

کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش رہے۔ اچانک پر بھاکر نے رجنی کانت کی

۱۵۷

مہری سے اس کو قبول کر لیا۔ انہوں نے پربھاکر کی کہانیاں دوسروں سے سنی تھیں۔ انہیں پربھاکر سے سخت شکایتیں تھیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ پربھاکر کے راج دربار میں پہنچنے اور راج بھون میں رہنے سے آسودگی حاصل ہوگی مگر پربھاکر تو کچھ اور ہی نکلا اور دوسرے ہی چکر دوں میں پڑ گیا۔

پربھاکر اپنی کوٹھڑی میں پڑ رہا۔ اس کو ٹھہری میں اپنا تیت تھی، اناؤسیت تھی، بے تکلفی تھی، اختیار تھے اور قدیم شنا سانی تھی۔ اس کو ایسا لگ رہا تھا گد بادہ اس فیر خا۔ نے سے نکل کر آزاد فضا میں آ گیا ہے۔ اس نے زور زور سے سانسیں لیں۔ مختصر اور تنگ کوٹھڑی میں آزادی سے ٹہلنے لگا۔ اس نے کئی بار کھڑے ہو کر ہوا میں ہاتھ لہرائے، ٹانگوں کو جھٹکے دیئے۔ اس کی یہ حرکتیں اس کے بھائی آجہن اور والدین بھی دیکھ رہے تھے۔ ان سب کو یہ شہ نہ کہ پربھاکر کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔ پربھاکر نے آہٹ غسو س کی تو کوٹھڑی کے باہر اپنے خوفی رشتوں کو کھڑے دیکھا۔ وہ ہستنا ہوا باہر نکلا اور سب کو کوٹھڑی میں لے گیا۔ پوچھا: ”تم سب باہر کیوں کھڑے تھے۔ اندر کیوں نہیں آتے؟“ ماں نے پوچھا: ”پربھاکر! ابھی تو مہماں کیا کر رہا تھا؟“ پربھاکر نے ٹٹنے کے لئے کہہ دیا۔ ماں! میں کھلی اور آزاد فضا میں سانسیں لے رہا تھا۔ خوشی منا رہا تھا۔“

باپ نے پوچھا: ”کیا تو راج بھون والپس جاتے گا؟“ راج بھون کے ذکر نے پربھاکر کے دل میں تیر پیوست کر دیا۔ ایک دم اداس ہو گیا، بولا: ”شاید نہیں، پیناجی! وہ اچھی جگہ نہیں ہے!“ باپ نے کہا: ”اگر راج بھون اچھی جگہ نہیں ہے تو پھر اچھی جگہ اور کون سی ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے تو لوگ سردھڑ کی بازی لگادیتے ہیں اور جوڑ توڑ اور سازشوں میں اپنی ساری دماغی صلاحیتیں خرچ کر دیتے ہیں۔ اب تو بتا ہے کہ وہ اچھی جگہ نہیں ہے!“

پربھاکر نے جواب دیا: ”پیناجی ہو سکتا ہے دوسروں کے لئے وہ بڑی اچھی جگہ ہو مگر میں خود کو اس ماحول میں نہیں ڈھال سکا۔ مجھ کو تو اہلیا بانی نے روکنے کی بڑی کوشش کی۔“

بھائی نے کہا: ”بھیا! آپ کو وہاں سے دولت پیلہ کرنا چاہیے تھی۔ ہم

پربھاکر نے جواب دیا: ”میں یہ بات نہیں دے، میرے بارے میں تمہارا خیال صبح ہے لیکن تم اپنے بارے میں سچ نہیں بول رہی ہو۔ پہلے تو تمہاری آنکھوں میں واقعی خوشی کے آنسو تھے مگر اب تمہاری آنکھوں میں غم کے آنسو بہ رہے ہیں، میرا خیال ہے یہ بھی خوشی کے آنسو ہیں۔“

رجنی کا نٹنے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر کہا: ”یعنی میں۔ میری آنکھوں میں غم کے آنسو نہیں ہیں؟“

پربھاکر نے جواب دیا: ”میرا تو یہی خیال ہے رجنی کانت! تم میری باتوں پر حیرت نہ کرو کیونکہ میں جوابات کہتا ہوں اس کے پیچھے میرا تجربہ، مشاہدہ اور معلوم نہیں کیا کچھ شامل ہوتا ہے، میرے آنسو واقعی غم کے آنسو ہیں۔ سمجھنے کے سوگ میں، نیک تمہارے آنسو خوشی کے ہیں۔ مانی ماؤ سے ملاقات کی خوشی کے آنسو، شیو جی کے ادارہ کی عزت میں جانے کی خوشی کے آنسو۔“

رجنی کانت نے سر آہ بھری: ”انہوں نے پربھاکر کہ میں نہیں بدل نہیں سکتی میں ذیہ سمجھتی ہوں کہ تم چاہے کتنے ہی بڑے ودھوان کیوں نہ ہو لیکن تم میں اعتقاد کی کمی ہے، اس اعتماد کی جو آدمی کو اپنی ذات پر ہوتا ہے تم عورت پر شک کرتے ہو اور شک کا کوئی علاج نہیں کیونکہ یہ شک تمہارے خیالوں، احساسات بلکہ عقیدوں میں رچ بس گیا ہے۔“

پربھاکر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ اس پر مایوسیوں اور محرومیوں نے یلغار کر رکھی تھی۔ راج بھون میں وہ کسی قیدی کی طرح تھا۔ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ ہنسیا بائی، مانی ماؤ اور ان کے خدمت گار اس کے نگران تھے۔ وہ رجنی کانت کو راج بھون کی حدود میں رہ کر نہیں اپنا سکتا تھا۔ اور راج بھون کی حدود کیا معنی، اناؤسیت بلکہ مالوے کی حدود میں ایسا ناممکن تھا۔ اس کے اندر پھیل چھی ہوئی تھی طوفان آیا ہوا تھا۔ بھونچال سے پورا وجود لرز رہا تھا۔

رجنی کانت بھی بے حد غمزدہ تھی۔ اس شکی اور دہمی نوجوان نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔

✱

پربھاکر نے راج بھون چھوڑ دیا۔ اور اپنے گھر چلا گیا۔ گھر والوں نے سرد

لوگوں کی غریبی سے کیا آپ واقف نہیں تھے؟

بہن منہ بسورے کھڑے تھی۔ میں نے اپنی سہیلیوں سے بڑی شیخیاں بکھیری تھیں اور ان سے کہاں تک کہہ دیا تھا کہ اب وہ دن زیادہ دور نہیں ہیں جب ہم لوگ اس چھوٹے اور گندے مکان کو چھوڑ کر کسی شاندار اور صاف ستھرے مکان میں چلے جائیں گے۔

پر بھاکر نے دونوں کو جواب دیا۔ ”میں اپنی غریبی سے بھی واقف تھا اور اس سے بھی کہ میری چھوٹی بہن اپنی سہیلیوں میں کیسی شیخیاں بگھا رہی ہو گی۔ لیکن تم لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ راج دربار اور راج بھون میں کیا ہوا ہے۔ وہاں نقصا لغشی کا عالم ہے۔ وہاں خود عورتیاں ہیں۔ نفرتیں ہیں۔ عداوت ہے، ایک دوسرے کے خلاف کینہ ہے۔ وہاں رشتوں کا احترام نہیں ہے وہاں آدمی بگچوڑ سکتا ہے شہر میں سکتا۔ اگر پرائیڈ کا یہ قول سچا ہے کہ بڑا ماحول اچھوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے تو ہر شریف اور مسجد آبادی کو اس سے بچنا چاہیے۔“

باپ نے غصے میں کہا۔ ”تو بایوں کا سا ہوا کا ہے، عقلمند آدمی اپنے ماحول سے اپنے کام کی باتیں لے کر باقی کو مسترد کر دیتا ہے۔“

ماں نے پوچھا۔ ”پر بھاکر بیٹے، میں تیرے باپ یا تیری طرح عقل مند تو نہیں ہوں۔ مجھے تو تو یہ بتانا کہ اب کیا ہو گا اور اس گھر سے مفلسی کبھی جائے گی یا یوں ہی روپیٹ کر مرنے کی کڑی سی۔“

پر بھاکر نے بے زاری سے جواب دیا۔ ”ماں! میں راج بھون میں کچھ دن رہ کر ہی اتنا تھک گیا ہوں کہ ابھی واپسی کی ہمت نہیں ہے، مجھ کو ذرا سستا لینے دو، اس کے بعد کچھ بتاؤں گا۔“

باپ نے غصے میں سب کو دھکے دے دے کر باہر نکالنا شروع کر دیا۔ سب باہر نکلے، مہاراج کو سستا نہ دے۔

ماں نے باہر جانے سے انکار کر دیا۔ مگر ہر کام تھا جھٹک کر وہیں کھڑی رہی بولی۔ ”تو یہ بات تو کہنے دو۔“

لیکن پر بھاکر کے بھائی بہن باہر نکال دیئے گئے۔

ماں نے پر بھاکر کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ ”پر بھاکر! میں یہ نہیں

ہتی کہ تو آرام نہ کر، نہ سستا لیکن بس میرا اتنا کہنا مان لے کہ تو ایک بار پھر راج بھون چلا جا اور کسی بھی طرح وہاں سے اتنا کمال کہ ہم سب سکھ چھین کی زندگی گزار سکیں۔ اگر پیاسا کنوئیں کے پاس پہنچ کر پیاسا ہی واپس آجاتے تو دنیا دلے اس کو احمق کہیں گے۔“

پر بھاکر کا باپ اپنی بیوی کی شاندار مثال سے خوش ہو گیا، بولا۔ ”پر بھاکر! ذرا سوچ تو سہی تیری ماں نے کتنی شاندار اور کام کی مثال دی ہے شاید میں خود اتنی اچھی مثال نہیں دے سکتا تھا۔“

پر بھاکر نے پچھا چھڑانے کے لئے جواب دیا۔ ”اچھا بھائی چلا جاؤں گا مگر چند دن آرام کر کے۔“

ماں باپ دونوں نہال ہو گئے۔ باپ نے بیوی کا ہاتھ پکڑا اور باہر لے جاتا ہوا بولا۔ ”چلو چلیں، اب اس کو پریشانی مت کر دو۔ میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ پر بھاکر ہماری بات ٹالے گا نہیں۔“

دونوں باہر نکل گئے۔ پر بھاکر نے دماغی کھنچاؤ کی اذیت سے آنکھیں بند کر لیں اور ماضی قریب میں گم ہو گیا۔

شام کو مہیر کے سب سے بڑے مندر سے ایک بھاری آیا۔ سرگٹھا ہوا، جسم دھوئی میں چھپا ہوا۔ پاؤں میں لکڑی کی کھڑاؤں۔ اس نے مار دھاٹ

لوگوں کی بستی میں پر بھاکر کا پتہ پوچھا۔ ایک لڑکے نے پر بھاکر کے دروازے پر اس کو پہنچا دیا۔ پر بھاکر باہر نکلا اور بھاری کو پہچان لیا۔ پر دھت کا چیل

میشوری تھا۔ پر بھاکر اس کو احترام سے اپنی کوٹھری میں لے جانے لگا لیکن

میشوری نے کہا۔ ”پر بھاکر جی! اس وقت میں جلدی میں ہوں اور بہت ادا اس ہوں۔“

یہ کہتے کہتے وہ رو دیا۔ پر بھاکر نے پوچھا۔ ”بات کیا ہے میشروری جی؟“

میشوری نے جواب دیا۔ ”اپنے پر دھت جی سوز گرائیں ہو گئے۔“

پر بھاکر بھی سناتے میں آ گیا۔ حالانکہ وہ اس خبر کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ آہستہ سے کہا۔ ”یہ تو بہت بڑا ہوا۔“

میشوری نے کہا۔ ”اچھا ہوا یا برا ہوا لیکن جو ہونا تھا ہو گیا۔ رات کو ارٹھی اٹھے گی اور کرایا کر م ہو جائے گا۔ جی کانت کی خواہش تھی کہ ان آخری رسوم

میں تم بھی شریک ہو جاؤ۔

پھر بھاکر نے پوچھا۔ ”رجنی کانت کہاں ہے؟“

جواب ملا۔ ”مندر کے آشرم میں“

پھر بھاکر نے پوچھا۔ ”کیا کر یا کر میں راج دربار کے لوگ بھی آئیں گے، راج بھون سے کون کون آئے گا؟“

مہیشوری نے جواب دیا۔ ”دیوی اہلیا بائی بھی آئیں گی“

”اور مہاراج مالا راڈ بھی؟“

مہیشوری نے جواب دیا۔ ”شاید وہ نہیں آئیں گے۔ کیونکہ وہ خود کو چلا چلا کر شبیر جی کا ادا تار کہہ رہے ہیں اور شبیر جی کا ادا تار معمولی پیر وہت کے کر یا کر میں کیوں شریک ہو؟“

پھر بھاکر نے کہا۔ ”اچھا تم چلو اور رجنی کانت سے کہہ دینا کہ میں آ رہا ہوں۔ میں ضرور آؤں گا۔“

مہیشوری فرما ہی چلا گیا۔ پھر بھاکر مندر جانے کی تیاری کرنے لگا۔

*

*

*

مندر کی حدود میں بڑی بھڑکی مہیسر کی آبادی کا بیشتر حصہ پیر وہت جی کی آشرمی رسوم میں شریک ہونے کے لئے آ گیا تھا۔ پھر بھاکر بھی پہنچ گیا۔ یہاں بجا ریوں اور دیوداسیوں نے پھر بھاکر کا شکستہ دل اور افسوس سے استقبال کیا۔ انہیں یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ پھر بھاکر نے راج بھون خالی کر دیا ہے جس سے وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ عقلمند پھر بھاکر نے دیوانے مالا راڈ کے ظلم کو پسند نہیں کیا اور احتجاجاً علیحدگی اختیار کر لی ہے۔

وہ دیوداسیوں کے آشرم میں رجنی کانت کے پاس چلا گیا۔ اس وقت رجنی کانت کے پاس کئی اور بجا ری بھی موجود تھے۔ سبھی پھر بھاکر کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

رجنی کانت بیماروں کی طرح اٹھی اور آہستہ سے کہا۔ ”میرا خیال تھا تم نہیں آؤ گے۔“

پھر بھاکر نے بھی آہستہ سے کہا۔ ”رجنی کانت! تم بلاؤ اور میں نہ آؤں

ایسی نوکونی بات نہیں۔“

رجنی کانت نے بجا ریوں کی طرف دیکھا۔ ”پھر بھاکر جی! پیر وہت جی کی افسوسناک موت نے پورے مہیسر میں کھرا م برپا کر دیا ہے۔ یہ کیسا ظلم ہے جو ایک حکمران کے ہاتھوں ہو گیا۔“

پھر بھاکر دوسروں کے سامنے مالا راڈ کے خلاف زبان نہیں کھولنا چاہتا تھا اس لئے چپ سا دھڑکی۔

ایک بجا ری نے کہا۔ ”ابھی کچھ دیر پہلے مالا راڈ جی کی طرف سے یہ خبر بھی گئی ہے کہ وہ پیر وہت جی کی موت سے بہت ملول ہیں اور انہوں نے پیر وہت جی کے نام سے دان جن کا منصوبہ بنایا ہے۔ وہ غنقریب مندر میں سونے چاندی کے تھاں بھینے دلے ہیں۔“

پھر بھاکر نے پوچھا۔ ”آخری رسوم کے ادا ہونے میں ابھی کتنی دیر باقی ہے؟“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”شاید دیوی اہلیا بائی کا انتظار ہے۔“

پھر بھاکر نے کہا۔ ”مہیشوری پر شاد کہاں ہیں؟“

رجنی کانت نے بجا ریوں سے کہا۔ ”تم لوگ باہر جاؤ اور دیکھو کہ مہیشوری پر شاد جی ہیں یا نہیں، اس کے علاوہ اہلیا بائی جی جیسے ہی آئیں ہمیں بتا دیا جائے۔“

بجا ری چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد رجنی کانت نے پھر بھاکر کو مطلع کیا۔ ”پھر بھاکر جی! تم دیوی اہلیا بائی سے اجازت لے کر اپنے گھر چلے گئے۔ مہاراج مالا راڈ اس سے ناخوش ہیں۔ بس اپنی ماں کی وجہ سے ذرا خاموش ہیں۔ پھر بھاکر دہل گیا، بولا۔ ”رجنی کانت! میں بہت جلدی مالوہ چھوڑ دوں گا۔“

رجنی کانت چونک پڑی۔ ”مالوے کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟“

پھر بھاکر نے جواب دیا۔ ”رجنی کانت! جس علاقے کا راجہ ذہنی توازن کھو چکا ہو وہاں کوئی شخص محفوظ نہیں ہوگا۔ پیر وہت جی کی موت اور بجا ریوں کی بیمار جمعیت اس کا ثبوت ہے۔ اس لئے میں کسی بھی دن یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

رجنی کانت نے کہا۔ ”میرا خیال ہے تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔“
 پربھاکر نے جواب دیا۔ ”رجنی کانت! جان ہے تو جہاں ہے میں بہت
 خود فرود ہوں۔“

ایک پجاری نے مطلع کیا۔ ”دیوی اہلیا بائی جی آچکی ہیں۔“
 رجنی کانت کھڑی ہو گئی۔ پربھاکر سے کہا۔ ”جلو اب پردہت جی کی
 آخری رسوم میں شریک ہوں۔“

پربھاکر کھڑا تو ہو گیا۔ مگر اس کے پاؤں بڑکھڑنے لگے۔ بولا۔ ”رجنی کانت
 اگر میں یہیں بیٹھا ہوں تو کوئی ہنس نہ نہیں۔ میں واجب الاحترام خادون کا سامنا
 نہیں کر سکتوں گا۔“

رجنی کانت نے کہا۔ ”نہیں، تم ڈر نہ نہیں، دیوی اہلیا بائی سے ڈرنے کی
 کوئی وجہ نہیں اور مالی رات جی یہاں آئیں گے نہیں، جب تم یہاں تک آتے ہو
 تو آخری رسوم میں بھی شرکت کر لو۔“

پربھاکر ہمت کمر کے رجنی کانت کے ساتھ ہو لیا لیکن اس کے دل
 کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ پاؤں رکھنا کہیں تھا جو پڑتا کہیں تھا۔ آنکھوں
 کے آگے دھند چھا گئی تھی۔

✱

✱

✱

پردہت جی کی ارتھی اٹھی تو مندر کی حدود میں قیامت برپا ہو گئی اہلیا
 بائی نے ارتھی پر پھول چڑھائے اور کچھ دیر اس کے سامنے کھڑی رہی وہ چپکے
 چپکے مدنی رہی۔ اس نے کچھ دیر بعد بڑکھڑاتی زبان میں کہا۔

”پردہت جی! میں نے یہ پاپ نہیں کیا۔ میں بے گناہ ہوں۔ مالی رات ہم سب
 کے لئے مصیبت بن گیا ہے، میں کیا کروں؟ بتاؤ میں کیا کروں؟“

وہ کچھ دیر کے لئے چپ ہو گئی۔ اچانک اس کی نظر پربھاکر پر پڑی۔
 اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔ پربھاکر کے ساتھ رجنی کانت بھی ہوئی۔ کیونکہ وہ
 دونوں کی بائیں سٹنا چاہتی تھی۔

پربھاکر اہلیا بائی کے سامنے مودب کھڑا ہو گیا۔ اہلیا بائی نے کہا۔ ”نم
 یہاں آگئے، بڑی خوشی ہوئی۔ مگر میری ایک بات یاد رکھو۔ مالی رات کے دوسرے

کار شاہد تم ہو گے۔ میں کو شمش کر رہی ہوں کہ تم محفوظ رہو لیکن تمہیں بھی
 غلط رہنا ہے۔“

پربھاکر اور زیادہ سہم گیا۔
 پردہت جی کی ارتھی شمسان لے جانے لگے تو اس کے ساتھ ساتھ کچھ
 دور تک اہلیا بائی بھی گئی۔

پربھاکر کا یہی جی چاہ رہا تھا کہ وہ راستے ہی سے واپس چلا جائے لیکن
 ہمت کمر کے شمسان تک ساتھ گیا۔ وہاں پردہت جی کو جب آگ دی جانے لگی تو
 مالی رات بھی اپنے دستے کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس کا رتھ پربھاکر کے قریب ہی رکا
 پربھاکر کی جان نکل گئی۔ مالی رات نیچے اترا اور پربھاکر کو لپکا رہا۔

”پربھاکر جی! اچھے طے، ادھر میرے پاس تو آنا۔“

پربھاکر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ”جی مہاراج!“

مالی رات نے کہا۔ ”میں نے سوچا، پردہت جی کے نام پر دان پڑنے کا یہی
 بہترین موقع ہے میں روپے لے کر نہیں آ گیا۔“

کچھ دیر بعد ارتھی جلنے لگی۔ مالی رات برہمنوں میں روپے تقسیم کرنے لگا۔
 آخر میں جب لوگ واپس ہونے لگے تو مالی رات نے پربھاکر کو اپنے رتھ
 لٹا بٹھایا بولا۔ ”پربھاکر جی! تم بھی عجیب آدمی ہو۔ مجھ کو بتائے بغیر ہی ناح بھون
 بے قرار ہو گئے۔“

پربھاکر کا پورا وجود کپکپا رہا تھا۔ اس نے کپکپاتی آواز میں جواب دیا۔ ”مہاراج
 نے دیوی ماں سے اجازت حاصل کر لی تھی۔“

مالی رات نے حقارت سے منہ بنا کر کہا۔ ”دیوی ماں کون ہوتی ہیں تمہیں
 بات دینے والی، تمہیں مجھ سے پوچھنا تھا، تمہیں مجھ سے اجازت لیننی تھی۔“

پربھاکر نے خوشامد انداز میں کہا۔ ”مہاراج! وہ تو واجب الاحترام مقدس
 آئوں ہیں۔ ان کی سبھی عزت کرتے ہیں اور وہ آپ کی ماں ہیں۔“

مالی رات نے برہمن سے کہا۔ ”میں جانتا ہوں وہ میری ماں ہیں۔ لیکن میں اپنے
 ٹاٹ میں کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتا۔“

پربھاکر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ”آئندہ میں خیال رکھوں گا۔“

مالی رات ہنس دیا۔ بولا۔ ”ہاں تمہارا یہ جواب درست ہے۔ زیادہ ہیر پھیر سے

نے رجنی کانت تمہارے حوالے کر دی۔ کیا اس سے بڑی نوازش کا تصور کر سکتے ہو؟
 پر بھاکر نے عرض کیا۔ ”بس بس مہاراج، میرے لئے اتنی بہت ساری
 ہمیں دہانیاں کافی ہیں۔“

مالی راؤ فوراً چلا گیا۔ جانے جاتے کہتا گیا۔ ”تم آزادی سے رہو لیکن میری
 ان کے تابع بن کر نہیں، میرے تابع فرمان بن کر۔“
 مالی راؤ چلا گیا اور اس کے جاتے ہی ایک بار پھر پر بھاکر کی طبیعت
 کھڑکتی۔ خوف جودل کے اندر کہیں دیک، سمٹ گیا تھا، ایک بار پھر پلورسی
 نعت اور جوش سے عود کر آیا۔

*

*

*

پر بھاکر راج بھون میں دوبارہ پہنچ گیا۔ یہ خبر عام ہو گئی۔ اور پر بھاکر
 کے گھروالے بہت خوش ہو گئے۔ لیکن شیواجی کے بچاریوں اور دیوداسیوں نے
 یہ خبر دیکھ اور تشویش سے سنی۔ رجنی کانت ضرورت سے زیادہ پریشان ہو گئی۔ راج
 بھون میں اہلیا بائی فکرمندی تھی۔

پر بھاکر کو راج بھون میں آتے ہی پندرہ دن گزر گئے مگر اس سے کوئی کام
 نہیں لیا گیا۔ یہاں تک کہ مالی راؤ نہ تو اس سے خود ملا اور نہ ملنے کے لئے بلوایا۔ وہ
 پریشان ہو چکا تھا۔ اس تنہائی اور بے کاری میں رجنی کانت بڑی شدت سے
 ملتی رہی۔

ایک رات کو جب کہ وہ بستر پر جا چکا تھا اور سونے کی کوشش کر رہا تھا
 لا راؤ نے دوڑا کر اس کے پاس بیٹھ دیا۔ دوڑا کر اس کے پاس بیٹھ گیا کہ مہاراج
 فرما رہے ہیں۔

پر بھاکر فوراً ہی مالی راؤ کے پاس چلا گیا۔
 مالی راؤ نے اسے بڑے تپاک سے لیا اور کہا۔ ”پر بھاکر جی، عقل کی باتیں
 غصہ گند گیا۔ آج جی گھبرا یا تو تمہیں بلوایا۔“

مالی راؤ کے ارد گرد خوشامی بیٹھے تھے۔ پر بھاکر نے ان سب پر اچھی نظر
 ڈالی اور پوچھا۔ ”تو مہاراج خود ہی بتا دیں کہ کس قسم کی باتیں کر دیں؟“
 مالی راؤ نے خوشامیوں کی طرف اشارہ کیا بولا۔ ”کچھ ان لوگوں کی بابت

بات بگڑ جاتی ہے بنتی نہیں ہے۔“
 پر بھاکر کی جان میں جان آئی۔ طبیعت ٹھہر گئی۔ پسینے سے اس کے کپڑے
 جھبک گئے تھے۔ خوف کا پسینہ اس کی پیشانی پر بھی موجود تھا۔ مالی راؤ خاموش ہو
 چکا تھا۔ پر بھاکر بھیگی ہلی بنا بیٹھا رہا۔
 مالی راؤ کا رخ راج بھون میں داخل ہو گیا۔ مالی راؤ انرا تو پر بھاکر
 بھی انتر پڑا۔

مالی راؤ نے بے تکلفی سے پر بھاکر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے کمرے کی طرف
 لے چلا۔ وہ ہاتھ کو کبھی دبا دیتا کبھی ڈھیلا چھوڑ دیتا۔ کمرے کے سامنے پہنچ کر
 بولا۔ ”میں نے تمہارے کمرے کو جوں کا نوں رکھا ہے اس لئے کہ میں تم جیسے
 لائق فائق نوجوان کو راج پاٹ سے نہیں نکال سکتا۔ راج بھون تمہارا مکان رہے گا
 پر بھاکر کا حوصلہ بڑھ گیا۔ کمرہ کھلوایا گیا۔ مالی راؤ اس کو اپنے ساتھ لے
 کمرے میں داخل ہوا بولا۔ ”خیر راجو تم نے پھر بھاکر کی کوشش کی میرے ہاتھ پہنچ
 لیے ہیں وہ ہر کہیں پہنچ جائیں گے۔“
 پر بھاکر نے ڈرنے ڈرنے جواب دیا۔ ”مہاراج! اگر میں کچھ عرض کر دوں؟“
 اس کا بڑا انو نہیں مانیں گے۔“

مالی راؤ نے ہنس کر کہا۔ ”کمال ہے پہلے تو تم نے ایسی کوئی آجانت نہیں
 مانگی تھی۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“
 پر بھاکر نے عرض کیا۔ ”میں مہاراج کے عتاب اور غلبہ سے خوفزدہ
 ہو گیا ہوں۔“

مالی راؤ قہقہہ مار کے ہنس دیا۔ ”تم بہرہوت اور سبکاریوں کی بابت سیر
 رہے ہو گے لیکن تم یہ بھول گئے کہ میں مہاراج کے علاوہ شیواجی کا اتنا بھی ہوں
 اور تم شیواجی کی مال سے تو ضرور ہی واقف ہو گے۔ شیواجی کی مال سانپ ہے
 شیواجی کا اتنا اگر اپنی والا اور بھجودوں سے لوگوں کی سواکت کروں تو اس میں ہین
 یا افسوس کی کیا بات ہے۔“

مالی راؤ کے جواب نے پر بھاکر کو ایک بار پھر سہا دیا مگر مالی راؤ نے یہ کہ
 کمرہ بات ہی ختم کر دی کہ ”پر بھاکر! میں تم پر مہربان ہوں اور یہ مہربانیاں اس وقت
 تک قائم اور برقرار رہیں گی جب تک تم کسی بہت بڑی شکایت کا موقع نہ دو۔“

ہی کہہ ڈالو۔

پربھاکر سکھادیا، بولا، ”ان لوگوں کی بابت کچھ کہنا بہت آسان ہے لیکن کچھ سے پہلے جان کی امان دی جاتے“

مالی راقیہ سنا کر ہنس دیا۔ ”پربھاکر جی! تم ڈرتے کیوں ہو اس قدر؟ پربھاکر نے جواب دیا، ”شہر (لفظ) جو زبان سے نکل جاتے ہیں، ان کی مثال تیر سے دی جاتی ہے۔ زبان سے نکلے لفظ اور کمان سے نکلے تیر واپس نہیں آتے۔ اجانت اور جان کی امان یوں چاہتا ہوں کہ میں تو آزادی سے کچھ کہہ کر مردوں اور آپ ناراض ہو جاؤں“

مالی راقیہ نے بے نیازی سے کہہ دیا، ”اجانت ہے، امان دی“

پربھاکر کو اسی لمحے اپنے گھروالوں کا خیال آ گیا جو اس سے مال دہرے کی توقع لگائے بیٹھے تھے۔ اس نے اس بہترین موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ لیا۔ بولا، ”تو مہاراج! اجانت ہے؟“

مالی راقیہ نے جواب دیا، ”اجانت“

پربھاکر نے کہنا شروع کر دیا، ”مہاراج! خوشامدی مکھیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ مٹھاس کی ہوس انہیں اڑاتے رکھتی ہے جس طرح مکھیاں اپنے گندے دھوڑے سے مٹھائی یا کھانے کی دوسری چیزوں کو مسموم کر دیا کرتی ہیں۔ اسی طرح خوشامدی اپنے ممدوح کو مسموم کر دیتے ہیں“

مالی راقیہ جوشِ مسرت سے بول اٹھا، ”خوب خوب، واہ وا!“

خوشامدیوں نے منہ بنایا مگر بظاہر ہنستے رہے۔

پربھاکر نے مزید کہا، ”اور مہاراج! پیر کا پھل جب درخت میں نہیں رہتا تو چڑیا درخت کو چھوڑ دیتی ہیں، سو کھئے نالاب سے بگڑے اڑ جاتے ہیں۔ آتش زدہ جنگل کے کنارے سے بہن چھپت ہو جاتے ہیں۔ کنہیاں مفلس سے کوسوں دور بھاگتی ہیں۔ خوشامدی تباہ حال راجہ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ہر شخص اپنے فائدے کی تلاش مقدم سمجھتا ہے“

مالی راقیہ نے رشک سے کہا، ”شاباش! تمہیں کیا عقل ملی ہے؟“

پربھاکر نے عرض کیا، ”مہاراج کی عنایت ہے۔ کس زبان سے شکریہ

ادا کروں“

مالی راقیہ نے خوشامدی دہیادوں کو ذلیل کرنا شروع کر دیا۔ ”میرے خوشامدی دہرہ بارہو! پربھاکر کی باتوں کے بارے میں تم سب کیا کہتے ہو؟“

انہوں نے متفقہ طور پر جواب دیا، ”مہاراج! اس کی سامی باتیں درست ہو سکتی ہیں لیکن اس کی یہ بات غلط ہے کہ خوشامدی تباہ حال راجہ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اول تو بھگوان نہ کرے مہاراج پر کوئی ذلت پڑے، آناٹش منظر ہے ہم ہمیشہ وفادار نکلیں گے“

مالی راقیہ نے پربھاکر کی طرف دیکھا۔ ”بول، اب تو ان کے جواب میں کیا کہتا ہے؟“

پربھاکر نے جواب دیا، ”آناٹش منظر ہے۔ آپ ان سے وہ سلوک شروع کر دیں جو کوئی تباہ حال راجہ کر سکتا ہے، پھر ان کی وفاداریاں اور ان کا اخلاص آپ کے سامنے آجائے گا“

مالی راقیہ بہت خوش تھا، بولا، ”اچھا میں انہیں آزماؤں گا۔ صرفہ آزماؤں گا“

خوشامدی بہت برہم تھے اگر مالی راقیہ کا خوف نہ ہوتا تو وہ پربھاکر کی مروت کر دیتے۔ انہوں نے موضوع بدل دینے کی کوشش کی۔ انہیں پربھاکر کی غربت اور افلاس کا خوب علم تھا۔ ایک نے کہا، ”مہاراج! پربھاکر جی سے ذرا یہ پوچھتے کہ اس کا افلاس اور غربت کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

مالی راقیہ نے کہا، ”ہاں ہاں، پوچھو پوچھو، پربھاکر جی سے پوچھو“

ایک خوشامدی نے پربھاکر سے سوال کیا، ”پربھاکر جی! اگر تم ایسا نملہ ہو تو دولت اور افلاس کی بابت اپنے سچے خیالات کا اظہار کرو گے ورنہ جھوٹ بول جاؤ گے“

پربھاکر نے مالی راقیہ کی طرف دیکھا، ”مہاراج! میں ایک صاف گواہ ہوں میں غریب خاندان کا ایک فرد ہوں، لیکن میں غربت اور افلاس سے نفرت کرتا ہوں میں افلاس پر موت کو ترجیح دوں گا کیونکہ موت سے وقتی اور معمولی تکلیف ہوتی ہے مگر افلاس زندگی بھر اذیت میں مبتلا رکھتا ہے“

مالی راقیہ ہنس کر پوچھا، ”اگر یہ بات ہے تو تو زندہ کیوں ہے؟ مگر کیوں نہیں جاتا“

سمجھا اور، دک کیوں گئے؟

پربھاکرنے کہنا شروع کیا۔ ”مہاراج! جہاں افلاس آتا ہے وہاں سبک ساری ضرور آتی ہے اور سبک ساری کے بعد ایمان داری کا رخصت ہو جانا یقینی ہے اور جب ایمان داری گئی تو آدمی حقیر ہو گیا۔ جب حقیر ہوا تو حوصلہ پست ہوا۔ حوصلے کے پست ہوتے ہی مایوسی غلبہ کرتی ہے اور جب مایوسی غالب آتی تو عقل نتج اور عقل کے جاتے ہی تباہی نازل ہو جاتی ہے۔ غرض یہ کہ افلاس ساری ہمتوں کی جڑ ہے۔“

اس تقریر نے پربھاکرنے کے مخالفوں کو بھی متاثر کیا اور وہ رشک سے دیکھنے لگے۔

مالی راق نے کہا۔ ”پربھاکر جی! ہم نے افلاس کی مذمت کر کے سمجھے مجھ پر بھوکہ دیا ہے کہ میں تمہارے افلاس کا علاج کر دوں لیکن تم نے دولت کی تعریف نہیں کی۔ میں تمہاری زبان سے دولت کی تعریف سنا چاہتا ہوں۔“

پربھاکرنے کہا۔ ”مہاراج! دولت کی سب سے بڑی تعریف یہ ہے کہ یہ اس کی عزت کر دیتی ہے جو عزت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس کا طلب گار بنا دیتی ہے جس سے کوسوں دور بھاگنا چاہیے۔ اس کا ڈنکا بجا دیتی ہے جو ذرا سی بھی تعریف کا مستحق نہ ہو۔“

پربھاکرنے میدان مار لیا تھا اس کی باتوں نے مالی راق کو اتنا متاثر کیا تھا کہ اس نے اسی وقت نقص و سرور کا حکم دیا اور علم و دانش کی محفل گھڑی بھر میں ناچ گانے کی ہنرم بن گئی۔ یہ سب کچھ پربھاکر کے اعزاز میں ہو رہا تھا اس کے حاسر اور دربار کے خوشامدی رشک و حسد سے دانت پیس رہے تھے۔ مالی راق نے اپنے ہاتھ سے پربھاکر کو شراب کے پیالے پیش کئے گھنگھڑوں کی جھنکار، لطیف سنائی آواز کے لوح اور ترنم۔ لہرتے، بل کھاتے رقص اور ساندوں کے دل آویز سحر نے سمجھی کواخود رفتہ کر دیا۔ مالی راق نے رقص سے چہلیں شروع کر دیں۔ وہ اس سے چھیڑ چھا کر گئے لگا۔

رات کے پچھلے پہر ہنرم آجڑی تو مالی راق نے بننے میں دھت ہو کر اپنے

خوشامدیوں کے چہروں پر مدق آگئی۔ ان کے خیال میں عقلمند پربھاکر خود ہی اپنے جال میں پھنس گیا تھا۔ ان کے خیال میں مالی راق کے سوال کا پربھاکر کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ان کی نظر میں پربھاکر کے چہرے پر جی ہوئی تھیں۔ ذرا سی دیر کے لئے پربھاکر واقعی جکڑ گیا مگر اپنے ہوش و حواس مجتمع کر کے بولا۔ ”مہاراج! اگر میں راج بھون میں نہ آ گیا ہوتا اور یہ امید نہ بندھ جاتی کہ اب میں افلاس سے نجات پا جاؤں گا تو میں واقعی مرجھا ہوتا۔“

مالی راق پھر ہنس دیا۔ ”غوب۔ یہ تو ہوتی افلاس کی تعریف۔ اب کچھ دولت کی تعریف بھی ہو جائے۔“

پربھاکر نے عرض کیا۔ ”مہاراج! سچی باتوں میں کڑوا پن ہوتا ہے۔ دولت میں اچھائیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی، میرے لئے یہ دشوار ہے کہ دولت کا کوئی ایک ہی پہلو بیان کر دوں۔“

مالی راق نے جواب دیا۔ ”تو دونوں ہی پہلو بیان کر دے۔“

پربھاکر ہمت ہارنے لگا۔ ”مہاراج! ناراض ہو جاتیں گے۔“

خوشامدی منہ کھولے کان لگائے اور ہوش و حواس مجتمع کئے ہوئے پربھاکر کی باتوں پر گرفت کرنے کی فکر میں تھے۔

مالی راق نے کہا۔ ”پربھاکر جی! آج میں بہت خوش ہوں جو چاہا ہو کہہ لو، میں ناراض نہیں ہوں گا۔“

پربھاکر نے عرض کیا۔ ”مہاراج! میں نے اپنے گھر کی حالت اور اپنے گھر والوں کی باتوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دولت کا حصول مقدم ہے اور ہوش مند کو لازم ہے کہ دولت حاصل کرنے کے سوا کسی کام میں اپنی کوششیں نہ صرف کرے۔ دولت ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ دولت مند کے دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں اور مفلس کے عزیز بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ بوڑھے کے پاس دولت ہو تو وہ جوان ہے لیکن نادار جوانی میں بوڑھا ہو جاتا ہے۔ مکان کیسا ہی خوش نما کیوں نہ ہو افلاس سے بے رونق ہو جاتا ہے۔ اس آسمان کی طرح جو تاروں سے محروم ہو، اس تالاب کی طرح جو خشک ہو۔ اس شہر کی طرح جو گورستان ہو۔“

مالی راق کو اس کی باتوں میں بڑا مزہ آ رہا تھا بولا۔ ”اور، اور پربھاکر جی

رجنی کانت نے کہا۔ ”مہاراج کا اشارہ کس طرف ہے؟ میں سمجھی نہیں۔“
مالی راق نے جواب دیا۔ ”پر بھاکر کی طرف۔ وہ تو بہت ہی عقلمند انسان ہے، اس نے میرا جی خوش کر دیا۔“

رجنی کانت، پر بھاکر کی خیریت معلوم کرنا چاہتی تھی لیکن پوچھتے ہوئے خوف کھا رہی تھی، اس نے کہا۔ ”مہاراج! سنتی ہوں پر بھاکر کا آپ کے دیبا سے پھر کوئی تعلق ہو گیا ہے۔۔۔“

مالی راق نے بات کاٹ دی۔ ”تعلق ہو گیا کیا معنی، اس کا تعلق میرے دیبا سے تو تھا ہی کب تھا۔ اس دھوڑاں کو اپنے راج دربار سے کسی حال میں بھی نہیں جانے دوں گا۔“

رجنی کانت نے بڑی خوبصورتی سے اپنے مطلب کی بات مندرجہ کر دیا۔ ”مہاراج! پر بھاکر جی کی باتوں میں سوچ رہی ہوں۔ ان کے شبہ وں میں جادو ہے۔ میں نے مہاراج کے حکم پر اس کے ساتھ کچھ وقت گزارا تھا۔ اس نرہ زندگی بھر یاد رہے گا۔“

مالی راق ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ وہ لمحہ بھر رجنی کانت کی صورت تکلماء یعنی کانت! کیا یہ درست ہے کہ اس دن تم کو میں نے خود پر بھاکر کے حوالے دیا تھا۔“

رجنی کانت نے مالی راق کی آنکھوں میں وحشت اور بربریت کی چمک دوس کی، جواب دیا۔ ”حوالے کرنا کیا معنی۔ مہاراج نے ہم دونوں کو گھسیٹ کرے میں دھکیل دیا تھا۔“

مالی راق نے افسوس سے کہا۔ ”ہاں مجھے یہی بتایا گیا ہے۔ ایک بات بتاؤ۔“

رجنی کانت نے کہا۔ ”جی مہاراج! پوچھیے۔“
مالی راق نے پوچھا۔ ”میرے چلے آنے کے بعد کمرے میں کیا ہوا تھا؟ تم فلاں تہاں؟ میں کیا کرتے رہے؟“

رجنی کانت نے بے دھڑک جواب دیا۔ ”باتیں۔ کیونکہ آپ کے چلے آنے بعد آپ کی والدہ آگئی تھیں۔ وہ بھی بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھیں۔“
مالی راق مضطربانہ اٹھا اور کہنے لگا۔ ”بھگوان کی

خزانچی کو اس کے گھر سے بلوایا۔ اس وقت خزانچی سویا ہوا تھا۔ وہ آیا اور مالی راق کے حکم پر اسی وقت سونے چاندی اور روپوں سے پر بھاکر کو نوازا گیا۔ جب پر بھاکر اپنے کمرے میں جانے لگا تو اسے راستے میں حاسدوں نے روک لیا اور کہا۔ ”پر بھاکر جی! آج تم نے ہم پر بڑے سخت حملے کئے ہیں۔ یاد رکھنا، ہم اس کا بدلہ لیں گے۔“
پر بھاکر نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے کمرے میں پڑ رہا۔

صبح ہوتے ہی اس نے مال دہر اپنے گھر بھجوا دیا اور ماں باپ اور سہائی بہن کو پیغام بھیجا کہ اپنے خوابوں کی تعبیر پوری کر لو اور خوب کھاؤ پیو اور مزے کرو۔

اہلیا باقی ہر معاملے سے پوری طرح باخبر تھی۔ پر بھاکر بھی بک گیا۔ اس احساس نے اہلیا باقی کو بڑا دکھ پہنچایا۔ اب پر بھاکر کی چونکہ مالی راق سے مل گیا تھا اس لئے اہلیا باقی کے لئے غیر معتبر ہو گیا تھا۔ پھر بھی پر بھاکر کے لئے اس کے دل میں بڑی عزت تھی۔ بڑی دفعہ تھی۔ وہ پر بھاکر کو ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کتنی دن بعد رجنی کانت بھی راج بھون پہنچ گئی۔ اس کو پر بھاکر کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس سے وہ پریشان ہو گئی تھی۔ وہ ضبط و برداشت سے کام لیتی رہی کیونکہ اس کے سوا وہ اور کس پر کیا سکتی تھی۔

مالی راق رجنی کانت کو اپنی خواب گاہ میں لے گیا اور اس سے شکوہ و شکایت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مالی راق نے کہا۔ ”رجنی کانت! اگر میں راج باٹ میں لہجھا ہوا نہ ہوتا تو اب تک معلوم نہیں کتنی ملاقاتیں ہو چکی ہوتیں۔ لیکن افسوس کہ میں نہ تو خود پہنچ سکا اور نہ ہی تم میں بلوا سکا۔“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”مہاراج! کیا میں آپ کی مصروفیات سے واقف نہیں ہوں جو آپ اس کا اظہار کر رہے ہیں۔“

مالی راق نے کہا۔ ”رجنی کانت! وہ جس کو میں نے اپنے دل و دماغ کے مہاں خانے میں دبا دیا تھا اور جس کا مذاق اڑایا کرتا تھا، اس نے مجھ کو جبریت میں ڈال دیا۔“

سو گندہ! اس دن میں نے جو کچھ کیا تھا، ہوش میں نہیں کیا تھا۔ بعد میں جب کہ کسی طرح وہ بات معلوم ہوئی تو میں غیرت سے کٹ گیا۔ لیکن پھر کھار چکا تھا۔ اس کے اچانک چلے جانے کا میں نے یہ مطلب لیا تھا کہ وہ تجلیہ پاپ کر چکا ہے اور پانی شرم سے منہ چھپا کر فرار ہو گیا ہے۔ ماما جی اس کو پشت پناہ بن گئی تھیں اس لئے میں پھر کھار کو نظر انداز کرتا رہا۔ اندر ہی اندر غیرت اور شرم کی آگ سلگ رہی تھی۔ آخر کار میں نے یہ منصوبہ بنایا کہ میں کسی بھی طرح پھر کھار کو راج بھون میں واپس لاؤں گا، پیار سے، محبت سے پیار پیار ہی باتوں سے اور پھر اس کو ہلاک کر دوں گا۔“

رجنی کانت لہر لڑ گئی بولی۔ ”لیکن مہاراج! وہ تو بے گناہ ہے بالکل بے گناہ۔“

مالی راؤ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”سن تو سہی خواہ مخواہ بول جا رہی ہے۔ میں اس کو شمسان سے پکڑ لایا۔ اب میں اس پر مہربان ہو گیا۔ لیکن رجنی کانت بتم یقین کرو۔ اس رات پھر کھار جی نے جو سحرمانہ باتیں یہ اور جس علم و فضل کا مظاہرہ کیا، اس نے میری کایا پلٹ کر رکھ دی۔ میں نے الفا اکرام دے کر اس کو مالال کر دیا۔ وہ اس لائق ہے کہ اس سے محبت کی جائے اس پر نوازشیں کی جائیں۔“

رجنی کانت کی جان میں جان آئی۔ مالی راؤ نے اس کی پیشانی کو چھو کر کہہ دیا۔ ”نہیں اپنے چہرے پر کھیریں اور سنسن کر بولا۔“ (وہیں نہ لہو نہ جھماؤں میں آگیا۔“

رجنی کانت نے ٹھنک کر کہا۔ ”مہاراج! آپ کی یہ باتیں اچھی نہیں لگتی کیونکہ آپ ایسی باتیں کر کے کھلا بھی بہت جلد دیتے ہیں۔“

مالی راؤ نے جواب دیا۔ ”میں اپنی داسی کو کس طرح کھلا دوں گا تو؟ میرے من مندر میں دیوی کی طرح ہر جامان ہے۔ بیشیو جی کا اوتار داسی پرستار ہے۔ یہ کتنی عجیب سی بات ہے۔“

مالی راؤ کو معلوم نہیں کیا سوچھی نہ تالی سجاتی۔ ایک داسی اندر داخل ہوئی اور دونوں کو جس حال میں دیکھ تھا اس کی تاب نہ لا کر منہ پر کھڑی ہو گئی۔

مالی راؤ نے حکم دیا۔ ”جا اور فوراً پھر کھار جی کو بلالال۔“

رجنی کانت نے ناگوار سی سے کہا۔ ”مہاراج! کوئی ایسا کام نہ کیجئے کہ آپ اس پر زندگی بھر پشیمان رہیں۔“

”ایسا کام کیا ہو سکتا ہے، یا اس وقت میں کون سا کام کروں گا جس سے زندگی بھر شرمسار رہے گی۔“

رجنی کانت نے عرض کیا۔ ”مثلاً یہی کہ ہم دونوں یہاں جس حال میں ہیں وہ ایسا نہیں ہے کہ یہاں کسی تیسرے کو آنے دیا جائے۔“

مالی راؤ فوراً سے ہنس دیا۔ ”اس میں شرم کی کوئی بات ہی نہیں۔“

رجنی کانت مالی راؤ کے بالوں کو سونچ کر کمران میں انگلیوں سے کنگھی کرنے لگی۔ ”اگر یہ بات ہے تو میں اپنے الفاظ واپس لوں گی۔“

داسی پھر کھار کو بلانے جا چکی تھی۔ مالی راؤ نے رجنی کانت پر شرم رستم شروع کر دی۔

چالاک رجنی کانت نے عین اس وقت جب مالی راؤ اپنے آپ سے نہیں تھا اور آنکھوں میں شرخی کا ذرا نظر آنے لگا تھا۔ اس نے کہا۔ ”مہاراج! میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آؤں گی۔“

مالی راؤ نے جواب دیا۔ ”جب تو میرے پاس آہی چکی ہے تو درخواست لے کر دوبارہ کیوں آئے گی جو کچھ کہنا چاہتی ہے صاف صاف ہی وقت کہہ دے۔“

رجنی کانت نے عرض کیا۔ ”مہاراج! میں پھر کھار جی کی طرف سے ہر وقت شرمندہ اور خوفزدہ رہتی ہوں۔ آپ کو اسے امان دینا پڑے گی اس کو عاف کرنا ہوگا۔“

مالی راؤ زور سے ہنسا۔ ”اچھا اور آدھی عقل والی نادان لڑکی! میں نے تو کو معاف کر دیا میں نے اس کو امان بھی دے دی لیکن اب اگر اس نے ویسی بات کی تو میں بے گناہ نہیں کروں گا۔“

خدا اسی آہٹ پر دونوں نے سامنے کی طرف دیکھا۔ دوسرے ہی لمحہ ان دونوں کے سامنے پھر کھار اس طرح کھڑا تھا کہ اس کی نظریں پختہ قرش پر تھیں اور دماغ مالی راؤ کے خلاف سوچنے میں مشغول تھے۔

مالی رات نے پر بھا کر کو جلائے کے لئے اس کو آواز دی۔
”پر بھا کر جی!“

پر بھا کر مالی رات کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ”جی مہاراج!“
مالی رات نے رجنی کانت کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ کون ہے؟“
پر بھا کر نے خشک آواز میں جواب دیا۔ ”رجنی کانت!“
”یہ کون ہوں؟“

”مہاراج مالی رات!“

مالی رات ایک دم برہم ہو گیا۔ ”جھوٹے کہیں کے، میں شیو جی کا اوتار ہوں اور میری داسی، اس کے علاوہ ہر بات غلط، ہر بات جھوٹ!“

پر بھا کر نے جواب دیا۔ ”مہاراج اور رجنی کانت کے ان سڑیوں سے بھی واقف آہن بے شک آپ شیو جی کے اوتار اور رجنی کانت آپ کی داسی ہے!“

مالی رات، پر بھا کر کے سامنے ہی رجنی کانت سے بے تکلف ہو گیا۔
پر بھا کر کے دل پر آکر سے چل رہے تھے اور رجنی کانت شرمندہ ہو رہی تھی۔
”جی جیو اور بے بس تھے۔ پر بھا کر اتنا دل برداشتہ ہوا کہ سر جھکا کر رونے لگا۔
”مہاراج! مجھ پر رحم کرو۔ میرا امتحان نہ لو۔“
لیکن مالی رات خدا نہ پسینا۔ اس وقت وہ ایک دوسرا ہی مالی رات تھا

رحم، مروت اور ہمدردی سے محروم۔

*

*

*

پر بھا کر کے حاسدوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ مالی رات نے اس کو رجنی کانت کے سامنے خوار کیا ہے تو بہت خوش ہوئے۔ خود پر بھا کر ایک بار پھر راج بھون سے بیڑا ہو گیا۔ اہلیا بانی بھی اس سے کسی حد تک ناراض ہو چکی تھی۔ پر بھا کر کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کس کا سہارا پکڑے۔

پر بھا کر نے ایک بار پھر فرار کا منصوبہ بنانا شروع کیا لیکن اندر رجنی کانت اسے روک رہی تھی اور بے چشم نم اس سے کہہ رہی تھی کہ اگر فرار

ہونا ہے تو مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔

رجنی کانت دودن مالی رات کے پاس رہی اور چلی گئی۔

اہلیا بانی بہت اداس رہنے لگی تھی وہ اپنے، مالی رات کے اور اندر کے مستقبل کی طرف سے بہت فکر مند بلکہ نا امید تھی۔ درباری، بڑے لوگ مالی رات کی خوشامدیں لگے ہوئے تھے۔ اس کے خیال میں ایک پر بھا کر ہی ایسا تھا جو بے غرض، بے لوث اور بے جوش مخلص تھا مگر اب شاید وہ بھی کسی حد تک حرص و طمع اور خوشامد میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اب وہ پر بھا کر سے بات کرتے ہوئے ڈرتی تھی اور اسے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو اس کے اشاروں پر نہایت ہوشیار رہے چلے اور مالی رات کو قابو میں لے لے۔

اہلیا بانی نے مندر کے نئے پروہت مہیشوری پرشار سے ملاقات کی اور اس سے مشورہ پوچھا۔ ”میرے بیٹے مالی رات کی بابت عام پجاریوں کے کیا خیالات ہیں؟“

مہیشوری نے جواب دیا۔ ”دیوی جی! مہاراج آپ کے بیٹے ہیں لیکن ان کے طور طریقے وہ نہیں ہیں جو ہونا چاہئیں۔“

اہلیا بانی نے بڑے کرب سے کہا۔ ”پروہت جی! میں اس کی ماں ہوں مگر اجڑا گئی ہوں۔ مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟“

مہیشوری نے پوچھا۔ ”دیوی! آپ کیسا مشورہ چاہتی ہیں؟“

اہلیا بانی نے جواب دیا۔ ”میں اپنے اور ملہار ہونکر کے خاندان اور دولت کی برادری نہیں چاہتی۔ یہاں تک کہ اگر میں انہیں مالی رات کو ضائع کے بھی بچاؤں گی تو غنیمت سمجھوں گی۔“

مہیشوری نے اہلیا بانی کا مقصد پالیا تھا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں۔ کانوں نے جو کچھ سنا تھا ان کے مفہوم پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بولا۔ ”دیوی جی! کیا کہہ رہی ہیں اور کیا چاہتی ہیں؟“

اہلیا بانی نے جواب دیا۔ ”ہونکر خاندان کی بقا، عزت اور اندر اس کی حکمرانی برقرار رکھنے کی خواہش میں میں سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہوں۔“

مہیشوری نے کہا: "اور آپ کی یہ خواہش اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک مہاراج مای راؤ حکومت کریں گے!"
اہلیا بانی نے جواب دیا: "میں اپنے بیٹے پر رو سکتی ہوں۔ اس کی کمی برداشت کر سکتی ہوں۔"

مہیشوری نے کہا: "تب پھر دیوی جی! آپ کو پر بھاکر جی کو ملانا پڑے گا۔ رجنی کانت سے بات کرنا ہوگی۔ اگر یہ دونوں تیار ہو جائیں گے تو کسی تیسرے کو ملانے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔"

اہلیا بانی سوچتی رہی، سوچتی رہی، غور کرتی رہی۔ اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچی کہ پر بھاکر اور رجنی کانت کو اپنے اعتماد میں لینا ہی پڑے گا۔ اس نے مہیشوری پر شاد سے کہا: "پر دھمت جی! آپ وہ تیسرے آدمی ہیں جو اس سے واقف ہو گئے ہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں اور کیا کرنے والی ہوں، اس کو آپ اپنے سینے میں دفن کر دیجئے، بھلا دیجئے۔"

مہیشوری نے کہا: "دیوی جی! جو آپ چاہتی ہیں۔ آپ پر دھنیہ ہیں۔ آپ کو مبارک باد دی جا سکتی ہے۔ آپ حوصلہ مند اور سچی عورت ہیں لیکن جو کچھ آپ چاہتی ہیں وہی ہم چاہتے ہیں، سارے سچاری چاہتے ہیں۔ پورا مہیسر چاہتا ہے، پورا اندر چاہتا ہے۔"

اہلیا بانی مہیشوری سے بات کر کے سبھی شیوجی کے چہروں میں مہینگی لبان سے مندر کی فضا مہکا دی۔ دھوتی کے بادل چھوٹی بڑی لکڑی کی شکل میں اٹھنے اور پھیلنے لگے۔ اہلیا بانی نے شیوجی کے چہروں میں اپنی سبیس ٹکادی اور دل بھرنے کی وجہ سے رونے لگی۔ "شیوجی! تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کتنا بڑا اور حیرت انگیز فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ اس پر عمل کر سکیں گی یا نہیں۔ تم چاہو گے تو میرا منصوبہ پورا ہو جائے گا، نہیں چاہو گے تو ناکام رہوں گی۔ لیکن میں تم سے ہمت مانگ رہی ہوں۔ غفل اور استقلال مانگ رہی ہوں۔ صبر اور برداشت کا حوصلہ مانگ رہی ہوں۔ میں ہونکر خاندان کی عزت اور حکومت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہوں شیوجی! تم میری مدد کر دو وہ شیوجی کے چہروں سے اٹھ کر راج بھون چلی گئی اور پر بھاکر اور رجنی کانت سے بات کرنے کی تدبیریں سوچنے لگی۔

مای راؤ اس فکر میں تھا کہ وہ اپنی ماں کو ہر معاملے سے بالکل بیخبر ہی کر دے لیکن اس دیوانے میں بھی اتنی عقل موجود تھی کہ اہلیا بانی کو چھیڑنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ درباری با اثر لوگ اہلیا بانی کی بڑی عزت کرتے تھے جی ماں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا صریحاً یہ مطلب تھا کہ اپنے ارد گرد موجود اثر لوگوں کو دشمن بنالیا جائے۔

پر بھاکر نے اہلیا بانی کی نظروں میں کچھ کہنے کی خواہش محسوس کر لی۔ وہ پر بھاکر کو دیکھتی تو ہنس دیتی۔ اس ہنسی میں اہلیا بانی کا بڑا پین بہر حال موجود تھا۔ کبھی کبھی وہ پر بھاکر سے خیریت بھی پوچھنے لگی تھی۔ اور مای راؤ بھی جی ماں کے اس تعبیر کو تشویش کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

پر بھاکر نے مای راؤ سے ٹھوڑی سی دیر کے لئے گھر جانے کی اجازت لی۔ کیونکہ اس کے چھپے ہوئے مال و زر سے گھر کی حالت بدلی جا رہی تھی مای راؤ نے خلاف توقع نہ صرف گھر جانے کی اجازت دے دی۔ بلکہ الغام و لرام بھی دیا۔ پر بھاکر گھر چلا گیا۔ ماں باپ بھائی بہن پر بھاکر سے جھک کر ملے اور اس کی بلا میں لیں۔ مگر پر بھاکر کا دل خوش نہیں تھا۔ گھر کی بوسہ یواریں گر کر کئی دیواریں اٹھاتی جا رہی تھیں۔ دودھ دوانے بھی بدل دیئے تھے۔ بستر، لباس اور دھڑرہ میں کام آنے والی چیزیں نئی ہو گئی تھیں۔ کمرند اور مایوس چہروں پر مسکراہٹیں تھیں۔ تازگی تھی، شکستگی تھی اور دلورہ تھا۔ لیکن یہ چیزیں پر بھاکر کے چہرے پر نہیں تھیں۔

ماں نے یہ بات محسوس کر لی اور پوچھا: "پر بھاکر! کیا بات ہے تو اس میں ہے؟ تو گھر میں آکر خوش نہیں ہوا؟"

پر بھاکر نے جواب دیا: "ماں جی! آپ لوگ خوش ہیں تو میں بھی خوش ہوں۔ آپ میری خوشی یا ناخوشی کی فکر نہ کیجئے۔"

تین باپ اور بھائی بہن نے اس قسم کا کوئی سوال نہیں کیا۔ باپ نے اس کو پورے گھر میں گھما پھرا کر یہ بتانے کی کوشش کی کہ اس گھر کو نیا لانے میں کتنے مال و زر کی اور ضرورت پیش آئے گی۔

پر بھاکر نے کہا: "بہر حال آپ لوگ بخل سے کام نہ لیں میں مزید مال دہمینگے پر بھوادوں گا۔"

پربھا کر نے جواب دیا۔ ”ماں جی! راج بھون سے ناتہ جوڑنا جتنا مشکل کام ہے اس سے زیادہ مشکل کام اس سے ناتہ توڑنا ہے“

دو دنوں دیر تک اسی قسم کی باتیں کرتے رہے اور آخر کار پربھا کر کی ماں اس نتیجے پر پہنچ گئی کہ اس کا بیٹا راج بھون سے ناگ کی طرح خوفزدہ ہے اور معلوم نہیں کیوں اس کے دل میں یہ خوف بیٹھ گیا ہے کسی نہ کسی دن کسی نہ کسی بات پر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ وہ بڑی دیر تک اسی بات پر زور دیتی رہی کہ وہ راج بھون سے نکل آئے، جس طرح بھی ممکن ہو یہ کام کر ڈالے۔

گھر ہی میں مالی راڈ کا پیغام ملا کہ پربھا کر جلد راج بھون پہنچ جائے۔ بعض اہم امور پر بحث کرنا ہے۔ پربھا کر واپسی کے لئے تیار ہو گیا۔ حکم حاکم مرگ۔ مضافات۔

★

★

★

مالی راڈ سے رجی کانت کسی بات پر ناراض ہو گئی تھی مالی راڈ نے اس کو کئی بار بلوایا مگر وہ نہیں آئی۔ وہ اگر چاہتا تو رجی کانت کو زبردستی پکڑے بلواتا مگر تعلق خاطر کی وجہ سے مالی راڈ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کام کے لئے اس نے پربھا کر کو منتخب کیا اور گھر سے بلوا لیا۔

پربھا کر ڈراسہا راج بھون پہنچا تو اسے براہ راست مالی راڈ کے پاس پہنچا دیا گیا۔

مالی راڈ رجی کانت کا غم غلط کرنے کے لئے چند نفی لڑکیوں سے دل بہلا رہا تھا۔ ان لڑکیوں نے مالی راڈ جی کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا، گھٹی گھٹی سیاہ زلفیں چہروں اور شانوں پر بکھری ہوئی تھیں، ان کے مٹرنی مائل سفید رخسار لڑکھنٹے تھے جیسے میوے میں فندہاری انار کا رس ملا دیا گیا ہو۔ مالی راڈ جی راجا اندر کی طرح ان کے جھڑمٹ میں بیٹھے تھے۔ پربھا کر کو دیکھتے ہی آواز دی۔

”پربھا کر جی! شہزادوں کے جادوگر، باتوں کے گدو اور عقل و علم کے ہمارے میں تم کو سچ بچ بہت بڑا کیا فی اور دھون سمجھتا ہوں“

ماں کے سوا اس گھر میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو پربھا کر کے دکھوں کا اندازہ کر سکتا۔

رات کو کھانے کے بعد سب اپنے اپنے بستروں میں چلے گئے۔ لیکن پربھا کر کی حالت کچھ اور ہی تھی وہ جسمانی طور پر تو اپنے گھر میں تھا مگر ذہنی طور پر وہ راج بھون یا مندر میں تھا۔ ماں اس کی فکر مندی اور سوچ سے گڑھ رہی تھی۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ اس کو کھکھولے، لیکن ناکام رہی۔ رات وہ پربھا کر کے پاس چلی آئی۔ اس کے پاس بیٹھ کر گزرے دنوں کے باتیں کرنے لگی۔ پربھا کر نے ماں کی باتوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی، ماں کا جملہ باتوں کے جواب میں اس نے بس ایک ہی بات کہی ”ماں جی! پتہ نہیں کیوں، میں نوجوانی ہی میں بوڑھا ہوا جا رہا ہوں“

ماں نے ہنس کر جواب دیا۔ ”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تو شادی کر چاہتا ہے“

پربھا کر نے تردید کی۔ ”میں ماں جی یہ بات نہیں ہے۔ میں دنیہ اور زندگی میں کوئی کشش یا دلچسپی نہیں محسوس کر رہا۔ بس یہی جی چاہتا ہے کہ مر جائے، اپنی جان دے دیجئے۔ دنیا پھینکی پھینکی لگتی ہے زندگی بے مزہ ہو کر رہ گئی ہے“

ماں نے پوچھا ”اس کا کوئی سبب ہے؟“

پربھا کر نے جواب دیا۔ ”ہو سکتا ہے کوئی خاص سبب ہو۔“

ماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ”پربھا کر! ایسی باتیں نہیں مرنے میں جلدی ہی تیری شادی کر دوں گی“

پربھا کر نے منہ بنا کر جواب دیا۔ ”اس کی کوئی ضرورت نہیں ماں جی! میں نے راج بھون سے شادی کر لی ہے، میں وہاں سے زیادہ سے زیادہ کما کر گھر والوں کو دولت مند بنادوں گا اور پھر ایک دن مالی راڈ کے ہاتھوں قتل ہو کر نہ رکھ میں چلا جاؤں گا۔“

ماں نے گھبرا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، وہ کانپ گئی، بولی ”راج بھون میں تو خوش نہیں ہے شاید یہ کیوں ہے نا یہی بات۔“

”اگر میں صبح کہہ رہی ہوں تو تو راج بھون سے ناتہ توڑ لے“

سے حسد کرے گا۔ پارسا، پارسا کو بڑا کہے گا۔ بشرطیکہ ان میں سے کسی ایک کے دل میں بھی حسد نے گھر کر لیا ہو۔“

لڑکیاں پر بھاکر کی صورت یوں دیکھتی رہیں گویا کچھ پلے نہ بڑا ہو۔
پر بھاکر نے یہاں اپنی ناقدری محسوس کی، بولا۔ ”مہاراج! مجھے کیوں یاد فرمایا تھا؟“

مالی راؤ نے لڑکیوں کے بیچ سے نکل کر پر بھاکر کو ایک طرف لے گیا۔ بولا۔
”پر بھاکر جی! یہ اس وقت جو سماں تم دیکھ رہے ہو، وہ اس کے رد عمل سے پیدا ہوا ہے کہ رجنی کانت مجھ سے ناراض ہو گئی ہے میں اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میں رجنی کانت سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اس کے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔ راج بھون سنسان، دنیا دیران ہے۔ اس کی کمی یہ اتنی ساری لڑکیاں بھی دُور نہیں کر سکتیں۔“

پر بھاکر حسد اور رقابت کی آگ میں جل رہا تھا۔ بمشکل پوچھا۔ ”پھر مہاراج! اس سلسلے میں مجھ کو کیا کرنا ہو گا؟“
مالی راؤ نے جواب دیا۔ ”میں چاہوں تو رجنی کانت کو جبراً بلوا لوں۔ زبردستی آٹھوا لوں۔ لیکن عشق و محبت میں جبر اور طاقت سے کام نہیں چلتا۔ اگر محبوبہ روٹھ گئی ہو تو اس کے منانے اور راضی کرنے میں جو مزہ آتے گا، وہ جبر اور زور کے استعمال سے نہیں مل سکتا۔ تم رجنی کانت کے پاس جاؤ اور اس کو میری طرف سے راضی کرنے کی کوشش کرو۔ تم اپنی پیادہ پیادہ بی بیوں کے زور سے اس کو مجھ پر مائل کر سکتے ہو اس کی خفگی دور کر سکتے ہو۔“

پر بھاکر کے دل پر حوٹ لگی۔ اس نے سوچا، ہائے ری دولت جو مفلس، ناشتہ اور اپنے رقیب کو خاتمہ بری پر مجبور کر دیتی ہے جو اپنے جھوٹے عشق کو سچے عشق پر حاکم بنا دیتی ہے۔

مالی راؤ بڑی بے چینی سے پر بھاکر کی شکل دیکھ رہا تھا وہ پر بھاکر کے دل میں اس کے چہرے کے تاثرات سے جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن مالی راؤ اس طوفان اور اس قیامت کا اندازہ نہیں لگا سکا جو پر بھاکر کے پورے وجود کو ہلاتے ہوئے تھا جو آتش فشاں کے لاوے کی طرح دل کی تہہ سے اُبل کر دماغ کی طرف چڑھ رہا تھا۔

لڑکیوں نے مہاراج کے مہر و محبت و احترام کی نظروں سے دیکھ مالی راؤ نے لڑکیوں کو شوخی سے متنبہ کیا۔ ”دوب اور جون کی پتیلیاں! اس نوجوان پر بھاکر نے نہ ہیچ جانا کیونکہ اس میں اس چیز کی کمی ہے جو تمہیں درکار ہو اگر قی سے یعنی کچھ جنون، دیوانگی، پگل پن! مالی راؤ زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس عمر میں تو خواہشات و خواہش و غیرہ منہ نہ دیکھوڑے کی طرح انسان کو آتش زیر پا رکھتے ہیں، جہاں لوگر کمر کرتے ہیں وہاں یہ عقلمند اور مال اندیش سوچنا رہ جاتا ہے۔ اس کی باتیں نوجوان کو پریشان اور بڑے عموں کو حیران کر دیتی ہیں۔“

پر بھاکر نے دم نہ ہو کر گردن جھکا لی۔ ”مہاراج! مجھے نیا دہ شرمندہ نہ کیجئے۔ سیدک کو سیدو سے مطلع کریں۔“

ایک لڑکی نے شوخی سے کہا۔ ”مہاراج! یہ وہی نوجوان پر بھاکر ہے نا جس کے بول گیاں اور دودھیا سے لبریز ہوتے ہیں۔ کچھ بول ہمیں بھی سناؤ۔“
مالی راؤ نے پر بھاکر کو حکم دیا۔ ”پر بھاکر جی! کوئی انہوں بول سناؤ تاکہ یہ لڑکیاں بھی خوش ہو جائیں۔“

پر بھاکر نے عرض کیا۔ ”مہاراج! اس محفل میں عقل و دانش کی باتیں یوں ضائع ہو جائیں گی جس طرح رینگار میں اناج کے ملنے۔ یہ موسم کی خوش رنگ پتیلیاں میرے بول کیا سمجھیں گی۔“

مالی راؤ نے تیوریاں چڑھائیں۔ ”پر بھاکر جی! میرے حکم کی تعمیل ہونا چاہیے اور کچھ نہیں۔“

پر بھاکر نے کہا۔ ”مہاراج! ان سے کہیے، یہ مجھ سے پوچھیں میں اس کا جواب دوں گا۔“

مالی راؤ نے لڑکیوں سے کہا۔ ”لڑکیوں! پر بھاکر جی سے کچھ پوچھو۔“
اب ساری لڑکیاں پر بھاکر سے شروع تھیں۔ کسی کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا پوچھیں۔ آخر ایک نے پوچھا۔ ”پر بھاکر جی! انسان میں محبت اور نفرت کی اصل بنیاد کیا ہوتی ہے؟“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”دو انسانوں میں کسی بھی قسم کا باہمی تضاد یا اتفاق۔ عالم جاہل کو کراہت سے دیکھتا ہے۔ امیر غریب کو ہر سیز گار بے دین کو، پارسا ساقی کو، عالم، عالم سے جلے گا۔ امیر امیر سے خار کھائے گا، پر سیز گار، پر سیز گار

مالی راؤ نے پوچھا۔ ”کیا سوچنے لگے پر بھاکر جی؟“

پر بھاکر نے بے بسی سے جواب دیا۔ ”میں آپ کا یہ کام کروں گا مہاراج! ضرور کروں گا!“

مالی راؤ نے پوچھا۔ ”کب کرو گے؟“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”آج ہی، اسی وقت، ابھی!“

دیکھیاں ان دونوں کی سرگوشیاں وحشی ہرٹوں کی طرح کان کھڑے کئے دیکھ اور سن رہی تھیں۔

مالی راؤ نے کہا۔ ”تمہاری پوری کوشش یہ ہوگی کہ رجنی کانت میرے پر ہنسی خوشی آجائے۔ تم لفظوں کے جادوگر اور باتوں کے کلاکار ہو۔ انہونی کو ہونی میں بدل سکتے ہو!“

پر بھاکر نے پوچھا۔ ”بس یا اور کچھ؟“

مالی راؤ کے چہرے کی نرمی ایک دم سختی میں بدل گئی۔ اس نے پلٹ کر لڑکیوں پر سرسری نظر ڈالی اور پر بھاکر کی طرف دوبارہ رجوع ہوا۔ ”اور ایک ضرور بات۔ جو جانتا ہوں کہ تو بھی رجنی کانت کو پسند کرتا ہے لیکن جب تجھ کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ ایک ہی چیز کے دو طلب گار ہیں۔ ایک راجہ اور دوسرا راجہ کا داس، تو راجہ کے داس کا فرض ہے کہ وہ اپنے راجہ کے حق میں اپنی پسندیدہ شے کی طلب گاری سے ہٹ جلتے۔“

پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”مہاراج کا حکم سراسر نکھوں پر، بھگوان نے مجھے اپنی عقل تو ضرور دے رکھی ہے کہ میں اس نازک موقع پر صحیح فیصلہ کروں۔ بھوکے شہیر اور بھوکے گیدڑ کے سامنے شکار بڑا ہوتا تو گیدڑ کی عافیت ہی اس میں ہے کہ وہ بھوک پر صبر کرے اور شیر کے حق میں اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔“

مالی راؤ ایک دم مشتعل ہو گیا۔ ”حق؟ کیسا حق؟ کس کا حق؟ تو رجنی کانت پر کس قسم کا حق رکھتا ہے؟ اور یہ کہ تو انراہ نترم میرے حق میں اپنے حق سے دستبردار ہو گا۔ یہ کیسی لچر اور فضول بات کی تو ہے؟“

پر بھاکر مالی راؤ کے قدموں پر گر گیا۔ اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ ”مہاراج! باتوں کے اسلوب پر قابو نہیں رہا۔ رحم کرو، معاف کر دو۔ غلطی ہو گئی۔“

مالی راؤ ذرا پیچھے ہٹ گیا، بولا۔ ”رجنی کانت پر تیرا کوئی حق نہیں۔ اور نہ

ہی نتیجہ یہ سمجھنا چاہئے کہ بھوکے شہیر اور بھوکے گیدڑ کی تمثیل کی رد سے تو میرا حریف بار قیاب ہے۔ میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے لئے تو یہ خیال ہی اذیت ناک ہے کہ میری محبوبہ کو تو محبت کی نظر سے دیکھے، میری غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی۔“

پر بھاکر کو اپنی آنکھوں کے سامنے سیم دیونا چٹا دکھائی دے رہا تھا، ایم دیونا موت کا فرشتہ۔ بولا۔ ”مہاراج! میں معافی چاہتا ہوں۔“

مالی راؤ نے جواب دیا۔ ”جا پہلے میرا کام کر اور رجنی کانت کو پہلا پھسلا کر میرے پاس اس حال میں لا کہ جب وہ میرے سامنے آئے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہو، اس کے انگ انگ سے شوق ظاہر ہو رہا ہو، اس کی چال میں محبت کی بے چینی ہو۔“

اگر یہ ساری باتیں پوری ہو جائیں گی تو میں تجھے معاف کر دوں گا ورنہ سزا دوں گا۔“

پر بھاکر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بولا۔ ”مہاراج! میں موت سے نہیں ڈرتا، آپ چاہیں تو نہیں، اسی وقت، اسی جگہ ہلاک کر دیں۔ میں تیار ہوں لیکن رجنی یہ بات کہ میں رجنی کانت کو نہ صرف یہاں تک لے آؤں بلکہ اس حالت اور اس کیفیت میں لاؤں جو آپ نے بیان فرمائی تو شاید ایسا کرنا ناممکن ہو۔ میں اپنی باتوں سے انسان کو بدل تو سکتا ہوں، لیکن یہ ناممکن ہے میں کسی کے جذبات میں تلاطم پیدا کر دوں، کسی کے دل اور انگ انگ میں خون کی طرح گردش کرنے لگوں، ایسا ناممکن ہے۔“

مالی راؤ نے سختی سے کہا۔ ”زیادہ باتیں نہ بنا، جا اپنا کام کر۔“

پر بھاکر نے ذرا دم کر لیا، نظر مالی راؤ پر ڈالی اور پورے اعتماد سے بات کی۔ ”مہاراج! اب جو آپ سے بات کر رہا ہوں تو یہ سوچ کر اور اپنے تئیں یہ فرض کر کے کہ میں مر چکا، میں قتل ہو چکا، میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر رجنی کانت کے پاس جاؤں گا۔ مہاراج! میری آتما غیر معمولی ہے، میری روح میں بڑی شکتی ہے، میں پروہت کی طرح کمزور نہیں ہوں۔“

مالی راؤ نے ہنس کر جواب دیا۔ ”پر بھاکر جی! تم بھی عجیب آدمی ہو کبھی تو تم پاؤں پر گر کر معافیاں مانگتے ہو، خوشامد میں کرتے ہو اور کبھی اکڑ دکھاتے ہو

اور آتما شکتی کا دعویٰ کرنے لگے ہو۔ حاذق اور رجحی کانت کو منا کر لے آؤ۔ بقیہ باتیں بعد میں ہو جائیں گی، تم بھی موجود ہو میں بھی موجود ہوں تم اپنی آتما کی شکتی دکھانا، میں اپنی طاقت دکھاؤں گا پھر معلوم ہو جائے گا کہ کس کا دعویٰ سچا تھا۔“

پرمہاکرم کے چہرے سے وحشت اور ایسی جھلک دہی تھی۔ بڑے مضبوط ہجے میں کہا۔ ”مہاراج! آپ میری پوری بات سن لیں۔ تاکہ بعد میں پچھتاؤ نہ پڑے۔ مہاراج! اگر میں آپ کے ہاتھوں بے گناہ قتل کر دیا جاؤں گا تو میری وہ آتما جو جسم کی قید میں رہ کر مکر در پڑ رہی ہے آزاد ہو جائے گی۔ پناہ طاقت کا مظاہرہ شروع کر دے گی۔ میں مرنے کے بعد بدولہ لوں گا اور پوری زندگی اجیرن کر کے رکھ دوں گا۔“

مالی راقہ پرمہاکرم کی تلخ کلامی برداشت نہیں کر سکا۔ اس نے حالت دیوانگی میں مکوں، جھانپروں اور لالٹوں کی بارش شروع کر دی۔ پرمہاکرم اپنے دونوں ہاتھوں سے بچاؤ کی کوشش کرتا رہا۔ اس کوشش میں اس کے دونوں ہاتھ، انگلیاں، کلکیاں، ہتھیلیاں اور دونوں بازو زخمی ہو گئے۔ لڑکیاں مسکرا کر دلچسپ تماشے کی طرح دیکھتی رہیں۔ مالی راقہ بھی رہا تھا اور گالیاں بھی دے رہا تھا۔ پرمہاکرم ہتھرتے ہجے میں چیخ کر بولا۔ ”مہاراج! آپ کو یہ مارہٹ گراں پڑے گی، اس کی بڑی قیمت دینا پڑے گی آپ کو۔ مار دیکھاٹ نوجوان کی بے عزتی کرنا یا اس پر ہاتھ اٹھانا مہادلو کو ناواض کرنے کے برابر ہوتا ہے۔“

مالی راقہ ہانپنے لگا تھا۔ ”میں نتیجے بھی جان سے مار دوں گا اور اگر بیچ میں مہادیو آئے تو انہیں بھی مار دوں گا۔ آخر میں بھی تو شیوجی کا اوتار ہوں اس دور میں، میں کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔ مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔“ ایک حسین لڑکی کو پرمہاکرم ہر دم آگیا، مالی راقہ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ بولی۔ ”مہاراج! اس دروہوان گیانی کو معاف کر دیجئے۔“

لیکن مالی راقہ نے لڑکی کو ڈانٹ دیا۔ ”تو چلی جا میرے پاس سے ورنہ تجھے بھی پیٹ دوں گا۔“

لڑکی چند قدم پیچھے ہٹ گئی اور مالی راقہ کو روانہ وار پٹائی کرتا رہا۔ پرمہاکرم بے حال ہو کر گر گیا۔ اور کراہنے لگا۔ اس کے گرتے ہی مالی راقہ کے ہاتھ ٹک گئے۔

اور پرمہاکرم کے پاس بیٹھ گیا۔ مسکرا کر پوچھا۔ ”کیا حال ہے پرمہاکرم جی! دونوں کی طاقت کا اندازہ ہو گیا، کون طاقتور ہے؟ میں یا تم؟“

پرمہاکرم نے شدت کر ب سے آنکھیں بند کر لیں اور کہتے ہوئے جواب دیا۔ ”مہاراج! بلوان تو آپ ہی ہیں اور اس بلوانی کا میں ہمیشہ سے اعتراف کرتا رہا ہوں۔ اس وقت آپ نے مجھ کو خواہ مخواہ مارا ہے۔ میں اپنی آتما شکتی کا مظاہرہ مرنے کے بعد کروں گا۔“

مالی راقہ نے سختی سے کہا۔ ”پرمہاکرم! اب تو جا اور رجحی کانت کو لے آ۔“

پرمہاکرم کے منہ سے خون جاری تھا۔ کیونکہ مالی راقہ کے کئی کتے اس کے منہ پر لگے تھے۔

جب وہ جلنے لگا تو مالی راقہ نے لمحہ بھر کے لئے رد کا ادد کہا۔ ”پرمہاکرم! باہر دھتھ تیار ملے گا۔ راج بھون میں کسی سے بات کرنے کی کوشش نہ کرنا اور رجحی کانت کو بھی اس تلخی کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔“

پرمہاکرم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مالی راقہ نے بیک کر اس کو دونوں شانوں سے پکڑ لیا اور جھجھکرتا ہوا بولا۔ ”میں کیا کہہ رہا ہوں۔ تم نے سنا نہیں؟ میری بات کا جواب دو پرمہاکرم۔“

پرمہاکرم نے چیخ کر جواب دیا۔ ”میں بتاؤں گا ظالم۔“ مالی راقہ نے اس کے منہ پر ایک ہاتھ اور دوسرا کر دیا۔ ”میں ظالم ہوں، زبان سن بھال لے ورنہ گترسی سے کھینچواؤں گا۔ آخر تو خود کو کیا سمجھتا ہے؟“

پرمہاکرم کے کئی دانت ہل گئے۔ مالی راقہ نے اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا اور وہ خانہ سے پر موجود اس کو حکم دیا۔ ”اس کو رنجھ پرمہادیا جائے۔“

داس نے پرمہاکرم کے منہ سے خون جھنڈے دیکھا تو منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ مارے خوف کے اس بارے میں کوئی سوال بھی نہیں کر سکتا تھا درازا لے لے پر تھ تیار کھڑا تھا۔ مالی راقہ کے داس نے پرمہاکرم کو رنجھ بان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ”مہاراج کا حکم ہے کہ یہ جہاں کہیں پہنچا دیا جائے۔“

داس کے ناقص جملے نے پرمہاکرم کے دل و داغ میں بجلی کی طرح کوہ

کہ ایک راہ دکھائی۔ ”مہاراج کا حکم ہے کہ یہ جہاں ہمیں پہنچا دیا جائے!“
وہ خاموشی سے رتھ پر بیٹھ گیا اور حکم دیا ”شیو جی کے مندر چلو“
رتھ بان نے رتھ پر بیٹھ کر گھوڑے کی داس پکڑی اور خدا سی جنبش
پر گھوڑا اڑا سے باتیں کرنے لگا۔

* * *

رستے بھر وہ مہیسر سے فرار ہو جانے کے منصوبے بناتا رہا۔ وہ جی کا
کو بھی اپنے ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ اس کا ساتھ
دے گی یا نہیں؟

مندر کا کلس سورج کی شعاعوں سے چمک رہا تھا اور مندر کے احاطے
میں کھڑے ہوتے لمبے لمبے شیشم اور برگد کے درخت دیو ادوں کے اوپر سے
جھانکنے دکھائی دے رہے تھے۔ رتھ مندر کی حدود میں داخل ہوا۔ پرہکا کرنے
اسے مندر کے بان (منڈپ) کے صدر دروازے پر روک دیا۔ دروازے پر دیوی
دیوتاؤں کی موتیں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں نارائن، پارہتی، پرہما جی، شیو جی
سبھی موجود تھے۔ پرہکا کرنے ان مورتیوں کی طرف دیکھا تو اس فریاد سی اور
ستم رسیدہ کی طرح اس کا دل بھرا آیا جو داسی کے لئے حاکم کے سامنے پہنچ کر
رودیا کرتا ہے۔

وہ چند لمحوں کے لئے صدر دروازے کی مورتیوں کے سامنے نہکا اور کہا۔
”دیوتاؤ! مجھ پر ظلم ہوا ہے، تم انصاف کرو اور میرا ساتھ دو کیونکہ مانو بھاٹ
جاتی نے کبھی تمہارا ساتھ دیا تھا۔“

وہ مندر میں داخل ہوا، رتھ بان نے اچانک سوال کیا۔ ”پرہکا کر جی! مجھے
رکنا ہے یا واپس جانا ہے؟“
پرہکا کرنے جواب دیا۔ ”کچھ دیر کو، میں تھوڑی دیر میں واپس
آکھا ہوں۔“

وہ مندر کے بڑے دروازے سے داخل ہو کر چھوٹے دروازے سے
نکل گیا۔ وہ رجنی کا منت کے پاس جا رہا تھا۔ بچاری اور دیو داسیاں پرہکا کر کو
اشتباہ سے دیکھ رہی تھیں۔ ایک کوٹھری سے ہمیشوری پر شاد نکلے اور پرہکا کر کو

مگر کہہ پر زام کیا، بولے۔ ”پرہکا کر جی! یہ پرنام تمہیں نہیں کیا گیا بلکہ اس ودیا گیان
اور برہمی کو کیا گیا ہے۔“

پرہکا کرنے پھیکسی مسکرا ہٹ سے جواب دیا۔ ”پرہمت جی! آپ کی مہربانی
کہ آپ مجھے اتنا کچھ سمجھتے ہیں درنہ آپ کا مقام سب سے بلند ہے۔“

پرہمت جی نے پرہکا کر کے سوجھے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھا اور
پوچھا۔ ”پرہکا کر جی، ہمیں یہ کیا ہوا؟ کسی سے مار پیٹ تو نہیں ہوئی؟ یہ چہرہ سوچا
ہوا کیوں ہے؟ شاید رخون بھی بہا ہے۔“

پرہکا کرنے جواب دیا۔ ”پرہمت جی! آتے میں ایک جگہ منہ کے بل گر گیا تھا
مگر کوئی خاص بات نہیں۔“

پرہمت نے اس کی باتوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی۔ کہا۔

”اچھا جی! تو تم رجنی کا منت کے پاس آئے ہو گے۔ مہاراج مانی راؤ جی کیسے ہیں؟“

پرہکا کرنے جواب دیا۔ ”ہاں میں آیا تو رجنی کا منت ہی کے پاس ہوں۔ دیے

مہاراج اچھے ہیں۔ مزاج میں گرمی کچھ زیادہ ہی سمائی ہوئی ہے، رجنی کا منت کو اسی

وقت طلب کیا ہے۔“

لیکن اس کو اپنی غلطی کا فورا ہی احساس ہو گیا۔ اس کو یہ نہیں بتانا چاہیے

تھا۔ لیکن بات کہہ چکا تھا، غلطی ہو چکی تھی۔

ہمیشوری پر شاد جی نے بڑے افسوس سے کہا۔ ”پرہکا کر جی! دیسے یہ

بات ہے بڑے افسوس کی کہ مہاراج شیو جی کی داسی کو اپنی داسی بنانے کے

چکر میں ہیں۔“

پرہمت جی منہ بنا کر چلے گئے اور پرہکا کرنے رجنی کا منت کے در پر دستک

دی۔ رجنی کا منت نے دروازہ کھولا تو اپنے سامنے پرہکا کر کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

حیرت سے بولی۔ ”پرہکا کر جی! تم۔ خیریت تو ہے کہ صبر بھول پڑے؟“

پرہکا کرنے جواب دیا۔ ”رجنی کا منت اندر تو آئے دو۔ میں زیادہ وقت

نہیں لوں گا۔“

رجنی کا منت نے پورا دروازہ کھول دیا، بولی۔ ”آجاء اندر۔“

پرہکا کرنے اندر داخل ہوتے ہوئے رجنی کا منت کے شانے پر ہاتھ رکھ

بارہ رجنی کا منت نے اس کا سوچا ہوا منہ دیکھ لیا تھا۔ اندر دونوں ایک ہی چارپائی

”اس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمہارے بغیر میسر میں رہ ہی کیا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ تم سے بھی محروم رہوں اور مالی راز کے ظلم و ستم بھی سہوں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔“

رجنی کانت نے طنزاً پوچھا: ”اور وہ تمہاری واجب الاسترام مقدس خاتون تمہاری کوئی ممد نہیں کر سکتیں؟“

پرمبھا کرنے جواب دیا۔ ”میں اپنے معاملے میں ماں بیٹے میں لڑائی نہیں ہونے دوں گا۔“

رجنی کانت نے تلخی سے کہا: ”جہاں معاملہ جھوٹ اور سچ کا ہو وہاں سچ کو جھوٹ سے محروم کرنا چاہیے۔ کیونکہ جھوٹ اور سچ میں خطرناک سترہ روزہ فرق ہے۔“

(ہنگ) مہا بھارت کے نام سے ہو چکا ہے جس میں ایک طرف پانڈو تھے اور دوسری طرف کورہ۔ سچ پانڈو کے ساتھ تھا۔ پانچویں بھائیوں کی طرف۔ سچ کی وجہ سے کرشن بھگوان نے بھی پانڈو کا ساتھ دیا تھا۔ کورہ ایک سوا ایک بھائی تھے، درپور دھن ان کا بڑا تھا اور انہی کی طرف جھوٹ تھا۔ اور یہ سب ایک دوسرے کے رشتے دار تھے، جب ارجن نے اپنے سامنے بھائیوں، بھتیجیوں اور دوسرے خونی رشتوں کو صف آرا دیکھا تو وہ کمر مقابلے سے بھاگنے لگا مگر کرشن بھگوان نے اپنے شاندار پیش قدمی سے ارجن پر یہ بات کھول دی تھی کہ سچ اور جھوٹ میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ اہلیا بائی بھی ایک ایسی ہی دلوی ہے جو جھوٹ اور سچ سے واقف ہے۔ مالی راز کا نظارہ اہلیا بائی کا بیٹا ہے لیکن اہلیا بائی کو یہ حقیقت بھی معلوم ہے کہ سچ اور جھوٹ میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ تمہیں اہلیا بائی کی سرپرستی میں مہیسر کا رہنا چاہیئے۔“

پرمبھا کرشن دیاس کے زیر اثر لیوں مسکرایا گویا شمسان میں چاندنی ہو گئی ہو۔ بولا: ”رجنی کانت اناج بھون میں سچ کمزور ہے کیونکہ یہ سچ ایک کمزور عورت کے پاس ہے جھوٹ غالب ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اگر مالی راز پرپاگل بن کا خطرناک لالچ بڑ گیا تو وہ مجھے آدھیں دے کر ہلاک کر دے گا۔“

رجنی کانت سوچ میں پڑ گئی، سر جھپکاتے سوچتی رہی۔ آخر لوبی: ”پرمبھا کرشن! میں تمہاری عزت کرتی ہوں لیکن خوف بھی کھاتی ہوں۔ شک جو تمہاری روح، تمہارے دل و دماغ میں گھسا ہوا ہے اس سے بے حد ڈر لگتا ہے۔ اگر میں تمہارا

پرمبھا کئے۔ رجنی کانت نے پوچھا: ”یہ تمہارے چہرے پر درم کیوں ہے؟“
پیش نے رخسوں پر رنگ پاشی کی، دل بھر آیا۔ بھڑائی آواز میں سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ بولا: ”رجنی کانت! ان حالات میں میں مدح بھون میں کس طرح رہ سکتا ہوں۔ میں اپنے شہر کو کا جاؤ محض اس لئے جگاؤں کہ تم ان کے زیر اثر میرے ساتھ مالی راز کے پاس چلی جاؤ، میں جو تمہارا سچا عاشق ہوں۔ ایک بوا ہوس کی خاطر لائی کروں۔ رجنی کانت! میں یہ نہیں کر سکتا۔“

رجنی کانت نے مسکرا کر پوچھا: ”نہیں، اگر تم کہو تو میں تمہاری خاطر مالی راز کی پاس اسی انداز میں چل سکتی ہوں جس طرح کا وہ خواہش مند ہے۔“

پرمبھا کرنے جواب دیا: ”نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔“
”تب پھر تم کیا کرو گے؟ مالی راز کی کو کیا جواب دو گے؟“

پرمبھا کرنے لڑی بے بسی اور مایوسی سے رجنی کانت کو دیکھا۔ اور دے دے لہجے میں پوچھا: ”رجنی کانت! میں ایک گزارش کروں؟ کچھ عرض کروں؟“
”کرو عرض۔“

”پہلے وعدہ کرو کہ مایوس نہیں کروں گی؟“

رجنی کانت نے غیر جذباتی انداز میں کہا: ”جب تک مجھے پوری بات نہ معلوم ہو جائے، میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتی، بات صاف صاف کرو۔“

پرمبھا کرنے النجا آہن نظر دوں سے دیکھتے ہوئے کہا: ”رجنی کانت! میں کب تک اس آزمائش میں مبتلا رہوں گا۔ کبھی میری بابت بھی سوچا تم نے، میرا مسئلہ بھی زیر غور آیا کبھی؟“

رجنی کانت نے جواب دیا: ”پرمبھا کرشن! تم ایک شکستہ انسان ہو، سچی بات تو یہ ہے کہ میں تم سے خوفزدہ ہو گئی ہوں۔ تم نکتہ چیں ہو، عموماً ذات پر اعتبار نہیں کرتے پھر میں تمہارے مسئلے پر کس طرح غور کروں؟“

پرمبھا کرنے خوشامد کی۔ ”رجنی کانت! یہ میری آخری ملاقات ہو گی۔ کیونکہ میرا مہیسر باراندو در میں رہنا چاہتا تھا۔ اس کے جواب کا تابع ہے۔“

رجنی کانت نے کہا: ”اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی؟“

”تب پھر میں صبر کروں گا، مہیسر سے کہیں بہت دیر چلا جاؤں گا۔“
رجنی کانت نے پوچھا: ”اگر میں تمہارا ساتھ نہ دوں تو تم مہیسر کیوں پھر رو گے؟“

ساتھ دوں اور تم پیار و محبت سے رہ کر بھی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہو تو میں تو کبھی
کی بھی نہ رہوں گی۔ اس لئے ہم دونوں کا الگ الگ رہنا ہی بہتر ہے۔ اس جوئے میں
میری ہار یقینی ہے۔“

پربھاکر واپسی کے لئے کھڑا ہو گیا۔ ”بہتر ہے رجنی کانت! اب میں تمہارے
پاس کبھی نہیں آؤں گا اور اپنی محسوس شکل نہیں دکھاؤں گا۔“

وہ کوٹھری سے باہر نکل گیا۔ رجنی کانت تڑپ کر اس کے پیچھے دوڑی، بولی۔
”لیکن ایک بات تو سنئے جاؤ پربھاکر جی! لمحہ بھر کے لئے رکھو تو سہی؟“

پربھاکر کا اور خطرہ نہ بچھا۔ رجنی کانت اس کی طرف دوڑی چلی آ رہی تھی۔
پربھاکر نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟“

رجنی کانت نے پوچھا۔ ”اگر میں تمہارے ساتھ چلوں تو تم مجھے کہاں لے
جاؤ گے؟“

پربھاکر کا چہرہ خوشی سے دھلنے لگا پوچھا۔ ”کیا تم نے اپنا فیصلہ بدل
لیا ہے؟“

رجنی کانت نے کہا۔ ”پہلے میری بات کا جواب دو، یہاں سے نکال کر تم مجھے
کہاں لے جاؤ گے، کہاں رکھو گے؟“

پربھاکر نے جواب دیا۔ ”رجنی کانت! بھگوان کی زمین بڑی لمبی چوڑی ہے
میں تمہیں مزید اس پار نیلگیری کی چھاڑیوں میں لے جاؤں گا۔ نیلگیری کی خوشگوار

وادی میں، جہاں تک مالی راڈ کے آدمی ہمارا پیچھا کر سکتے ہیں ہم اس سے بہت
دور نکل جائیں گے۔“

رجنی کانت نے پوچھا۔ ”پھر وہاں ہم دونوں میاں بیوی بن کر رہ
سکیں گے؟“

”بالکل بالکل۔ اس میں شک و شبہ کی کیا بات ہے؟“
رجنی نے کسی قدر رک رک کر کہا۔ ”پربھاکر جی! اگر تم شیبو جی کی سوگند

کھاؤ کہ میرا ساتھ نہیں چھوڑو گے اور مجھ پر شک کر کے بے وفائی نہیں کرو گے
تو میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں۔“

پربھاکر کے دل میں امید کی بجلی پوری آب و تاب سے کونکری، بولا۔ ”میں سوگند
کھانے کو تیار ہوں۔“

رجنی کانت اس کو دوبارہ اپنی کوٹھری میں لے گئی اور آہستہ سے پوچھا۔ ”پربھاکر
تک نکل چلنے کا ارادہ ہے؟“

”رجنی کانت! اب تک کا وقت نہیں ہے، میں تو اسی وقت میسر چھوڑ
دینا چاہتا ہوں۔“

رجنی کانت نے پوچھا۔ ”اپنے ماں باپ بھائی بہن سے نہیں ملو گے کیا؟“
پربھاکر نے جواب دیا۔ ”ان سب سے ملنے میں میں بھینس جاؤں گا۔ باہر

رہنے تیار کھڑا ہے، ہم دونوں کو نبرداندی کے کنارے اتار دے گا ہم آنا فانا کشتی
کے ذریعے پار اتر جائیں گے۔“

رجنی کانت نے حیرت سے پوچھا۔ ”رہنے تو مہاراج مالی راڈ کا ہو گا وہ ہمیں
نبرداندی کے کنارے کیوں پہنچانے لگا؟“

پربھاکر نے جواب دیا۔ ”رہنا اور رخصتان سر دست میرے حکم کے تابع
ہیں۔ میں جہاں چاہوں چلا جاؤں۔ کیونکہ مہاراج نے رخصتان کو یہی حکم دے
رکھا ہے۔“

رجنی کانت نے جلدی جلدی اپنا ضروری سامان سمیٹا۔ زیورات کی پوٹلی
باندھی اور کوٹھری پر ایلوداغی نظریں ڈالتی ہوئی باہر نکلی۔ مانوس اور پرانا ریفیق

ماحول اور اس کی ہر شے اس کے پاؤں پکڑ رہی تھی کہ رجنی کانت نہ جا، فیصلہ
بدل دے۔

لیکن رجنی کانت بڑی سفاکی سے باہر نکلی اور پربھاکر کو اپنا سامان تمھاکر
بولی۔ ”میں ذرا مہینہ دیر پر مشاد سے بات کر لوں اور انہیں بتا دوں کہ مہاراج مالی راڈ

کے پاس جا رہی ہوں۔“
پربھاکر کو ڈر لگا کہ کہیں پر وہت جی تفصیلی سوال و جواب میں نہ چلے جائیں،

بولی۔ ”اس وقت اگر تم ان کے پاس نہ جاؤ تو کیا حرج ہے؟“
رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”اس وقت ان سے ملے بغیر چلے جانا خطرناک

ثابت ہوگا۔“
پربھاکر اس کا سامان لے کر رخصت کی طرف چلا گیا اور رجنی کانت پر وہت جی

سے مل لی پھر پربھاکر سے جا ملی۔ دونوں رخصت پر پیچھے گئے۔ پربھاکر نے رخصتان
سے کہا۔ ”نبرداندی کے کنارے، گھاٹ کے مندر پہنچا دے۔“

رختہ بان نے حیرت سے کہا۔ ”کیا تم لوگ راج بھون نہیں جا رہے ہو؟“
 پر بھاکر نے جواب دیا۔ ”راج بھون بھی جانتے گے، لیکن گھاٹ کے مندر
 سے پڑ سادے کرے“

رختہ کا منہ بڑبڑاندی کی طرف ہو گیا اور گھاٹ کے مندر تک پہنچنے میں
 زیادہ دیر نہیں لگی۔ دونوں رختہ سے اتھر کر مندر میں داخل ہو گئے۔ گھنٹیلوں کے
 شور میں سکھ کی آواز بھی شامل تھی۔ مندر کی باہری سیڑھیوں پر بڑبڑا کر اندر تک
 اتری چلی گئی تھیں۔ گھاٹ سے ذرا فاصلے پر ایک خانی کشتی موجود تھی۔ پر بھاکر
 کی جان میں جان آئی۔ کیونکہ وہ اس کشتی کے ذریعے ندی کو عبور کر سکتا تھا۔ اب
 پر بھاکر اس فکر میں تھا کہ کسی طرح رختہ بان کو دیکھ کر دے کر واپس کر دے کچھ
 دیر مندر میں رہ کر پر بھاکر باہر نکلا اور رختہ بان سے کہا۔ ”ہمیں مندر میں کچھ دیر
 لگے گی تم اگر کہیں جانا چاہو تو آؤ پھر واپس چلیں گے“
 رختہ بان نے کچھ سوچ کر پر بھاکر کو سرسری نظروں سے دیکھا اور کہا۔ ”یہاں
 کتنی دیر لگے گی؟“

”آدھا پونہ گھنٹہ بس“

رختہ بان نے کہا۔ ”تب پھر میں کچھ دیر بعد واپس آتا ہوں“
 وہ چلا گیا۔ پر بھاکر کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کچھ دیر بعد رختہ بان کی طرف
 سے مطمئن ہو کر پر بھاکر نے مندر سے نکل کر کشتی والے سے پورا اترنے کی بات کی،
 معاملہ جلد ہی طے پا گیا۔ پر بھاکر اور رجنی کانت کشتی میں بیٹھ گئے کشتی کا باربان
 اسی میں لہرا رہا تھا۔ پر بھاکر اور رجنی کانت دعا بتیں مانگ رہے تھے کہ کسی طرح
 کشتی جلد از جلد روانہ ہو جائے لیکن کشتی کا ملاح مزید سواریوں کا منتظر تھا پر بھاکر
 نے کہا۔ ”ما نخھی! میں تمہیں زیادہ سے زیادہ روپے دوں گا تم ہمیں سواریوں کا انتظار
 کتنے بغیر پائے کر دو“

ما نخھی نے جواب دیا۔ ”ایسا تمہیں ہو سکتا“ پھر رجنی کانت کی طرف دیکھ
 کر سوال کیا۔ ”تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ شاید دھرم پتی۔ پر یہ تو بتاؤ تمہیں
 جلدی کیوں ہو رہی ہے؟“

پر بھاکر کے پاس ان سوالوں کے واضح جواب نہیں تھے، آیتیں باقی شایق
 بکنے لگا۔ پون گھنٹہ انہی باتوں میں ضائع ہو گیا۔

اچانک پر بھاکر کی نظریں اس کچی شہرک پر گئیں جو راج بھون سے گھاٹ
 کی طرف آتی تھی۔ راستہ گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔ وہ اس گرد و غبار کے اندر دیکھنے
 کا کوشش کر رہا تھا۔ ذرا دیر بعد اس میں سے رختوں اور گھڑ سواروں کا ایک دستہ
 نمودار ہوا یہ سوار بڑبڑاندی کے گھاٹ کی طرف دوڑے چلے آ رہے تھے پر بھاکر
 بادل زور زور سے دھڑکا اور پھر آہستہ آہستہ ڈوبنے لگا۔ خوف کی لہر پورے جسم
 میں دوڑ رہی تھی۔ اس نے رجنی کانت سے کہا۔ ”رجنی کانت! اُدھر اس طرف دیکھو،
 پر اخیال ہے یکم راج نے میرے ارادے بھانپ لئے ہیں اور اب وہ اپنے لاؤشکر
 کے ساتھ ہمارا پیچھا کر رہا ہے“

رجنی کانت کو بھی اپنی رگوں میں خون کا انجمد محسوس ہونے لگا سہم کر بولی۔
 ”پر بھاکر جی! یہ کیا ہوا؟ اب کیا ہو گا؟“
 پر بھاکر کو اپنی قوت گویائی سلب ہوئی محسوس ہوئی۔

رختوں اور سواروں کے دستے نے مندر کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اور سوار
 گھوڑوں سے اندر کر مندر کے اندر داخل ہو گئے رختہ سوار بھی اپنے رختوں سے اندر کر
 کشتی کی طرف بڑھے۔ پر بھاکر نے مالی راؤ کو درجی سے دیکھ کر ہچان لیا۔ وہ نرکش
 کو باتیں طرف شانے پر ڈالے ہاتھ میں کمان میں جھڑا نیزہ سنبھالے، کشتی کو سناٹا بناتے
 آگے بڑھنا چلا آ رہا تھا۔ ندی کے کنارے آکر مالی راؤ چیخا۔ ”پر بھاکر جی! تم ہمارے گئے
 رجنی کانت سمیت کشتی سے اتر آؤ۔“

پر بھاکر نے ذرا حوصلے سے کام لیا۔ ما نخھی سے کہا۔ ”ما نخھی! کیا تم کشتی کو بھگا
 کر دوسرے کنارے نہیں پہنچا سکتے؟“

ما نخھی نے جواب دیا۔ ”مسافر! میں سب کچھ کر سکتا ہوں مگر تم یہ بتاؤ کہ یہ
 معاملہ کیا ہے اور مہاراج مالی راؤ جی تمہیں کشتی سے اترنے کا حکم کیوں دے
 رہے ہیں؟“

رجنی کانت نے نیم مرده آواز میں کہا۔ ”پر بھاکر جی! ہم دونوں ہمارے گئے۔ ہماری
 ہمتی جیت گئی“

پر بھاکر نے اپنا ہاتھ رجنی کانت کی طرف بڑھایا، بولا۔ ”آؤ، مجھ سے عہد کر دو
 رجنی کانت کہ ہم دونوں ایک ساتھ جیتیں گے اور ایک ساتھ مریں گے“

رجنی کانت نے جواب دیا۔ ”پر بھاکر جی! میں یہ عہد نہیں کر سکتی کیونکہ میں

پرسہا کر کو ایک کو بھری میں قید کر دیا گیا، جب وہ اپنی زندگی سے بالکل
وہ ہو گیا تو اس نے خواہش کی کہ اس کو اس کے ماں باپ اور بھائی بہن سے مل
اجائے، مگر مالی راف نے یہ رعایت دینے سے انکار کر دیا۔

دس دن بھوکا پیاسا رکھ کر مالی راف پرسہا کر سے ملا اور سختی سے پوچھا۔
پرسہا کر جی! تم نے جو کچھ کیا۔ بہت میرا کیا۔ اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک
اجاتے؟

پرسہا کر نے جواب دیا۔ ”ذہی جو تمہارا دل کہتا ہے“
مالی راف پرسہا کر کی اس جسات پر اور زیادہ کھول گیا۔ ”رسی جل گئی پر
اب بھی باقی ہیں، خوب“

پرسہا کر نے جواب دیا! ”بل اس لئے باقی ہیں کہ یہ اکیلے ہیں۔ اب میں بھگوان
ہو کسی سے بھی نہیں ڈرتا“

مالی راف نے اس کے داپنے جھڑے برابر ایک ٹکاڑو کر دیا اور ہنس کر پوچھا! ”کو
بادہا یہ مٹا؟ مزہ تو ضرور آیا ہوگا۔“

پرسہا کر نے روتے ہوئے جواب دیا۔ ”مالی راف! مالے بلکہ مجھے جان سے مار
ے۔ میری موت سے نہیں ڈرتا۔ میرا تعلق مارو بھٹ جاتی سے ہے میں مر جاؤں گا
نہ میری آتما جو مہاشکتی رکھتی ہے۔ تجھے نہیں معاف کرے گی۔“

مالی راف نے ٹکڑوں اور ٹکڑوں کی پوچھا کر دی۔ ”میں تجھے جان سے مار
گا۔ تو اگر مارو بھٹ جاتی کلے تو میں بھی اس زمانے میں شیو جی کا اوتا ہوں۔“
مارتے مارتے مالی راف پرسہا کر کو اپنے دیوان کی طرف گھسیٹ لے گیا۔ وہاں

راف کے خوشامی درباری بھی موجود تھے، وہ مالی راف کو دیکھتے ہی استراٹا کھڑے
گئے۔ مالی راف نے پرسہا کر کو بے جان بودی کی طرح فرش پر دے مارا اور اپنے
دراستی خوشامیوں سے پوچھا۔ ”لوگو! تم ہی کچھ انصاف کرو، یہ پرسہا کر شیو جی کی
ی رجنی کانت کو بھگائے لئے جا رہا تھا۔ میں نے اسے رجنی کانت سمیت بڑبڑا
کی ایک کشتی سے برا کر کیا ہے۔ اگر میں بروقت وہاں نہ پہنچ جاتا تو یہ رجنی
کا کو پار لے جانے میں کامیاب ہو جاتا۔ تم لوگ بتاؤ۔ اب میں اس کے ساتھ کیا
رک کروں۔ کیا سزاؤں؟“

ایک درباری بولا۔ ”لام لام لام پرسہا کر جی اور ایسی پنج حرکت پڑے
رک کروں۔ کیا سزاؤں؟“

ایک درباری بولا۔ ”لام لام لام پرسہا کر جی اور ایسی پنج حرکت پڑے
رک کروں۔ کیا سزاؤں؟“

ایک درباری بولا۔ ”لام لام لام پرسہا کر جی اور ایسی پنج حرکت پڑے
رک کروں۔ کیا سزاؤں؟“

ایک درباری بولا۔ ”لام لام لام پرسہا کر جی اور ایسی پنج حرکت پڑے
رک کروں۔ کیا سزاؤں؟“

ایک درباری بولا۔ ”لام لام لام پرسہا کر جی اور ایسی پنج حرکت پڑے
رک کروں۔ کیا سزاؤں؟“

ایک درباری بولا۔ ”لام لام لام پرسہا کر جی اور ایسی پنج حرکت پڑے
رک کروں۔ کیا سزاؤں؟“

مالی راف کے سامنے اپنے اس عہد کو نباہ نہیں سکوں گی“

پرسہا کر نے عالم ابوسی میں کہا! ”افسوس کہ تم نے مجھے اس جڑے اور
نازک وقت میں تنہا چھوڑ دیا۔“

مالی راف اپنے آدمیوں کو لے کر کشتی میں چڑھ گیا۔ رجنی کانت اتنی ڈری ہوئی
تھی کہ مالی راف کو دیکھتے ہی زور زور سے رونے لگی، وہ کہہ رہی تھی۔ ”مہالاج بھگوان
کے لئے ہمیں معاف کر دو، ہم سے غلطی ہو گئی۔“

مالی راف نے پرسہا کر پر نظر پڑتے ہی گھونٹوں، ٹکڑوں اور ملاٹوں سے مارنا
شروع کر دیا۔ ”دغا یا نہ، دھوکے باز، فریبی، بددیانت، خاں قاب میں دیکھوں گا کہ
تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا۔“

مالی راف نے پرسہا کر کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا اور اسے کشتی سے
نیچے پانی میں پھینک دیا۔ آنکھ پانی میں پرسہا کر ڈکیاں کھلنے لگا۔ مالی راف نے
اپنے آدمیوں کو حکم دیا! ”اس کو ڈوبنے مت دینا۔ اس کو اس کے کتنے کی سزا
دینا ہے۔“

مالی راف کے جواؤں نے پرسہا کر کو پانی سے نکال کر ساحل پر ڈال دیا۔
مندر میں گھسنے والے نوجوان باہر نکل آئے۔ مالی راف کشتی سے چھلانگ
نہی کے کنا سے اتر پڑا اور رجنی کانت کو آواز دی۔ ”رجنی کانت! نیچے آجا، تو بے گنا
ہے، تو معصوم ہے۔ تجھے پرسہا کر نے دغا لیا ہوگا۔“

رجنی کانت کشتی سے نکلی اور مالی راف کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ مالی راف
نے کہا۔ ”رجنی کانت! یہ تجھے کیا ہو گیا تھا جو پرسہا کر کے ہر کا دے میں آ گئی؟
رجنی کانت جواب دینے کی بجائے سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔

مالی راف نے پرسہا کر کو بندھوا دیا اور سب کے سامنے اس کو پھانسا دیا۔
رجنی کانت نے منہ پر ساری کا پتھر ڈال لیا کیونکہ وہ یہ مرض فرسا منظر
نہیں دیکھ سکتی تھی۔

پرسہا کر اتنا زخمی ہو چکا تھا کہ پورے جسم سے خون رسی رہا تھا۔ آنکھوں
سے ٹھیک سے سمجھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر وہ پرسہا کر اور رجنی کانت کو لے
کر راج بھون واپس چلا گیا۔

پرسہا کر اتنا زخمی ہو چکا تھا کہ پورے جسم سے خون رسی رہا تھا۔ آنکھوں
سے ٹھیک سے سمجھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر وہ پرسہا کر اور رجنی کانت کو لے
کر راج بھون واپس چلا گیا۔

پرسہا کر اتنا زخمی ہو چکا تھا کہ پورے جسم سے خون رسی رہا تھا۔ آنکھوں
سے ٹھیک سے سمجھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر وہ پرسہا کر اور رجنی کانت کو لے
کر راج بھون واپس چلا گیا۔

پرسہا کر اتنا زخمی ہو چکا تھا کہ پورے جسم سے خون رسی رہا تھا۔ آنکھوں
سے ٹھیک سے سمجھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر وہ پرسہا کر اور رجنی کانت کو لے
کر راج بھون واپس چلا گیا۔

بڑے گیانی باتونی جب ایسی گھٹیا حرکت کرنے لگیں گے تو ہم جیسے اگیانی تو معافی کے مستحق قرار پائیں گے۔

دوسرے درباری نے عرض کیا: ”مہاراج! ہم ان ودھوان شرمیان کے بارے میں کیا رائے دیں۔ انہی سے معلوم کر لو کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائیگا۔“
پرمیہا کمر نے سچی ہوتی آنکھوں سے مای راڈ اور درباریوں کو دیکھا اور پرجوش لہجے میں کہا: ”مای راڈ! میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میں اپنی موت کا اس دن سے انتظار کر رہا ہوں جب میں راج بھون میں داخل ہوا تھا اور مجھے تیرے دیوانے پن کا حال معلوم ہوا تھا۔“

چند داسیاں بھاگی بھاگی آئیں اور مای راڈ کو مطلع کیا: ”مہاراج! دیوی ہیر بائی تشریف لاد رہی ہیں۔ وہ پرمیہا کمر کی سفارش کریں گی۔“
مای راڈ جھڑپ ہو کر بولا: ”کیا مصیبت ہے، اس عورت کو کس طرح منع کروں کہ حکومت کے معاملات میں مت دخل دے۔ آج میں اس کو صاف صاف منع کر دوں گا کہ وہ خاموش رہے۔ راج بھون کو اپنے لئے شمشان سمجھے۔“

ایک درباری نے مشورہ دیا: ”مہاراج! ایسا نہ کریں۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ آپ دیوی جی کے آنے سے پہلے ہی اپنا کام کر گزریں اور بالسن ہی کو کاٹ کر پھینک دیں، تاکہ نہ رہے بالسن اور نہ بچے بالسن۔“

مای راڈ کی آنکھوں میں وحشت چمکنے لگی۔ اس نے دیوار سے ہٹکی ہوئی تلوار کو کھینچ لیا اور درباریوں سے کہا: ”اندر آنے کے سارے درباری کر دیئے جائیں تاکہ میری ماں اندر داخل نہ ہو سکے۔“

پرمیہا کمر نے تلوار کی چمک جو دکھی تو خوف سے چہرہ ست گیا اور خون کی شرعی کی جگہ سفیدی نے لے لی، خوشامر سے گھاگھیلہ لگا: ”مہاراج! مجھے قتل نہ کرو، کیونکہ میرا قتل تم کو اس نہیں آئے گا۔“

لیکن مہاراج نے ایک ہی وار میں پرمیہا کمر کا سر الگ کر دیا۔ تازہ تازہ خون فوارے کی طرح اُبلتا اور اچھلا اچھلا کر فرش کو تر کرنے لگا۔ سر کا لاشہ بھی کچھ دیر ٹھہر نہ پایا اور ساکت ہو گیا۔ خوشامدیوں کے چہروں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ ایک دروازے پر اہلیا بائی بے چینی سے ہاتھ مار مار کر چیخ رہی تھی۔ مای راڈ دروازہ کھولو، پرمیہا کمر جی کو کوئی نقصان نہ پہنچانا، بھگوان کے لئے کوئی ایسا

قلم نہ اٹھا بیٹھنا دوسرے یہ خاندان برباد ہو جائے گا، یہ کتبہ تباہ ہو جائے گا۔ اس کھمبے سے راج پاٹ چلا جائے گا۔ کیونکہ مار دیا تھا جاتی کو ستانا کسی کو کبھی بھی اس جنمیں آیا۔“

جب پرمیہا کمر کا لاشہ سرد ہو گیا تو مای راڈ دم بخود ہشتاد پر پرمیہا کمر کے سر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ اس نے کیا اور کیوں کر دیا۔

اہلیا بائی براہمہ چیخ رہی تھی۔ مای راڈ نے اشارے سے حکم دیا: ”دروازہ کھول دیا جائے۔“

دروازہ کھلا اور اہلیا بائی چیختی چلاتی اندر داخل ہو گئی۔ اس کے سامنے ہی پرمیہا کمر کا بے سر کا لاشہ پڑا تھا اور مای راڈ کے قدموں میں اس کا سر تھا۔

اہلیا بائی کو سکنہ ہو گیا، دم بخود لاشے اور سر کو دیکھتی رہی۔ اس کے بعد مای راڈ کو گھبراہٹ اور بے اختیار دونوں ہاتھوں سے مای راڈ کو جیتنے لگی۔ وہ دو ہتھڑ چلا رہی تھی اور چلا ہی تھی: ”او ذلیں کیفیہ! یہ تو نے کیا کر دیا؟ تو نے اس مار دیا تھا جاتی پر پرمیہا کمر کو نہیں قتل کیا بلکہ تو نے خاندان کو قتل کر دیا۔ اب تو برباد ہو جائے گا۔ اب تیرا بنس بائی نہ رہے گا۔ تو نے خود کشی کر لی ہے گویا۔ ہاتھ اب کیا ہو گا؟“

اہلیا بائی کسی بھی سچی کی طرح پلک پلک کر رہی تھی۔ مای راڈ پتھر کی موہنی کی طرح بے حس کھڑا وہاں موجود ہر شخص اور ہر چیز کو دیکھتا رہا۔ پھر بے اختیار اپنی ماں سے چہرہ کیا اور رونے لگا: ”ماں جی! یہ میں نے کیا کر دیا؟ یہ مجھے کیا ہو گیا۔ میں نے ایسا کیوں کیا؟“

وہ اہلیا بائی کی پشت، بازو اور سناٹوں کو سہلا سہلا کر اور مسل مسل کر رہا رہا تھا۔ پھر وہ اپنی ماں کو چھو کر اپنے مصاحبین پر ہنس پڑا: ”یہ سب کچھ تم نے کیا ہے۔ یہ جو کچھ تھا اس کے ذمہ دار تم ہو۔“

مای راڈ تلوار کے تیزان پر چمچا لیکن ہوش مندوں نے راہ فرار اختیار کی۔ مای راڈ نے دو رنگ ان کا پیچھا کیا اور باہر نکل کر راج بھون کی آخری چوکھٹ پر پرمیہا کمر کا سر لگا کر لیا۔ اہلیا بائی اس کا پیچھا کرتی ہوئی اس جگہ پہنچی جہاں مای راڈ گرا

تھا، تو بے ہوش بیٹے پر گھر کر مار دیا۔

راجہ کی کانت کی بات یوں نہ کر کہ مجھے عورت پر کبھی بھی اعتبار نہیں رہا۔ کیونکہ اسے دلچسپی سے ہوتی ہے، دیکھتی کسی دوسرے کی طرف ہے اور دل میں بسا کوئی تشبیہ و تمثیل ہے۔
اہلیا بانی ہلک ہلک کر رونے لگی۔

راجہ کی کانت، مالی راؤ کے آخری لمحوں میں اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی مگر پھر بھاکر بن کر راجہ کی کانت کو ڈانٹ دیا جب راجہ کی کانت رونے لگی تو مالی راؤ نے ہاتھ مارا اور راجہ کی کانت کو گلے لگا کر خود رونے لگا۔ اہلیا بانی نے ہنسنے پر آمادہ ہو کر راجہ کی کانت کے بعد دونوں کو الگ کر کے خود رونے لگی۔ سخت آزار اور دکھ میں مبتلا رہ کر نو سو مہینے مالی راؤ بھی چل بسا عجیب و غریب لوگوں نے عجیب و غریب باتیں کرنا شروع کر دیں۔ کچھ کا خیال تھا کہ عزت مند ندامت ماننے اپنے بیٹے کا خود ہی کام تمام کر دیا۔ جبکہ کچھ یہ کہتے تھے کہ مالی راؤ ہمت اور پھر بھاکر کی مدد سے ہلاک کر ڈالا، جبکہ اہلیا بانی کا اپنا خیال یہ تھا کہ اوکو پھر بھاکر کی طاقت و مردانہ ہمت نے ہلاک کر دیا۔



مالی راؤ پر دلوانگی کے دورے پڑنے لگے وہ بار بار بے ہوش ہو جاتا اور جب ہوش میں آتا تو چیخنے لگتا۔ ”پھر بھاکر جی! مجھے معاف کر دو، میں شرمندہ ہوں۔“

کچھ دن تو وہ پھر بھاکر سے معافی مانگتا رہا۔ اس کے بعد خود پھر بھاکر بن گیا۔ ادھر چرخ گھومنے لگا۔ ”میں تجھے نہیں معاف کر دوں گا۔ میں تجھے ہلاک کر دوں گا۔ کیا میں نے تجھ کو یہ نہیں بتا دیا تھا کہ میں کمزور ہی لیکن میری آتما میں مہان شکتی ہے۔ اب میری آتما کی شکتی کا تماشا دیکھ۔“

اہلیا بانی نے جو یہ باتیں سنیں تو سادہ لوحی اور معصومیت سے یہ سمجھ بیٹھی کہ پھر بھاکر کی روح نے مالی راؤ کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور اب شاہد جان لے کر ہی چلے گی۔ اس نے کہا۔ ”پھر بھاکر جی! تم کمزور، میرے بیٹے کو معاف کر دو۔ میں تمہاری یادگار میں ایک شاندار مندر بنوا رہی ہوں، راجہ کی کانت کو اس مندر میں پہنچا دوں گی؟“

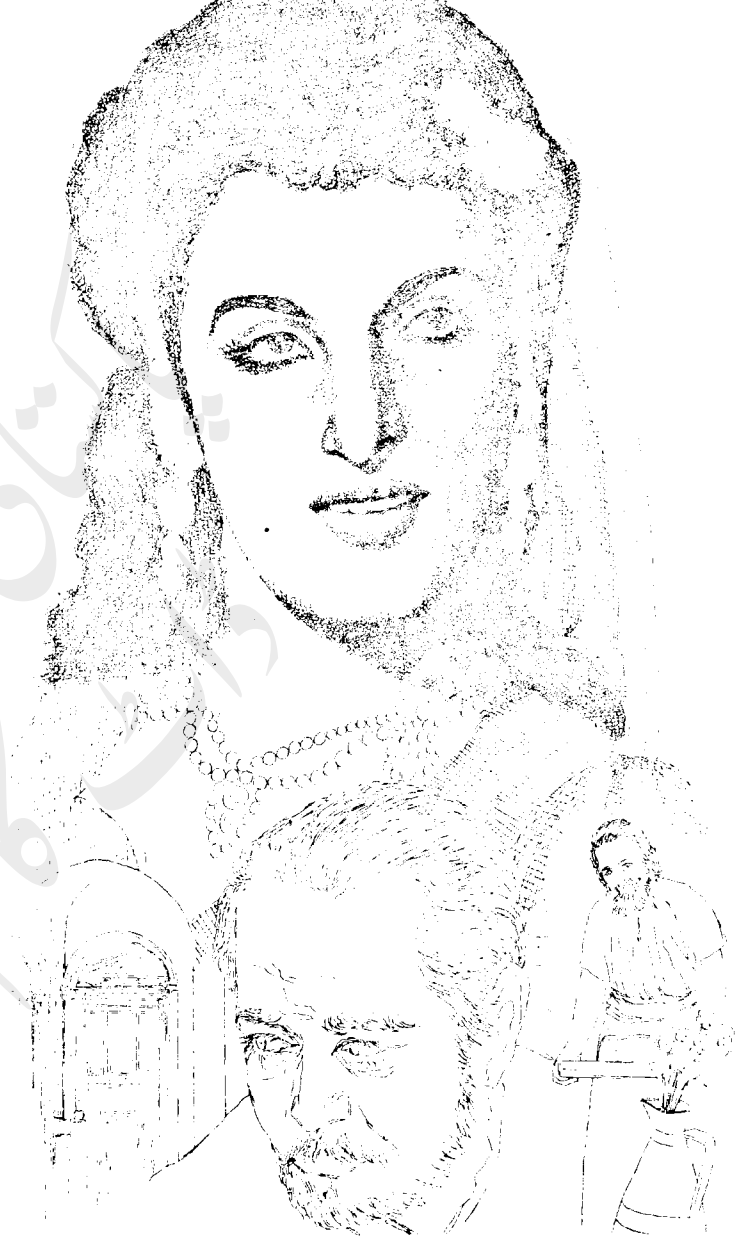
لیکن مالی راؤ لال آنکھیں دکھا کر بولا۔ ”واجب الاحترام مفتاح خاتون! تو خاموش رہ، تو میری یاد میں مندر بنوایا نہ بنوایا اس کو نہیں معاف

رُسوائے محبت

اورنگ زیب اور اس کے بھائی شاہ شجاع ہیں ایک خوفناک مقابلہ ہوا اور شاہ شجاع شکست اٹھا کر جہانگیر نگر (ڈھاکہ) فرار ہو گیا۔ اورنگ زیب کو بھی اپنے دوسرے طاقتور بھائی دارا شکوہ سے پٹنہ تھا اس نے اس نے شاہ شجاع کا تعاقب نہیں کیا اور اپنے ایک امیر معظم خان کو نیپال کے کی مہم کے کئی اختیارات دے دیئے اور عزم دیا کہ وہ شاہ شجاع کا زہن کے آخری سیرے تک پیچھا کرے۔ معظم خان شاہ شجاع کا پیچھا کرتا ہوا جہانگیر نگر پہنچا، اور دونوں میں خوفناک معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ معظم خان نے اپنے حریف شہزادے کو بہر مغلیہ میں شکست دی، شاہ شجاع کی سلسل ناکامیوں نے اس کی ہمت ساکھ اور اراحدوں میں ضعف پیدا کر دیا اور سانچوں میں بے دلی پائی اور بے وفائی نگہ کرنے لگی۔

شاہ شجاع نے ہر طرف سے مایوس ہو کر چٹاگانگ کا رخ کیا اور وہاں سے کوئٹہ ان اراکان میں پناہ لی اور پھر ہمیشہ کے لئے بے نام دشمن ہو گیا۔ معظم خان واپسی کی سوچ رہا تھا کہ اورنگ زیب کی طرف سے حکم ملا کہ معظم خان واپس آنے کے بجائے کوچ بہار اور آرام کا رخ کرے کیونکہ یہاں کے حکمران سلطنت مغلیہ کو بیس سال سے تنگ کر رہے تھے۔ یہ حکمران جب تب مغل سلطنت کی حدود میں داخل ہو کر قتل و غارتگری اور لوٹ مار کر کے اپنے کو ہستانی مسکنوں میں روپوش ہو جاتے۔ شاہجہاں نے ان کی گوشمالی کرنا چاہی مگر ناکام رہا، لیکن اورنگ زیب اپنے باپ سے مختلف تھا، اس نے معظم خان کو دیکھ دیا کہ ”میں کوچ بہار اور آسام کی سرکشی کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دینا چاہتا ہوں اس لئے تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ جب تک ان مہانت کو سر نہ کر لو، واپسی کا خیال تک دل میں نہ لانا“

معظم خان جو بعد میں میر جملہ خان ناٹا بن گیا، زبردست تیار می کر کے



کوچ بہار کی طرف روانہ ہو گیا، کوچ بہار کا دوسرا نام کامروپ ہے اور یہ دیہی سر زمین ہے جہاں کا سحر مشہور ہے۔ میر جملہ معظم خان کو اس کے آدمیوں نے یہ کہہ کر ڈرلے کی کوشش کی کہ وہ کامروپ کی تسبیح کے ارادے سے باز آجائے کیونکہ وہاں کے لوگ جادو کے ذبیحے اپنے دشمن کا کلیجہ غائب کر دیتے ہیں لیکن میر جملہ فریادی اصرار کا فوجی تھا اور خوف نام کی کسی بھی شے کے لئے اس کے دِل میں ڈراسی بھی گنجائش نہ تھی۔ میر جملہ نے اپنے لشکر کا رخ کامروپ کی طرف کر دیا۔ کامروپ کا راجہ بھیہنہ رات گویا بیہوش رہتا تھا اور گویا ہڈیوں کے ارد گرد گھنے جنگلات اس کی پاسبانی کا فرض ادا کر رہے تھے۔ قدم قدم پر دریا، ندیاں، چشمے اور پہاڑیاں باہر سے آنے والوں کا راستہ روک کے کھڑی تھیں۔ راجا نے جو بیس کھوس کے دُور میں ٹیلوں کے بند کھڑے کر رکھے تھے ان ٹیلوں کو وہاں کی زبان میں آل کہا جاتا تھا۔ اور آل سے ملحقہ سرزمین کا نام بینگ تھا، ان دنوں بینگ کا مستقر جہانگیر (دھاکہ) تھا، پھر جب بعد میں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر سرزمین بینگ اور آل کا الحاق عمل میں آیا تو اس کا نام بنگال رکھ دیا گیا۔

کامروپ کے چاروں طرف گنجان جنگلات کے بیرونی حصوں میں چند دروازے تھے، ان دروازوں کی حفاظت کے لئے راجا کی فوج آلات حرب و حرب سے آراستہ مستعد اور چوکس موجود رہتی تھی، یہ فوج بڑی بڑی توپوں، بندو قوں اور دوسرے سامان جنگ کا بہت اچھا ذخیرہ رکھتی تھی، ان دروازوں میں سب سے بڑے دروازے کو ٹکھ دروازہ کہتے تھے۔ ان دروازوں کے آگے خندق تھیں، جن میں ہر وقت پانی بھرا رہتا تھا۔ دروازوں کی پشت ہم بانس، ہیر اور دوسری چیزوں کے اتنے گھنے جنگلات کھڑے تھے کہ آدمی تو آدمی حال و نہنگ بے شکل گزر سکتے تھے۔

میر جملہ کامروپ کی سرحد پر پہنچا اور اس کے آس پاس گھوم پھر کر نسبتاً کم بلندی آل حصوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ راہ کی ہر رکاوٹ کو دور کر کے آگے بڑھو اور جو بھی سامنے آئے تیار و تیز، بکترش موجوں کی طرح بہا لے جاؤ!

میر جملہ کے حکم پر ہزاروں تیر ہزار اور کھانڈے والے آگے بڑھے اور خوشنوا کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔ ان جفاکشوں اور مصائب سے نیروا کرنا ہونے والوں میں میر جملہ خود بھی شامل تھا۔ میر جملہ کے آس پاس مرقضی خان، دلیر خان اور آغرخان نامی

جیالے موجود تھے اور ان کا جنوبی انداز جنگ اس بات کی گواہی دیتا رہا کہ انہیں تسخیر کے علاوہ کچھ بھی نہیں چاہیے یہاں تک کہ اپنی زندگیوں تک انہیں حقیر محسوس ہوتی تھیں۔

شاہی فوج میں کامروپ اور آسام کے سپاہی بھی شامل تھے اور انہوں نے مسلمانوں کی صحبت میں اپنا مذہب بھی چھوڑ دیا تھا اور مسلمان ہو گئے تھے انہیں مغل فوج میں ملازمین کرتے کرتے پندرہ پندرہ بیس بیس سال گزر چکے تھے۔ رہنمائی کے لیے میر جملہ کی نظریں انہی سپاہیوں پر پڑی ہوئی تھیں۔ میر جملہ نے اپنے ماتحت فوجی کمانداروں کو خفیہ حکم دیا تھا وہ سب اپنے ماتحت کامروپ اور آسام کے مسلم سپاہیوں کی فہرست پیش کریں تاکہ ان میں سے چند معتد سپاہیوں کا رہنما کی حیثیت سے انتخاب کر لیا جائے۔

دودن کے اندر مرقضی خان، دلیر خان اور آغرخان نے اپنی اپنی فہرستیں پیش کر دیں۔ یہ کل ستائیس نو مسلم تھے۔ میر جملہ نے ان سب کو اپنے دو برہنہ طلب کیا اور ان سے بڑی اچھی طرح پیش آہ۔ دریا کے کنارے دو رنگ بانسوں کا جنگل کاٹا جا چکا تھا اور صاف کیے ہوئے قطعوں میں پر شاہی فوج نے اپنے خیمے نصب کر دیے تھے ان کے ایک طرف دریا بہہ رہا تھا اور دوسری طرف بانسوں اور میدوں کا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ دنیا میں بے شمار کشتیاں کھڑی تھیں اور ان پر موجود علم میر جملہ کے اشارے کا منتظر، مستعد کھڑا تھا، کشتیوں کو ساحلی دھڑوں سے باندھ دیا گیا تھا اور کشتیاں کھلنے پینے کے سامان اور آلات حرب سے لدی ہوئی تھیں۔ میر جملہ کا وسیع و عریض خیمہ دریا کے قریب ہی نصب تھا اور وہ کچھ اس وضع کا تھا کہ میر جملہ خیمے کے اندر بیٹھے ہی بیٹھے چاروں طرف کا جائزہ لے سکتا تھا۔

میر جملہ ستائیس نو مسلموں کے ساتھ اپنے خیمے میں بیٹھا احکامات جاری کر رہا تھا، اس نے پچیس سپاہیوں کو حکم دیا کہ جنگل کے کنارے کنارے آگ لگا دی جائے تاکہ خوشنوا درندے ان سے دُور رہیں اور چند کارندوں کو حکم ملا کہ وہ اور کشتیوں کا انتظام کریں۔ ملاحوں کو حکم دیا گیا کہ وہ چوکس اور تیار رہیں کیونکہ کچھ ہمتہ نہیں کہ کب کوچ اور بیلغار کا حکم دے دیا جائے۔

میر جملہ کے انداز اور اطوار سے ایک بات اچھی طرح سمجھ میں آ رہی تھی وہ یہ کہ میر جملہ اب کامروپ اور آسام کا قصبہ چکا کر رہے ہیں اور ان کو رہنمائی کے لیے

کو تباہ و برباد کی بغیر شے شخص واپس نہیں آتے گا۔ ستائیس نو مسلم حیرت و استعجاب سے میر جملہ کے احکامات اور ان میں موجود دہرے اور تہذیب کو دل کی گہرائیوں سے دیکھ اہم سمجھ کر رہے تھے۔

میر جملہ نے اپنے خدمت گار کو حکم دیا۔ "مرفضی خان، دلیر خان اور آغا خان کو میرے خیمے میں لے آیا جائے۔"

تھوڑی دیر میں یہ تینوں میر جملہ کے خیمے میں داخل ہوئے۔ ان کے زیرِ مکران نو مسلم انہیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ میر جملہ نے تینوں کمانداروں کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور خود دونوں ہاتھوں کو کمر کی پشت پر رکھ کر بیٹھ گیا۔

پھر اچانک رکا اور خیمے میں موجود دو خدمت گاروں کو حکم دیا کہ خیمے کے اسی رخ کا پردہ اٹھا دیا جائے جس سے دیہات نظر آتا ہے۔

پردہ اٹھا دیا گیا اور یہاں سے کشن دیوب کے بانس، رستیاں اور بادبان اور ان پر موجود ملاح صاف نظر آنے لگے۔ خیمے میں موجود ہر شخص نے دریا اور کشن دیوب کا پرے شکوہ منظر بڑے غور سے دیکھا۔

میر جملہ بیٹھے بیٹھے رک گیا اور خیمے میں موجود حضرات کو مخاطب کیا "میرے دوستو! اس وقت میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ بس چند باتیں کروں گا اور چند مشیر سے طلب کروں گا۔"

میر جملہ نے سمجھ تو قف کے بعد انہیں مخاطب کیا۔ "میرے دوستو! میرے خاتم اور دیانت دار بلکہ ایماندار ساتھیوں! بظاہر میں تم سب کا سردار ہوں لیکن اگر ایماندار سے پوچھا جائے تو میں تم سب کا خادم ہوں۔"

آغا خان، دلیر خان اور مرفضی خان نے بیک آواز عرض کیا۔ "جناب والا! اگر آپ نے خود کو اتنے بھی خادم کہا تو ہم لوگ اس کی مخالفت کریں گے، دشمنوں کے سامنے عجز و انکسار سے پیش آنے کا صریح مطلب یہ ہوگا کہ آپ خود کو کمزور ظاہر کر رہے ہیں اور سپہ سالاری آپ کو زیب نہیں دیتی۔"

میر جملہ نے اچانک ستائیس نو مسلموں کو مخاطب کیا۔ "دوستو! ذرا یہ منظر تو دیکھنا۔"

اور ساتھ ہی میر جملہ نے اس آگ کی طرف اشارہ کیا جو جنگلوں کے کنارے کنارے لگا دی گئی تھی۔

میر جملہ نے سمجھی کو مخاطب کیا۔ "کئی صدیاں گزریں، غزنی کا بادشاہ محمود غزنوی بنات پر حملہ آور ہوا تھا، محمود کے سپاہی اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور اجنبی زمین میں مایوس کھڑے تھے، شاید انہیں اپنی نیت کا یقین نہیں تھا، محمود نے

فیابوسی اور احساسات کو بٹھلایا اور جب وہ اپنے حریف سے مقابلے کے لئے کھڑے ہوئے تو محمود نے ان میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لئے نہایت مختصر مگر دلور انگیز بری تھی۔ اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا تھا۔ "بہادر! اگر تم یہاں سے اپنے وطن جانا

ہو گئے تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ بہت دور ہے، سینکڑوں میل دور ریگستانی اور لمبی علاقوں کے افس پار کوستانوں سے ورے ہے لیکن یہاں سے جنت کا فاصلہ

بہت قریب ہے، چند قدم دور، جام شہادت نوش سرد اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ میر جملہ ذرا ٹکا پھر بولا۔ "اس مختصر بات سے ابھی اس قدر دلور انگیز تقریر نے جو صدمہ

دے دیا، یوں سپاہیوں میں نیا جوش اور شوق شہادت پیدا کر دیا اور سو منات فتح کر لیا۔ اس کے بعد ذرا رکا اور سمجھی کو غیرت دلائی۔ "دوستو! آج پھر وہی معرکہ درپیش ہے، یہاں بھی ہمارے اور دشمن کے درمیان دلور اور جنگلات، دریا اور پہاڑ حائل

ہیں، ایک ایسی زمین پر بیخار کرنا ہے جو دلوروں، جنگلوں، دریاؤں اور پہاڑی سلسلوں کی سرزمین کہلاتی ہے، ان جنگلوں میں باقعیوں اور دوسرے دہرہ دہرہ کی کثرت

ہے، ہم اپنے دشمنوں کے ساتھ ہی جنگی جانوروں سے بھی لڑنا ہے، قدم قدم پر کھٹے نکلات ہمارا راستہ روکیں گے لیکن ہمیں ان کا بھی مقابلہ کرنا ہے، ہمیں اپنے دشمن کے مل خانے کے لئے کہاں کہاں جانا پڑے گا اور کن کن قلعوں کو سر کرنا پڑے گا۔ ہمیں

میں معلوم، ہمیں اپنے دشمنوں کی زبان بھی نہیں آتی گویا اس ایک مہم میں ہمیں سستی فاذن پر جنگ کرنا ہوگی۔" پھر اچانک ستائیس نو مسلموں کو مخاطب کیا۔ "بس اس وقت

پورے خاص اپنے نو مسلم بھائیوں سے مخاطب ہوں۔" "ہم اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کو سنی نو مسلموں نے یکے بعد دیگرے پوچھا۔ "ہم اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کو

پارہیں۔ ہمیں ہماری ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جائے۔" میر جملہ نے کہا۔ "تم میں جو بھی کامروپ اور آسام میں ہماری رہنمائی کر سکے۔

ہم اس کا بیشک شکر یہ ادا کروں گا۔" ایک نو مسلم نے پوچھا۔ "اگر میرے سوال کو گستاخی نہ سمجھا جائے تو میں پھر

پوچھوں گا کہ اگر کامروپ اور آسام پر شکر کشی نہ کی جائے تو کیا ہرج ہوگا؟"

میر جملہ نے بقیہ چھبیس کا طرف اشارہ کیا۔ "غوث الاسلام بڑے سنوف سے۔
فدا بنی مرضی سے جس کو اپنے ساتھ رکھنا چاہیے، الگ کمرے اور ہماری مہربری
سمتارہ۔"

غوث الاسلام نے اس وقت چار نو مسلموں کو الگ کمریا اور وعدہ کیا کہ اللہ
نے چاہا تو وہ اس مہم کو اختتام تک پہنچائے گا۔

میر جملہ نے آغرخان سے کہا۔ "اگر تو ان سب کا حاکم ہے تو میرے سامنے جواب دہ
ہے اور یہ میرے سامنے۔" اس کے بعد بقیہ بائیس نو مسلموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کہا۔ "اور میں حکم دیتا ہوں کہ ان بائیس نو مسلموں کو بھی فوج سے الگ ہی رکھا جائے
وقت ضرورت ان سے بھی اسی نوع کے کام لیے جاتیں گے۔"

دلیر خان نے کہا۔ "خانخاناں! جب پانچ نو مسلم رہنما فی اور رہبری کرنے
پہلے آمادہ ہو گئے ہیں تو پھر ان بائیس نو مسلموں کو فوج سے الگ تھلگ کیوں
رکھا جائے؟"

میر جملہ نے سختی سے کہا۔ "میں جو کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کیا جائے، میں بحث
اجتہاد پسند نہیں کرتا۔"

میر مرتضیٰ نے عرض کیا۔ "خانخاناں کا حکم سناؤ، یہ کیونکہ اس وقت خانخاناں
ہر حکم اور رنگ نہیب کا حکم ہے اور بادشاہ ہمیشہ اپنے احکام کے بارے میں، تعمیل
نیت، کا طلب گار ہے۔"

میر جملہ نے بھاری آواز میں کہا۔ "آغرخان! پیش قدمی کی شاندار منصوبہ بنی
غوث الاسلام اور اس کے ساتھیوں سے زیادہ سے زیادہ فائدے اٹھانے کی ناپریں
بلادہ دلیر خان اور میر مرتضیٰ تم دونوں یلغار اور یورش کی منصوبہ بندی کرو۔ میں
یاف اور عسکی محاذ آرائی کا نقشہ بناتا ہوں۔"

آغرخان، دلیر خان اور میر مرتضیٰ خیمے سے نکل گئے۔ لیکن غوث الاسلام اور
ان کے ساتھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ میر جملہ نے غوث الاسلام کو حکم دیا۔ "غوث! تو
پچاس سال سے بادشاہ کا نمک کھا رہا ہے اس کے علاوہ تو مسلمان بھی ہو چکا ہے اس
پہنچ پر ہمارے دوق واجب الادا ہیں حق و مہرب اور حق و نمک۔ اس لئے تو اور
میں ساتھی ان دونوں حقوق کی ادائیگی میں اگر سر دھڑکی باندی بھی لگا دیں گے تو یہ
میں بابت نہیں ہوگی۔"

میر جملہ نے بدک کمر سوال کیا۔ "اے شخص تیرا نام؟ خدا تجھے دین اسلام
تک قائم رکھے، تو نے یہ کیسا سوال کر دیا؟"

نو مسلم نے جواب دیا۔ "میرا اسلامی نام غوث الاسلام ہے اور میں نے
سوال اس لئے کیا کہ میرے خیال میں کامروپ اور آسام مغل سلطنت کے ایک کڑے
واقع ہیں اور ان کے مغل سلطنت کا پرچم لہرا دیا گیا تو یہ بعض عارضی اور اتفاقی
عائد ہوگا اور مغل فوجوں کے ہتھے ہی یا مرکز کے کمزور ہونے ہی یہاں دوبارہ غلہ
حکومت قائم ہو جائے گی۔"

میر جملہ نے حکمائے کہا۔ "یہ مہم اور رنگ نہیب کے حکم پر ضرور کی گئی ہے
میں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ شاہی حکم کے نتائج اور نفع نقصان کی بحث نہ
کر دیں اور مجھے ہمت ہے کہ تیرا نام تو غوث الاسلام رکھ دیا گیا لیکن تیرے دل یہ
اسلام کی ذرا سی بھی محبت نہیں۔"

ایک دوسرے نو مسلم نے سوال کیا۔ "میری ناقص رائے میں غوث الاسلام
جو سوال کیا ہے اس کا ایک ہی مطلب ہوگا یعنی ہم سب یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کامروپ
اور آسام کی شہر سے اسلام کو کیا فائدہ پہنچے گا؟"

میر جملہ نے جواب دیا۔ "سنجیدہ کے بعد یہاں اسلام پھیلا یا جائے گا، مسیحی باغ
ہوں گی اور ان مسیحیوں سے پانچوں وقت اذانیں دی جائیں گی جس سے کفرستان کا
الٹا اور اللہ کے رسول کے ناموں سے گونجنے لگے گی۔"

آغرخان اس گفتگو کو بڑی ناگواری سے برداشت کر رہا تھا، اپنی جگہ برکت
ہو گیا اور میر جملہ سے کہا۔ "خانخاناں! آپ ان سے فضول باتیں نہ کیجئے اور انہیں صاف
صاف بتا دیجئے کہ اس مہم میں ان سے کیا کام لیا جائے گا۔"

میر جملہ نے جواب دیا۔ "میں رہنما چاہتا ہوں، صرف رہبری۔ تم میں سے
جو یہ فرض انجام دینے کا اہل ہے میرے پاس آجائے تاکہ میں انہیں لڑائی کی خدمات
سے باز رکھوں اور رہنما کا کام نبھاتا رہوں۔"

آغرخان نے غوث الاسلام سے کہا۔ "غوث الاسلام! میری نظر میں ان درویشوں
کو تجھ سے بہتر کوئی اور نہیں پوری کر سکتا۔"

غوث الاسلام نے جواب دیا۔ "میں حاضر ہوں، مجھ کو چند ساتھیوں کی ضرورت
پیش آئے گی، جنہیں میں اپنی مرضی سے الگ کر دوں گا۔"

خشکی اور تری کا سفر ایک ساتھ جاری رکھا۔ انہوں نے دہیا کے ساحل سے دوری کسی حال میں بھی پسند نہ کی۔

غوث الاسلام آغرخان سے اجازت لے کر آسام چلا گیا۔ آسام کا شہر بھی گڑھ غوث کا وطن تھا، چند نو مسلم کوچ بہار چلے گئے۔

غوث الاسلام اپنے بیچے راستوں، گھنے جنگلوں، ندی نالوں اور دریاؤں کو عبور کرتا گیا۔ بھیم گڑھ کے گھ کا نقشہ دھندلا دھندلا یاد آ رہا تھا، اس کے مکان کے پیچھاڑے لیمنوں کے درختوں کی چھاڑیاں تھیں اور دروازے کے بالکل سامنے آم، کیلے، انٹاس اور آلے کے درختوں کی بہتات تھی، ذاتیں بائیں ناریل اور جھالیہ کے درختوں کا سلسلہ در در تک چلا گیا تھا۔ غوث الاسلام کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس کا مکان پتھر، لکڑی اور بانس کا تھا۔ اب جبکہ وہ اپنے وطن جا رہا تھا تو اس کو پندرہ سال پہلے کی ساری باتیں یاد آ رہی تھیں، پندرہ سال پہلے جب وہ جمہور تھا اور بھیم گڑھ کی بیرونی دنیا کا اسے کوئی علم نہ تھا تو اس کو اپنے وطن سے بڑی محبت تھی، وہ اپنے راجا کو دنیا کا طاقت ور ترین حکمران سمجھتا تھا اور اپنی قوم کو دنیا کی سب سے مہاد قوم سمجھتا تھا۔ اس نے راجا کی فوج میں ملازمت کر لی تھی اور جب اس کا گزر راجا کے اس کا درخانے میں ہوا، جہاں کشتیاں، اڑاڑے اور پہلے بنائے جاتے تھے۔ تو اس کے دل میں راجا اور اپنی قوم کی برتری کا پتھر زیادہ ہی احساس ہو گیا۔ یہیں اس نے راجا کے سامان جنگ اور آلات حرب کا مشاہدہ کیا۔ توپیں، تندوفیں، تلواریں، تیر، نیزے اور خنجران بھیداروں کا موجودگی میں کسی دوسری قوم کا اس کی قوم کو شکست دینا، اس کے اپنے خیال میں ناممکن سی بات تھی۔ اس نے اپنی قوم میں گھرے بہت کم دیکھے تھے، اور اس کو اچھی طرح یاد تھا کہ بھیم گڑھ کے جس شخص کو بھی گدھا میسر آ جاتا تھا وہ خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگتا تھا اور دوسرے گدھے سے محروم لوگ خود کو کمتر سمجھنے لگتے تھے۔

اس دوران بھیم گڑھ پر مغل فوج حملہ آور ہوئی تو وہ گھوڑوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ گدھے سے کہیں زیادہ شاندار اور کارآمد جانور۔ اپنی قوم کے ساتھ وہ خود بھی گھوڑوں سے خوفزدہ ہو گیا تھا۔ مغلوں نے اپنے شاندار ہتھیاروں سے اس کی قوم کو بے شمار ناک شکستیں دیں تھیں، مغلوں کی تندوفیں، توپیں، تلواریں، تیر، نیزے، بھلے، خنجر اور معلوم نہیں کون کون سے شاندار ہتھیار دیکھ کر وہ حیرت زدہ

غوث الاسلام نے جواب دیا: "جناب والا! اگر آپ مجھے یہ حکم نہ دیتے، تب بھی ہم لوگ ان مدوں حقوق کی ادائیگی کی پیش کش کر دیتے۔"

میر جملہ نے غوث کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں: "کیا واقعی؟" غوث نے سرشاری سے کہا: "خائن! میں تو ایک بات جانتا ہوں، ہم سب جس جگہ کھڑے ہیں یہاں سے جنت بہت قریب ہے میں اپنے لشکر اور اسلام کے لئے جو کچھ کروں گا کو یا اس کے عوض میں جنت حاصل کر لوں گا۔" میر جملہ کا چہرہ خوشی سے نمتانے لگا: "خدا تجھے جزائے خیر دے اور ہم سب کا خاتمہ اسلام اور ایمان پکڑے۔"

غوث الاسلام نے آہن کہی اور اس میں اس کے دوسرے نو مسلم بھائیوں نے بھی ساتھ دیا۔

اس کے بعد غوث الاسلام میر جملہ کے ساتھ عیسے سے باہر نکلا یہاں آغرخان اس کا منتظر آ کر رہا تھا۔ آغرخان نے غوث الاسلام سے کہا: "تو اپنے ساتھیوں کو بھی بلالے تاکہ جلد از جلد کام شروع کر دیا جائے۔"

غوث الاسلام نے ملتے دسی: "میں اپنے نو مسلم بھائیوں کے سلسلے میں رہنے ضرور دوں گا کہ ان سب سے کام نہ لیا جائے، چار پانچ کے علاوہ سب کو نگہبانی میں رکھا جائے اور ان چار پانچ سے بھی نہایت ہوشیاری سے کام لیا جائے۔" آغرخان نے جواب دیا: "ان سے کام لینا میری ذمہ داری اور میرا کام ہے اپنے کام کا کسی طرح آغاز کرے گا؟"

غوث نے کہا: "میں اپنے وطن آسام چلا جاؤں گا اور وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر جلد از جلد واپس آ جاؤں گا اور بوقت لشکر کشی میں اپنے مہادوں کی رہبری کروں گا۔"

میر جملہ نے ایک بار پھر "جناب اللہ" کا نعرہ لگایا اور آغرخان بھی بہت خوش ہوا۔

غوث الاسلام نے شام کو قرآن پاک کی تلاوت کی اور آنکھیں بند کر کے خُدا خضر سے اپنے مقصد کی کامیابی کی دعا مانگی۔

میر جملہ نے دوسرے ہی دن سے کوچ بہار پر لشکر کشی شروع کر دی، نو مسلم آسامی ان کی رہنمائی کر رہے تھے اور مغل فوج آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔ مغلوں نے

دہ گیا تھا۔ پھر اس نے مغلوں کے جنم پر مشائملہ لباس بھی دیکھئے تھے اور زندگی میں پہلی بار اس کو اپنی قوم کی کم مائیگی کا احساس ہوا تھا۔ مغلوں کی کشتیاں اور لڑائی سے بھی بہت شاندار اور زیادہ کارآمد تھے۔ اس معرکے میں مغلوں نے اس کے راجا کو شکست دے دی تھی اور اس کی قوم کے کئی ہزار افراد کو جنگی قیدی بنا کر جہانگیر (ڈھاکہ) روانہ کر دیا تھا۔ ان قیدیوں میں وہ خود بھی شامل تھا، پھر طاقت ور شدن نے کمزور شدن کو مغلوب کر لیا، کمزور مذہب کو مضبوط مذہب نے شکست دے دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہو جانے کے بعد اس کو بڑی عزت ملی اور وہ مستقلاً جہانگیر نگر ہی میں رہنے لگا۔ پانچ چھ سال قبل اس نے شادی بھی کر لی تھی اور اس کا ایک تین سالہ لڑکا منصور تھا۔

دوران سفر اس کو اضی کی ایک بات یاد آ رہی تھی، اس کی ایک ماں، ایک بہن اور چچاؤں کی اولاد بھی تھی۔ باپ کا بچپن ہی میں انتقال ہو چکا تھا، اب اس کو اپنی ماں بھی یاد آ رہی تھی اور اپنی بہن سنیہ دی بھی۔ وہ سوچ رہا تھا، ان پندرہ سالوں میں ان کا معلوم نہیں کیا حشر ہوا ہو۔ اس نے اپنی ملازمتیں دے دیں ہوئے گھر سے سیاہی مائل بھوسے گھوڑے تو بڑی خوشی اور فخر سے دیکھا اور جھوم گیا، اس کو یقین تھا کہ یوں تو اس کے ہم وطن اس کو بھول چکے ہوں گے لیکن جب وہ ان سے اپنا تعارف کرائے گا اور وہ اپنے جمدھر کو ایک شاندار گھوڑے پر سوار اپنے درمیان دیکھیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔

ایک جگہ اس کو اپنے گھوڑے سمیت دریائے برہمپترا عبور کرنا پڑا۔ اس نے ایک بات ہر جگہ محسوس کی وہ یہ کہ پورے آسام میں مغلوں کے حملے کا بڑا چرچا تھا اور ان کے دیوں میں مغلوں کا رعب بیٹھ چکا تھا۔ اگر اس کا ناک نقشہ بھڑکا نہیں یا گور کھوں جیسا نہ ہوتا تو اس کو کوئی پہچان بھی نہ سکتا۔ وہ اپنی زبان ابھی تک نہیں بھولا تھا، سفر کے دوران ہی اس کو اپنی بڑی اور بچہ بھی بہت یاد آئے۔

ایک سانحہ بہت سی باتیں یاد آئی اور ستاتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ یسوج کمر در گھر گیا کہ راجا اس پر کہیں شک و شبہ نہ کرنے لگے وہ راجا اور اپنی قوم کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

غوث نے اپنے ہم وطنوں کا لباس پہن لیا اور گھوڑے کو اونچی نیچی راہوں پر بھگانے لگا۔ وہ جمدھر سے بھی گزرنا مقامی لوگ اس کو سہرت اور عزت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ ان لوگوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو گھڑ سوار بنائے تھے ان میں سے ایک بھگتا، ایک بہ لوگ گھوڑوں سے ڈرتے تھے۔ غوث ان راستوں پر پندرہ سال پہلے چلتا پھرتا رہا تھا اس وقت وہ پچودہ سال کا تھا، اس نے محسوس کیا کہ ان پندرہ سالوں میں وہاں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ وہی راستے، وہی مکانات، وہی ندی نالے وہی لوگوں کا رہن سہن، وہی چہرے مہرے اور وہی لباس۔

غوث ایک سطح جگہ پر کھڑے ہو کر غور کرنے لگا کہ سامنے موجود زمین راستوں میں سے کس پر اسے چلنا چاہیے۔ دور راستوں کے درمیان ایک راستہ ذرا نشیب میں انزا چلا گیا تھا، اس راستے کے دونوں طرف بے ترتیب مکانات بنے ہوئے تھے راستے کا ابتدا ایک پنجرے مکان سے ہوئی تھی، اس پنجرے مکان کی دیواروں پر میٹیں دھڑی ہوئی تھیں اور اس کا دروازہ ناظرانہ لکڑیوں کا تھا، اس کو یاد آیا کہ کچھ کے مکان میں اس کا ماموں رہتا تھا۔ اور آگے نشیب میں، کوئی پچیس تیس مکانوں کے بعد اس کا اپنا مکان تھا۔ وہ اپنے ماموں کے مکان کے سامنے ٹکا اور گھوڑے سے اتر پڑا۔ سنی کے لوگ اس کو در در سے دیکھ رہے تھے، اس نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا پنجرے مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے جھپٹتے ہوئے دروازے پر دستک دی۔ سنی کے تماش بینوں نے دروازے پر دستک دیتے جو دیکھا تو چند اس کے پاس پہنچ گئے اور اپنی زبان میں پوچھا۔ ”یہاں کس سے ملنا ہے؟“

غوث نے انہی کی زبان میں جواب دیا۔ ”ماما را کھن پال جی سے“ وہ اپنی ہی زبان میں جواب دیا کہ جیسا کہ وہ کہے۔ انہی میں دروازہ کھلا اور اندر سے ایک بوڑھا نمودار ہوا۔ سر کے بال صاف، رنگ گندری، اندر درمیان کھلا ہوا عمر تقریباً پچیس یا اٹھ سال۔ اس نے باہر نکلتے ہی گھوڑے کو پہلے دیکھا اور کچھ ڈر گیا پچھے ہٹتے ہوئے پوچھا۔ ”تو کون ہے اور کس کے پاس آیا ہے؟“

غوث نے اپنا خاندانی نام بتایا۔ ”ماما میں جمدھر ہوں، نیر بھائی، جس کو پندرہ سال پہلے ملاش پکڑے گئے تھے۔“

ماما را کھن پال نے چند جملے نہ کہیں سے اپنے بھلے جمدھر کو پہچاننے کی کوشش کی اور دماغ پر زور زور سے کرچاں لبا۔ بے اختیار اگلے سے لگا کر فرط حزن

سے کہا۔ ”جمدھر یہ تو ایسا تو کہاں سے آگیا؟ تو ابھی زندہ ہے۔! ہم لوگ تو بھگت
مرد ہو کر بھلا بھی چکے تھے۔“

جمدھر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ”لیکن ماما رکھن پال جی میں زندہ ہوں
تم لوگوں سے ملنا قسمت میں لکھا تھا، اس لئے زندہ سلامت واپس آگیا۔“

بستی کے تماشائی ان دونوں کے پاس پہنچ گئے اور جب انہیں یہ معلوم ہوا
کہ یہ اجنبی جمدھر اس بستی کا آدمی ہے، جس کو پچودھ سال پہلے ملکش اغوا کر کے گئے
تھے تو بہت خوش ہوتے، ان کی نظر میں جمدھر میں کوئی خاص بات نہیں تھی، بلکہ خاص
چیز جمدھر کا گھوڑا تھا۔ انہوں نے بڑے حوصلے سے کام لیا اور آہستہ آہستہ گھوڑے کے
پاس پہنچے، ان میں سے کئی تماشائی اپنے دل سے گھوڑے کا خوف نکال باہر کرنا چاہتے تھے
انہوں نے پہلے تو آہستہ آہستہ گھوڑے کا پیٹ مہلایا اور جب اس حرکت کا گھوڑے پر کوئی
اثر نہ ہوا تو انہوں نے اس سے زیادہ جسارت دکھائی۔ ان میں سے ایک شخص نے گھوڑے
کی دم پکڑ لی اور آہستہ سے جھٹکا دیا۔ گھوڑے نے ایک لات رسید کر جس سے دم پکڑ کر
گھسیٹنے والا مقامی ہندو قلابا بازی کھاتا ہوا دور جا کر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی
جمدھر اس کے ماموں اور دوسرے چند آدمی اس زخمی کی طرف بڑھے اور اس کو اٹھا
کر کھڑا کر دیا۔

جمدھر نے پوچھا۔ ”تو اس گھوڑے کے پاس کیا کر رہا تھا؟“
اس نے جواب دیا۔ ”میں اس عجیب و غریب جانور کو دیکھ رہا تھا کہ اس نے
دو لڑکیاں ڈی، بہت پہلے یہ سخت ناقابل اعتبار جانور ہے۔“

جمدھر نے کہا۔ ”ہاں اس کی پھیلائی سے ہمیشہ بچا جاتا ہے۔“
ماما رکھن پال جی نے جمدھر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ ”یہ کس باتوں میں پڑ گیا تو، اندر
چل، کچھ دیر بیٹھ، اس کے بعد میری امر کی خبر عزیز مرشد دادوں کو پہنچاتا ہوں یہ تو بڑی
خوشی کا دن ہے۔“

جمدھر نے گھوڑے کو درخت سے باندھ دیا اور اپنے ماما کے ساتھ اندر
چلا گیا۔

ماما رکھن پال جی نے اپنی بیٹی کو آواز دی۔ ”بھائی، فدا جلدی تو آ، بھاگ کر
دیکھ یہ کون آگیا میرے گھر میں۔“
ذرا دیر بعد ایک سالنے ننگ کی اٹھانہ انہیں سالہ لڑکی دونوں کے پاس

آگئی۔ لڑکی تھہرنا بندھے ہوئے تھی اور جسم کے بالائی حصے کو ایک دوسرے غمخیز کپڑے
سے اس طرح چھپا رکھا تھا کہ وہ چوڑی بیٹی کی شکل میں بائیں شانے سے گزر کر پشت
سے لپٹا ہوا تھا، دونوں کانوں میں پینٹل کے بالے پڑے تھے اور یہ اتنے بڑے
تھے کہ دونوں طرف رخساروں پر گئے ہوتے تھے۔

ماما رکھن پال جی نے لڑکی کا تعارف کر لیا۔ ”جمدھر بیٹے، یہ میری بیٹی بھاگیتی
ہے جب تو مغلوں کی قید میں گیا تھا، اس وقت یہ ڈھائی تین سال کی تھی، اس کے بعد
بھاگیتی سے کہا۔ ”بھاگیتی، یہ تیری بھوپتی کا بیٹا جمدھر ہے جسے پندرہ سال پہلے مغل
قید کر کے گئے تھے۔“

دونوں نے ایک دوسرے کو جانپختی ننگے کی نظروں سے دیکھا اور دونوں کے
چہروں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

ماما رکھن پال جی اور جمدھر کچھ دیر مغلوں کی باتیں کرتے رہے، جمدھر نے مغلوں
کی بڑی برائیاں کیں اور ان کی جہاد رسی، چالاکی اور مستقل فلاحی کی ایسی تاثر خیر نصیر
کشی کی کہ ماما رکھن پال جی خوفزدہ ہو گیا۔ ماما نے مغلوں کے مذہب اور تمدن کے بارے
میں کئی سوال کیے، جمدھر کے جوابوں نے اس کو حیرت میں ڈال دیا۔ شاندار محلوں میں رہنے
والے مغل، اعلیٰ لائیں میں گھوڑوں پر اٹھے پھرتے ہیں اور اپنے بادشاہ کے بیٹے اپنی
جائیں نشانہ کرتے رہتے ہیں۔ اس بات نے ماما رکھن پال جی کو اور زیادہ حیرت زدہ کر دیا کہ
مغل بادشاہ کی فوج میں راجپوت بھی شامل ہیں اور بعض دوسرے غیر ملکی بھی، مثلاً پٹھان
جو کابل سے آتے ہیں اور ایرانی اور تبتانی بھی اور یہ سب ایک بادشاہ کے حکم پر اپنی
جائیں لڑا دیتے ہیں اور ان میں ملکی اور قبائلی عصبیت جھگڑے کا سبب نہیں بنتی۔

بھاگیتی ان دونوں کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ یہ
اجنبی جو خود کو اس کی بھوپتی کا بیٹا کہتا ہے اس کی اپنی زبان میں کتنی روانی سے باتیں
کر رہا ہے۔

پوری بستی میں جمدھر کی واپسی کا شہرہ ہو چکا تھا، جمدھر کی ماں، بہن اور
دوسرے رشتے دار ماما رکھن پال جی کے گھر پہنچ گئے۔ بستی کے دوسرے لوگ بھی ماما رکھن
کے دروازے پر جمع ہو چکے تھے۔ جمدھر گھر سے باہر نکلا اور بستی کے لوگوں سے باری باری
ملتا تھا، کہیں اور ان کے گلے لگ لگ کر انہیں خوش کرتا رہا۔ ان لوگوں کو جمدھر سے زیادہ
اس کے گھوڑے سے دلچسپی تھی اور انہوں نے چاروں طرف سے گھوڑے کو گھیر رکھا

کھا اور اس کو حیرت اور خوف کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

ماں کا لباس بھی بھگرتی جیسا تھا بس کانوں میں بالوں کی تعداد زیادہ تھی دوڑوں کاڑوں میں چار چار بالے لٹک رہے تھے جن کے بوجھ سے کانوں کا بیلا حصہ ٹوٹ گیا تھا۔ مہن کے کانوں میں بھی چار چار بالے بڑے ہوتے تھے کچھ دیر بعد ماں نے جمدھر سے کہا۔ ”تو رکھن پال کے پاس کیوں لگ گیا، سپردھامیرے پاس کیوں نہیں آیا؟“

جمدھر نے جواب دیا۔ ”اب میں تیرے ہی پاس آتا ہوں۔ میں جبران ہوں کہ ان پندرہ سالوں میں بھی اس بسف میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، یہاں کی ہر چیز پہلی ہی جیسی ہے۔ میں نے ماں کو رکھن پال جی کے مکان کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔“
ماں نے جواب دیا۔ ”جو لوگ اپنے باپ دادا اور قوم کے رسم و رواج چھوڑ کر دوسروں کی ریت اختیار کر لیتے ہیں وہ اچھے نہیں ہوتے۔ تبدیلی کوئی اچھی چیز تو نہیں ہوتی۔“

جمدھر نے مسکرا کر کہا۔ ”تبدیلی بڑی اچھی چیز ہے، دنیا نے اسی سے ترقی کی ہے۔“

ماں نے غصے میں کہا۔ ”تو بیکار باتیں مت کر۔ سورتھ، چاند، ستارے آسمان پر سب پرانے ہیں، ان میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں آئی یہ زمین، یہ پہاڑ، یہ دریا، اس زمین سے جو درخت پہلے نکلے تھے وہی آج بھی نکل رہے ہیں۔ اگر تبدیلی کوئی اچھی چیز ہوتی تو ان سب میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی۔“

جمدھر نے عاجزی سے جواب دیا۔ ”ماں میں تجھ سے بحث نہیں کروں گا، لیکن جب یہاں کا راجا یا پسیوں کے ہتھیار بندہ روق اور تو ہیں استعمال کرنے لگے تو اس کا یہ مطلب ضرور ہے کہ وہ تبدیلی اختیار کر چکے ہوں مغلوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کی اچھی باتیں اختیار کرنے میں کوئی سرتھ نہیں ہے۔“

ماں نے پھر اختلاف کیا۔ ”جمدھر، شاید تو وہ جمدھر نہیں ہے جو پندرہ سال پہلے گم ہو گیا تھا، تو تو کوئی معلوم ہوتا ہے۔“ پھر بوجھا۔ ”تو یہاں کیوں آیا ہے؟“
جمدھر نے جواب دیا۔ ”میں مغلوں کے جنگل سے نکل بھاگا ہوں، مغل میرے پیچھے آ رہے ہیں، ادھر سے لگ کر قلعہ لہنا جا رہے ہیں، میں اپنی قوم کی طرف سے مغلوں کا مقابلہ کروں گا، ادھر آئے راجا کی ہر دم کروں گا۔“

ابھی تک رکھن پال خاموش تھا، دونوں کی باتیں سن کر اپنا فیصلہ سناد یا۔
جمدھر اتیری ماں کے خیالات درست ہیں، تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ مغل بن جائیں، مغل آسامی یا کٹناوی و آسام کی دوق میں بننا گوارا کریں گے، ہرگز نہیں، پھر ہم مغل کیوں بنیں۔ ہمارا راجا اتیری مرد کے بغیر بھی لڑ سکتا ہے۔“
جمدھر نے حالات کو اپنے خلاف ہوتے دیکھا تو گھبرا گیا، بولا۔ ”اگر تم لوگ میری باتیں پسند نہیں کرتے تو کوئی بات نہیں، مجھے اپنوں میں رہنا ہے تو اپنوں کی مرضی پر رسم و ریت کے مطابق رہوں گا۔“

بھگرتی زور زور سے چپٹے لگی، بولی۔ ”باپ جی! مہان کو تنگ نہ کر۔“ پھر جمدھر کی ماں سے کہا۔ ”اور باپ جی کی بہن! تو بھی کیسی نادانی کی باتیں کرتی ہے۔ تیرا کھدیا ابھی پندرہ سال بعد واپس آیا ہے اب اس سے ایسی باتیں تو نہ کر کہ یہ بڑا مان کر واپس چلا جائے۔ اس کو میرے پاس رہنے دے، میں اس کو راضی کر لوں گی، یہ اپنا ہے اپنوں کی طرح رہے گا۔“

جمدھر کی مہن نے جمدھر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”بھائی! میرا ہے اس لئے میرے ساتھ چلائے گا، تو اپنے پاس کیوں رکھنے کی۔“

بھگرتی پھر ہنسی اس کے دوڑوں بالے بھی پلنے لگے، بولی۔ ”میں کب کہتی ہوں تو یہ میرا بھائی ہے، تیرا بھائی ہے تو نے جالے گھر، لیکن میں یہ بات ابھی سے بتاتے رہتی ہوں کہ جمدھر کو ایک نہ ایک دن آنا اسی گھر میں ہے۔“

*

*

*

راجا کو جمدھر کی آمد کا علم ہوا تو اس نے اسے اپنے قلعے میں بلوایا۔ یہ قلعہ دیواروں سے بہرہ پہر کے کنارے واقع تھا، سرفیلک دیواروں کے اندر راجا کا شاندار محل تھا اور محل کی حفاظت کے لئے راجا کے سات ہزار سپاہی ہر وقت گشت میں رہتے تھے قلعے کی فصیلیں پراس سے کسی گناہ زیادہ فروغ تغیرات تھی۔ راجا کے محل کے لوگ شاندار لباس میں نظر آتے۔ راجا نے جمدھر کو بڑے اعتماد اور خوشی سے محل میں بلوایا تھا اور جب اس کو یہ یقین ہو گیا کہ جمدھر جب الوطن میں راجا کی مدد کرنے آیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے جمدھر کو پوری آزادی دی کہ وہ اس کے دیوان کو مشورے دے اور عملی مدد دے اور دیوان اور جمدھر مل جل کر مغلوں کا مقابلہ کریں اور انہیں ایسی

شکست دے کہ مغل دوبارہ ادھر کا رخ بھی نہ کریں۔

جہدھر کو اپنی قوم پر افسوس ہوا جو تبدیلیاں قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتی تھی اور راجا پر غصہ آیا جو خود کو بدل چکا تھا اور اپنے عمل میں کبھی تبدیلیاں لا چکا تھا لیکن اپنی قوم کو بدلنے پر تیار نہ تھا اس نے تہمت کر دیا کہ وہ اپنی قوم میں انقلاب لانے کا اور اس انقلاب کے لئے اگر اس کو مغلوں کو لے آنا پڑے تو اس میں کوئی ہرج نہیں محسوس کئے گا۔

بھیم گڑھ میں اس کو یہ خبر ملے کہ میر جملہ اور آغرخاں اس کے ساتھیوں کی مدد سے کورج بہار کو فتح کر کے آسام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ گویا اب میر جملہ کو جہدھر کی مدد دینا پڑتی۔ میر جملہ کورج بہار کی تسخیر کے بعد گھوڑا گھاٹ کی طرف بڑھا اور چند دنوں بعد رانگامانی نامی جگہ پر اپنے خیمے نصب کر دیے۔ اس جگہ دیا بے بہرہ بہتر پہاڑوں سے نکلا کر سامنے آجاتا ہے، سامنے دونوں طرف اونچے اونچے پہاڑ کھڑے تھے ان کی خطرناک بلندی کے پیش نظر میر جملہ اور آغرخاں نے غوث الاسلام (جہدھر) کی اطلاعات آنے تک اس جگہ قیام کا ارادہ کر لیا۔

راجا کو جب یہ اطلاع ملے کہ مغل فوجیں رانگامانی میں پڑاؤ ڈالے پڑی ہیں تو اس نے اپنے ایک بھروسے (وزیر یا سپہ سالار) اور جہدھر کو جوگی کچھا کی طرف جانے کا حکم دیا، یہاں دوسرے جلدی قلعے تھے اور ان کی تسخیر کے بغیر مغل فوجیں آگے نہیں بڑھ سکتی تھیں۔ جہدھر اتنی جلدی والیسی پر شاید تیار نہ ہونا کیونکہ وطن کی ہواؤں میں ایک نشہ سا تھا۔ جس نے اس کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔ لیکن مذہب اور حق شنک کی کشش اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور وہ مغلوں کے حق میں جذبات انجام دینے پر مجبور تھا، اس کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ پورا علاقہ مغلوں کے قبضے میں چلا جائے گا اور یہاں کا صوبے دار مغلوں ہی کی طرف سے حکومت کیا کرے گا، چنانچہ ان حالات میں اس بات کا تو امر کان تھا کہ مغل اس کو یہاں کا صوبہ دار نامزد کر دیں اور وہ اپنی بقیہ عمر اپنے وطن ہی میں گزارنے کے لائق ہو جائے۔

جب اس نے راجا کا جوگی کچھا جانے کا فیصلہ اپنی ماں، بہن، ماما لکھن پال جی اور بھائی گونی تو مان اور بہن کو بہت افسوس ہوا، ماں نے کہا: ”اگر اتنی جلدی بچھڑ جانے کے لئے آیا تھا تو سچے نہیں آنا چاہیے تھا“

بہن نے کہا: ”کس نے میرے بھائی پر جلد کر دیا ہے درنہ یہ اپنے گھر میں

چین سے ضرور رہتا“

بھائی گونی نے کہا: ”میں تو جہدھر کے ساتھ چلی جاؤں گی، کیونکہ یہ مجھے بہت ملتا ہے“

لیکن راکھن پال جی نے مخالفت کی: ”بھائی گونی! تو جہدھر کے ساتھ نہیں جی، تو میرے پاس ہی رہے گی کیونکہ تجھ سے شادی کرنے کا امیدوار جگ دیو بھی بابا پسند نہیں کرے گا“

بھائی گونی نے جواب دیا: ”باپ جی! جگ دیو سے میری طرف سے کہہ دے کہ میں سے شادی نہیں کروں گی“

راکھن پال جی نے کہا: ”یہ بات میں کس طرح کہہ سکتا ہوں بھائی گونی، بلوری قوم میری دشمن ہو جاتے گی“

بھائی گونی نے جہدھر کی طرف دیکھا اور کہہ کر اس کے کانڈھے سے لگ اس کا ایک بالا جہدھر کے رخسار سے ٹکرانے لگا، بلوری: ”جہدھر! تو نے میرا فیصلہ سنا جگ دیو سے شادی نہیں کروں گی۔ میں تجھ سے شادی کروں گی، تو راضی ہو“

جہدھر اس چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا، بولا: ”بھائی گونی! میں تجھ سے شادی نہ کرتا ہوں لیکن کبھی نہیں، اگر مغلوں سے جنگ کرنے اور انہیں شکست دینے بعد میں زمانہ پرچ گیا تو تجھ سے ضرور شادی کروں گا، اس کے لئے تمیر انتظار کرے گی،“

بھائی گونی نے ایک دم فیصلہ سنا دیا: ”میں شادی کے دن کا انتظار کر سکتی ہوں میری داسی کا انتظار نہیں کر سکتی۔ میں نہرے ساتھ سات کی طرح لگی رہوں گی اور ایک کا جہدھر کو گواہ نہیں کروں گی کیونکہ تو ایک بار گم ہوا تھا تو پندرہ سال بعد ملا، اب اگر ہوا تو معلوم نہیں کب ملاقات ہو“

راکھن پال نے پھر مخالفت کی: ”ایمان نہ بھائی گونی“ پھر جہدھر سے کہا: ”میرا بھانا بل نہیں ہے۔ جہدھر تو ہی سمجھا بھائی گونی کو“

لیکن بھائی گونی نے جو فیصلہ کر لیا تھا، اس پر قائم رہی، اس نے باپ سے کہہ لپ جی! مجھے اس پر مجبور نہ کر کہ میں اپنے فیصلے سے پوری قوم کو مطلع کروں اور یہ بتا دوں کہ تو مجھے جہدھر سے شادی نہیں کرنے دیتا تو بلوری قوم تیری منت کر دے“

کمری اور بڑے درختوں کو کاٹ کاٹ کر دلہنوں اور نالوں پر بچھا دیا اور اس پر
 ہلکے کو گزرا بنا شروع کر دیا۔ راستے میں کئی جگہ ان پر چھاپے مارے گئے لیکن میر جملہ
 بزرگان نے انہیں منہ توڑ جواب دے کر ہر جگہ پس کیا۔

برہم پتر کے کنارے کنارے چل کر یہ ایک قلعے کے سامنے پہنچ گئے قلعے کی غری
 لو پہاڑ کی چوٹی کی وجہ سے محفوظ تھی اس کی جنوبی سمت برہم پتر ابھرا تھا مشرق
 یک دوسرا مناس نامی دیوار چل رہا تھا جو آگے جا کر جنوب میں دہلیسے برہم پتر میں
 خاصا شمال میں قلعے کی دیوار کے سامنے ایک خندق کھڑی تھی، خندق کے قریب ہی
 پہاڑ اور گھنا جنگل تھا۔ خندق کے پاس جو درسا مسطح حصہ تھا، اس میں بالنوں کو
 کسی طرح تلاش کر زمین میں گاڑ دیا گیا تھا اس کا ردائی کو آسامی بھیا بچا کہتے ہیں،
 لہجے بڑے بھیا بچوں کو عبور کرنا بڑی جان جوکھوں کا کام تھا۔

★

★

★

جہدھر راج کے بھوک اور فوج کے ساتھ جب اس قلعے میں داخل ہوا اور اس
 قلعے کے نیچے ذرا داخلے پر غل فوجوں کو چوڑیوں کی طرح حرکت کرنے دیکھا تو بہت
 ڈرا ہوا جہدھر نے قلعے میں ہر طرف گھوم پھر کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مغلوں
 کی طرف سے بلایا جاتے اور اگر وہ اپنا کوئی پیغام تیرے ذریعے مغلوں کو بھیجے تو قلعے کے
 اہل سے بھیجے۔

اس قلعے کے مقابل ایک دوسرا قلعہ بھی تھا، قلعے کی پشت پر دریائے برہم پتر
 گاہوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور ان دونوں شاخوں کے درمیان ایک ٹاپو سا نمودار ہو گیا
 تو دریا کے دوسرے کنارے پر کوہ متھرا سر اٹھائے کھڑا تھا اور اس پہاڑ پر دوسرا
 موجود تھا، پہلے قلعے میں پندرہ ہزار فوج اور تین سو بیس کشتیاں موجود تھیں جہدھر
 ساتھ جو فوج آئی تھی، وہ اس کے علاوہ تھی۔

بھاگتی جہدھر کے ساتھ ساتھ کی طرح لگی ہوئی تھی، اس نے جہدھر کے ساتھ
 ہوا چوڑیوں کی طرح لگتے چودھیا تو دم بخود رہ گئی مغل فوج کا بیشتر حصہ سفید
 لالہ تھا، لیکن ان کی پگڑیوں کے رنگ مختلف تھے، اس نے جہدھر سے کہا "جہدھر!
 پہلوگ جو اس وقت چوڑی کی طرح نظر آ رہے ہیں یہاں تک آسکتے ہیں!"

جہدھر نے جواب دیا "بھاگتی! یہ مغل بھی عجیب قوم ہے اس قوم میں سب

کئی ہم قوم کلتانی جوش میں آگے بڑھے اور رکھن پال کو بچھڑایا لاکھ
 پال جی، یہ کلتانی قوم کی ریت کے خلاف ہے کہ توڑ پھڑ کی بین سے اختلاف کرے
 سب تھک کو اپنی بیٹی کا بھجر قرار دے کر خوب مار پھٹ سکتے ہیں کیونکہ اس کا
 حق ہے۔"

جہدھر نے بھاگتی سے کہا "اما رکھن پال جی کو بچا بھاگتی۔ میں اپنے وطن
 کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا"

بھاگتی نے اپنے باپ کو حیرت و ادیا اور بولی "جہدھر! ایک بار پھر جس
 تیرے ساتھ ضرور چلوں گی، کیونکہ اس کا صفحہ حق پہنچتا ہے اور وہاں کا کوئی دشمن
 کوئی قانون مجھ کو تیرے ساتھ جانے سے نہیں روک سکتا۔"

جہدھر بخود ہو گیا، بلوڑا! اچھا تو بھی چل میرے ساتھ بھاگتی؟
 لیکن جہدھر اس بات سے ڈر رہا تھا کہ بھاگتی کے ساتھ رہنے سے وہ

کام صحیح نہیں انجام دے سکے گا اور ہر وقت پکڑے جانے کا دھوکا لگا رہے گا۔
 کئی دن بعد بھوک اور فوج کے ساتھ جو گئی بھاگتی کی طرف روانہ ہو گیا بھاگتی
 کے ساتھ تھی۔ اس نے لاسنوں کا نقشہ بنا لیا تھا اور بھوک نے جو بھی فوجی منصوبہ
 تھے۔ انہیں نقشوں کے ساتھ ہی دکھایا تھا۔

راستے میں، جو گئی بھاگتی سے پہلے ہی آسامیوں نے بڑا ڈکھا اور اپنے ساتھ لائی
 فوج میں سے کچھ کو انک کیا اور حکم دیا کہ وہ مقامی قبائل سے مل کر ملتانوں پر شب
 اور چھاپے ماریں۔

جہدھر کو جو خطرناک اطلاعات ملیں تو وہ انہیں آغرخان تک پہنچی
 لے کر جین ہو گیا۔ اس نے آغرخان کو راستے کا نقشہ ایک دوسرے آسامی کے ذریعے
 دیا اور اپنے مختصر خط میں میر جملہ کو نصیحت کی کہ وہ دریا کے ساحل سے ہرگز نہ
 اس نے یہ بھی لکھا کہ دریا کے کنارے کے کنارے سفر جاری رکھا جائے اور اس کے
 دور تک پھیلے ہوئے درختوں کو کاٹ کر دلہنوں اور

چھوٹے نالوں کو کاٹ کر راستہ بنا لیا جائے، اس نے یہ بھی لکھا کہ اپنے دائیں بائیں
 ہوشیار رہو کہ آسامی چھاپے ماروں گے دستے ان کے تعاقب میں ہیں۔

جب نقشہ اور خط آغرخان کو ملا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے
 چہرے پر جملہ کو دے دیں۔ اس نے اس وقت خاموشی سے دریا کے کنارے کھائے

چھین لیے جاتیں۔

سردار آغرفان! آپ پر اور اسلامی لشکر پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں، میں نے خدا کے فضل سے جہیم گڑھ تک کے راستے اچھی طرح سمجھ لئے ہیں اور خود کو اس لائق محسوس کر رہا ہوں کہ مغل افواج کی بہترین رہنمائی کر سکوں۔ اگر آپ لوگوں نے ان دونوں قلعوں کو فتح کر لیا تو میں کسی بھی جہان کے آپ کے پاس چلا آؤں گا اور پھر اپنی رہنمائی میں مغل افواج کو جہیم گڑھ کی طرف لے کر بڑھوں گا۔

سردار! میری بدقسمتی کہ میرے اماں مارکن پال جی کی بیٹی بھاجیرنی میرے ساتھ ساتنے کی طرح لگی ہوئی ہے۔ ہم کلنا بیٹوں میں لڑکی کو اتنا حق اور اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے کسی بھی مرد سے شادی کر لے قوم لڑکی کی مخالفت نہیں کرے گی لیکن شرط یہ ہے کہ جس مرد یا لڑکے سے کوئی لڑکی شادی کرنا چاہتی ہو وہ خود بھی اس پر آمادہ ہو۔ کسی ایسی شادی کی اگر لڑکی کا باپ مخالفت کرے تو قوم کے لوگ اس کے باپ کی پٹائی منورع کر دیتے ہیں اور اتنی زیادہ بٹائی کر دیتے ہیں کہ لڑکی کا باپ ادھ موٹا ہو کر شادی کی اجازت دے دیتا ہے۔ چنانچہ میرے اماں مارکن پال جی کی بیٹی بھاجیرنی نے مجھ سے شادی کرنے کا اعلان کیا تو میرے اماں نے اس کی مخالفت کی کیونکہ بھاجیرنی کی شادی کسی اور لڑکے سے طے پا چکی تھی، بھاجیرنی نے اس لڑکے کو اپنی اہلیہ بنا لی ہے اسے خارج کر دیا اور مجھ سے شادی کرنے کا اعلان کر دیا۔ حالات اور وقت کے پیش نظر میں نے بھی شادی کا اقرار کر لیا، چنانچہ اماں مارکن پال جی نے اس بدقسمتی کی مخالفت کی تو میری قوم کے لوگوں نے بٹائی کی غرض سے اماں کو دبوچ لیا۔ میں نے مشکل اس کو رہائی دلائی اور بھاجیرنی کو اپنے ساتھ لے کر وہاں آ گیا ہوں۔ سردار! آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک شادی شدہ شخص ہوں بھاجیرنی سے کسی طرح شادی کر سکتا ہوں۔ میں جب آپ کے پاس آؤں گا تو شاید بھاجیرنی میرے ساتھ ہی ہوگی۔ بہ میرے اماں کی بیٹی ہے اس لئے میں اس کو لشکر میں عزت و احترام سے رکھنے کی خواہش کروں گا۔ اگر یہ کسی طرح کسی اور سے شادی کرنے پر آمادہ نہ ہوئی تو میں مجبوراً اس سے شادی کروں گا اور یہ میری دوسری بیوی ہوگی اور شادی کے بعد اس کو انسان بنانے کی کوشش کروں گا۔

آخر میں اپنے دستخط کر دیے اور اس خط کو تیری نڈک میں باندھ کر تفصیل کا وہ حصہ تلاش کرنے لگا، جہاں سے مغلوں کا لشکر اتنا قریب نظر آتا ہو کہ اگر چلے کویری قوت سے کچھن کر تیر چھڑا جائے تو وہ مغلوں کے لشکر میں جا کرے۔ یہاں بھی بھاجیرنی

سے جیسی یہ خرابی ہے کہ یہ بلا کی مستقل مزاج ہوتی ہے یہ اس وقت تک ہمت نہر جب تک کہ اپنا مقصد نہ حاصل کر لے۔ آمہوں نے آسام کی تسخیر کا ارادہ کر لیا ہے کسی طرح باز نہیں آئیں گے، یہ تو دیوتاؤں کے عذاب ہیں جو ہر حال میں نازل رہتا ہے۔

بھاجیرنی ڈر گئی! اگر میرے لوگ جیت گئے اور میں گرفتار کر لیا گیا تو یہ لوگ ساتھ کیا سلوک کریں گے؟

جمدھرنے جواب دیا: "چونکہ تو بالکل جاہل اور بے مصرف ہے اس لئے کو اپنی بیگمات کی خدمت گزار رہ کر لگا دیں گے اور نتیجے اس حق سے ہمیشہ محروم رہیں جس کی تو مستحق ہے۔"

ملٹ کو مغلوں نے ماہتا بیاں روشن کر دیں۔ جمدھرنے آغرفان کے نام خط لکھا:

"میرے سردار آغرفان! آسام میں دو قوتیں آباد ہیں۔ ایک آسامی دھ کلٹانی۔ کلٹانی لڑنے بھرنے کے سوا سارے کام نہایت عقل مند اور بہوشیاری سے دیتے ہیں۔ یہاں راجا کے منصب داروں اور شیروں میں کلٹانیوں کی اکثریت ہے اور یہ دار بھوک کھلاتے ہیں۔ راجا ان کی عقل اور تدبیر پر بہت اعتماد کرتا ہے۔ کلٹانیوں برعکس آسامی جہادری اور شجاعت میں اپنا حوالہ نہیں رکھتے اور راجا کی فوج میں ان کی اکثریت ہے۔ میں خود کلٹانی ہوں۔

سردار! آپ غامخاناں میرے جملہ کو مشورہ دیجئے کہ وہ اپنی فوج کے ایک حصہ کو بہرہ منتر کے کنارے پر اتار دیں اور پھر یہ فوج ان جنگوں کا صفایا کرنا شروع کر دے جو راجا کی قلعہ بند فوج کو بوقت فراہ پناہ گاہ کا کام دے سکتے ہیں۔ فوج کا کچھ حصہ مناس کی طرف بڑھ جائے اور یہ سارا کام اس طرح انجام دیا جائے کہ راجا کی فوج یہ سوچے کہ مغل افواج ان کے فرار کیا ہیں مسدود کر رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر دستوں یاد کر دیا گیا تو وہ لڑائی کی ہمت نہیں کرے گا اور جان بچانے کی تدبیریں سوچنے لگے یہ سب میں اس لئے کھ رہا ہوں کہ میں نے آسامیوں میں مغلوں کا خوف محسوس کر لیا ہے مجھے یقین ہے کہ آسامی راہ فرار اختیار کریں گے، آپ کی فوج اس کے تعاقب اور عام کے لئے تیار رہے اور چونکہ ہمیں تینوں اور لڑائیوں کی ہمت سخت ضرورت اس لئے کوشش کی جاتے کہ بھاگتے ہوئے آسامیوں سے کشتیاں اور لڑائے نہ رہا

اس کے ساتھ تھی۔ اس نے جمدھر کو کچھ نکھتے دیکھا تھا، اس نے پلکیں جھپکا جھپکا کر اور داغ پر زور دے دے کہ میڑھی میڑھی، الٹی سیدھی، الٹی ترچھی، شکلوں کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی تھی لیکن کچھ سمجھ نہیں سکی تھی۔ اب جو اس نے کاغذ کے اس ٹکڑے کو کئی ٹیوں میں تیر کی نوک پر بندھا ہوا دیکھا تو جمدھر نے پوچھ ہی بیٹھی: "جمدھر! یہ کیا چیز ہے جس کو نوٹے نیر کی نوک میں بانڈھ رکھا ہے؟"

جمدھر مسکرایا: "بھاگرتی! یہ ایک خط ہے مغلوں کے سردار کے نام۔"

بھاگرتی نے ذہن پر زور دیا: "خط مغلوں کے سردار کے نام، کیا مغل تیرے دوست ہیں کہ انہیں خط لکھ رہا ہے؟"

جمدھر ڈر گیا: "پگلی خط دوستوں ہی کو نہیں دشمنوں کو بھی لکھے جاتے ہیں، میں نے مغلوں کے سردار کو لکھ دیا ہے کہ تم لوگ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔"

بھاگرتی کے چہرے پر وحشت کی لہر دوڑ گئی: "کیا یہ خط بڑھ کر مغل والوں سے چلے جاتے گے؟"

جمدھر نے جواب دیا: "جی کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن میرے خیال میں ان کو چلا جانا چاہیے۔"

بھاگرتی نے پوچھا: "یہ کس زبان میں خط لکھا ہے؟"

جمدھر نے جواب دیا: "فارسی میں!"

بھاگرتی نے اندیشوں سے کہا: "تو مغلوں سے تو نے فارسی بھی سیکھ لی ہے؟"

اپنی زبان میں لکھنا چاہیے تھا؟

جمدھر بھاگرتی کی سادہ لوحی پیرایک بار پھر مسکرایا: "اگر میں آسامی زبان میں یہ خط لکھتا تو وہاں اس کو بڑھتا کون؟"

بھاگرتی نے کہا: "جب تو نے مغلوں کی زبان سیکھ لی تو مغلوں کو تیری زبان سیکھ لینا چاہیے مگر؟"

جمدھر نے مغلوں کی مانتا بیان کچھ قریب محسوس کیں اس نے فوراً چلے کو پوری قوت سے کھینچ کر تیر چھڑ دیا۔ اندھیرے میں کچھ نظر تو نہیں آیا کہ تیر کہاں گیا لیکن جمدھر کا اندازہ یہی تھا کہ تیر مغلوں کے لشکر میں پہنچ گیا ہے۔

بھاگرتی جمدھر کو لے کر فصیل کی ایک سیل پر بیٹھ گئی۔ اس کے دونوں طرف

آسامی فوجی اندھیرے میں کالے کالے سایوں کی طرح منتھک تھے۔ بھاگرتی نے جمدھر کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن اندھیرے کی وجہ سے صاف دیکھ نہیں سکی۔ جمدھر خوش تھا کہ اندھیرے کی وجہ سے اس کے اماکی بیٹی اس کے حقیقی تاثرات کو چہرے پر نہیں دیکھ سکے گی۔

بھاگرتی نے سادگی سے کہا: "جمدھر! یہ مغل بھی کتنے بڑے لوگ ہیں اگر یہ رٹنے نہ آتے تو ہم دونوں شادی کر چکے ہوتے اور اپنی بسنٹی میں منرے کر رہے ہوتے۔ ان مغلوں نے سارا گھر کر کر کر دیا۔"

جمدھر نے جواب دیا: "بھاگرتی! اگر مغل ادھر نہ آتے تو میں بھی بھاگ کر مجھ گڑھ نہ پہنچ سکتا اور جب میں بھیج کر دھنہ پہنچا تو تمھارے ملاقات اور شادی کئے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا، اس لئے مغلوں کو دعا بق کہے کہ ان کی وجہ سے ہم دونوں کی ملاقات ہو گئی۔"

بھاگرتی چوڑی فصیل پر لیٹ گئی۔ اس کا چہرہ آسمان کی طرف تھا اور وہ ٹٹٹٹٹٹ جھلٹانے ستاروں کو بڑھی حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ جمدھر اس کی باطنی کیفیات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، بولا: "بھاگرتی! کیا تجھے نیند آ رہی ہے؟"

بھاگرتی نے جواب دیا: "نہیں تو، مجھے یہ رات بہت اچھی لگ رہی ہے، حالانکہ مغلوں کا لشکر یہیں خوفزدہ کر رہا ہے، مگر پھر بھی آج کی رات بہت اچھی لگ رہی ہے شاید اس لئے کہ تو میرے ساتھ اور میرے پاس ہے۔"

جمدھر سمجھ گیا کہ بھاگرتی کے رگ دپے ہیں۔ سرشاری کی لہریں دوڑ رہی ہیں اور وہ اس عالم میں کوئی بھی قدم اٹھا سکتی ہے، اس نے بھاگرتی کا ہاتھ پکڑ کر کھانے کی کوشش کی، بولا: "بھاگرتی! یہ تو کہاں لیٹ گئی ہے؟ یہاں فوجی جوانوں کی آمد و رفت ہے آج، اپنے ٹھکانے پر چل کر آرام کریں، یہ سنے کی جگہ نہیں ہے۔"

بھاگرتی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا،

بولی: "جمدھر! بیٹے کی کوئی جگہ نہیں ہوئی، تو بھی نہیں بیٹا، مجھ کو بڑا آرام اور سکون مل رہا ہے، بسا دہوں یہ مغل زندگی کو بے مزہ کر رکھا ہے۔"

لیکن جمدھر آسامی معاشرے کا آدمی نہیں تھا، اس نے مغل معاشرے کی رسوم اور عادات کو اختیار کر رکھا تھا،

دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں کو جھجکرتے محسوس کیا بھاگتی بہت خوش تھی، اس کا چہرہ مسکرا رہا تھا، اس کی آنکھوں میں شہری بھی تھی اور شہرت بھی، شہنشاہی بھی تھی اور خوار بھی۔

جہدھر گھبرا ہوا تھا، بولا: ”بھاگتی، صبر اور احتیاط سے کام لے۔ ذرا سوچو۔ یہ تو کیا کر رہی ہے اگر آسامی فوجی یا بھونک اٹھ گیا تو وہ کیا کہے گا؟ کیا ہم دونوں کا مذاق نہیں اڑے گا؟“

بھاگتی نے لاپرواہی سے جواب دیا: ”میں کسی بھی شخص یا کسی بات سے بے خبر ہوں۔ تو میرا محبوب ہے اور ہم دونوں کو ایک دوسرے سے شادی بھی کرنا ہے، پھر تم دونوں ڈر میں بھی تو کس رات سے؟“

جہدھر ہشکل آزاد ہو کر ایک طرف کھڑا ہو گیا: ”بھاگتی، تو غضب کی لڑکی ہے، تیرا جوش و خروش دیکھ کر میری جی چاہتا ہے کہ میں بھی کچھ مگر گزروں میں پھر یہ سوچ کر رہ جاتا ہوں کہ ابھی ان باتوں کا وقت نہیں آیا، میری ذمہ داری مصیبت میں گرفتار ہے۔“

بھاگتی بولی: ”مصیبتیں تو آتی جاتی رہتی ہیں، ان کے آنے جانے سے دنیا کے کام تو نہیں رک جاتے ہمیں قوم کے لئے اپنی جان تک دے سکتی ہوں، مگر پھر قوم کو بھی ہم دونوں کے معاملوں میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ ہم دونوں یہاں تفصیل پریشیں یا کہیں اور جا کر لیٹیں قوم کو ہمارے ذاتی معاملوں میں بالکل دخل نہیں دینا چاہیے۔“

لٹنے میں ایک سایہ ان دونوں کے پاس آ کر گرک گیا اور ڈپٹ کر پوچھا: ”کیا ہو رہا ہے؟“ جہدھر نے آواز سے پہچان لیا تھا، یہ بھونک کی آواز تھی، بولا: ”بھونک جی! یہاں کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ بھاگتی کی طبیعت خراب ہو رہی تھی میں نے اس کو تفصیل ہمیں شادی“

لیکن بھاگتی جوش میں اٹھ کر بیٹھ گئی، بولی: ”بھونک جی! میں بالکل ٹھیک ہوں، میری طبیعت نہیں خراب ہو رہی۔ جہدھر جھوٹ بولتا ہے۔“ جہدھر شرمندہ ہو گیا: ”اگر تیری طبیعت خراب نہیں تھی تو تو تمہارا لیٹ

کیوں گنتی تھی؟“

بھاگتی بھونک کی موجودگی میں بھی اپنے ارادوں سے باز نہیں آتی، بولی: ”بھونک جی! جہدھر میرا ہونے والا شوہر ہے اور میں اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، اندھیری رات اور ستاروں کی چمک نے میرے اندر خوش می دھڑادی ہے، میں برداشت نہیں کر سکتی، بھونک جی! جہدھر کو سمجھا دے، ورنہ میں اس کو تفصیل کے نیچے پھینک دوں گی۔“

بھونک جی نے جواب دیا: ”بھاگتی، جوش میں رہ، مجھے جہدھر سے مزید مشورہ کرنا ہے، مغل جنگ کی تیاری کر رہے ہیں، اس لئے اب ہم کو بھی تیاری کر لینا چاہیے۔ یہ تیرا ہونے والا شوہر ہے، تو پھر جلدی کس بات کی بھاگتی؟“

بھاگتی نے کہا: ”مجھ کو تو جلدی نہیں۔ میں تو بڑا ملبا انتظار کر سکتی ہوں لیکن بس قوم کی مصیبت کا خیال کر کے چپ ہو جاتی ہوں۔“ بھونک نے بھاگتی سے کہا: ”لڑکی، تو اس جگہ کھڑی رہ تاکہ میں واپسی میں تجھ کو باسانی پا جاؤں۔“

بھاگتی نے پوچھا: ”میں کیلی یا جہدھر بھی؟“ بھونک نے جواب دیا: ”جہدھر میرے ساتھ جاتے گا۔“ بھاگتی نے آکر کہا: ”یہ جہاں بھی جاتے گا میں اس کے ساتھ ساتے کی طرح لگی رہوں گی۔“

بھونک نے جہدھر کی طرف دیکھا اور کہا: ”اب تجھ کو اس لڑکی سے ذرا دور دور رہنا ہو گا کیونکہ یہ بڑی خود غرض محسوس ہوتی ہے اور خود غرضوں سے ہمیشہ بچنا اور ہوشیار رہنا چاہیے۔“

بھاگتی نے جوش میں جہدھر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھڑی ہو گئی: ”بھونک جی! کچھ سوچا بھی کہ تو نے کیا کہہ دیا، یہ میرا ہے اس پر میرا حکم چلے گا، اگر اس وقت پوری قوم کا معاملہ نہ ہوتا تو میں جہدھر کو لے کر اسی دقت چلی جاتی۔“ پھر جہدھر سے کہا: ”جہدھر! چل میرے ساتھ چل بھونک جی سے صلہ مل لینا۔ مغل اتنی جلدی نہیں کرتے جاتے۔“

بھونک جی کو حلال آگیا: ”لڑکی! تو اپنی حد میں رہ، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، یہ میں نہیں کہہ رہا، راجا کہہ رہا ہے اور کہا تجھ میں یا کسی اور میں اتنی ہمت ہے کہ راجا کے

بات نہ مانے یا لجا کا بات پر اپنی بات کو ترجیح دے؟

جہدھر نے بھاگرتی کو سمجھایا۔ بھاگرتی، اذنت کو پہچان، اپنے بھاگ سے ڈر۔ ذرا صبر اور سکون سے کام لے۔

بھاگرتی نے جواب دیا، تو کہتا ہے تو میری بات کو، دندن میں اپنے کسی معاملے میں بھوکن جی یا راجا تک کی کوئی بات نہیں، ان کی جس طرح راجا کی خوشی خوشی ہوئی ہے اس طرح میری خوشی بھی خوشی ہے اور یہ تو میں نے آج تک جانا ہی نہیں کہ اپنی خوشی پر کسی اور کی خوشی کو ترجیح دے دوں؟

جہدھر نے بھوکن کو کچھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن صدمہ بھاگرتی نے جہدھر کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا اور کہا، جہدھر، تو میرے ساتھ چلے، اور بھوکن سے کہا، اور بڑھے بھوکن، انہو اپنا راستہ لے، صبح ملاقات ہوگی؟

بھوکن نے غصے میں تالی بجائی، تالی کی آواز پر کئی سپاہی بھاگ کر آگئے بھوکن نے حکم دیا، اس لڑکی کو صبح تک کے لئے کہیں بند کر دو!

لیکن بھاگرتی نے تعمیل حکم سے پہلے ہی بھوکن پر حملہ کر دیا اور اس کو دھکے دے کر فضیل کے نیچے گر دینے کی کوشش کی، بھوکن بوڑھا ہونے لگے اور خود مضبوط اعصاب کا نشان تھا، وہ فضیل پر گر کر سنبھل گیا، اس دوران سپاہیوں نے بھاگرتی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور طاقتور سپاہیوں نے اس کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، مگر بھاگرتی چل گئی اور بچوں کی طرح دونوں پاؤں فضیل سے رگڑنے لگی۔

بھوکن کا غصہ عروج کو پہنچ چکا تھا، چیختے ہوئے حکم دیا، اس سرکش اور خود غرض لڑکی کو تاحکم ثانی بند رکھا جائے۔ اگر میں سنبھل نہ جاتا تو اس نے کچھ کو فضیل سے گرا کر ہلاک کر دیا ہوتا؟

بھاگرتی نظروں سے اوجھل ہو گئی، جہدھر تاحثانی بنا سب کچھ دیکھتا رہا۔ بھوکن نے اس کو نصیحت کی، جہدھر، خبردار جو تو نے اس سرکش لڑکی سے شادی کی اگر تو نے ایسی غلطی کی تو میری بات یاد رکھنا کہ وہ کسی بھی وقت تجھ کو ہلاک کر دے گی؟

جہدھر نے جواب دیا، شاید ایسی بات نہیں ہے بھوکن جی! وہ میرے ماما کا کھن پال جی کی بیٹی ہے۔ اس نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے میرا خیال ہے

اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی، آسامی اور کلناتی حریت پسند ہوتے ہیں اور انہیں اپنی انا کا بڑا خیال رہتا ہے، شاید یہ بھی اس حریت پسندی اور انا پرستی ہی کی ایک جھلک تھی؟

بھوکن اس کو قلعے کے ایک برج میں لے گیا اور دونوں دھچھوٹی چھوٹی چوکیوں پر کھڑے ہوئے۔ برج کو شعل سے روشن کر دیا گیا تھا۔ برج میں بندو قیں، تلواریں، نیزگان اور خنجر کا ایک بڑا ذخیرہ رکھا ہوا تھا۔ جہدھر نے ان ہتھیاروں پر ایک اچھی نظر ڈالی اور بھوکن جی کو دیکھنے لگا۔ بھوکن نے سوال کیا، جہدھر جی، انہوں نے تو مغلوں میں بڑا اذنت گزارا ہے، یہ بتا کہ ان کا حوصلہ کب تک ان کا ساتھ دیتا رہے گا؟ یہ کبھی تمکبیں گے یا نہیں؟

جہدھر نے جواب دیا، بھوکن جی! میں مغلوں کو خوب جانتا ہوں یہ بڑی دیوانی قوم ہے، جس کے پیچھے پڑ جاتی ہے آخری دم تک پیچھا نہیں چھوڑتی ویسے ان کو پسپا کرنے کی ایک ہی ترکیب رہ گئی ہے میرے پاس؟

بھوکن اپنی جگہ سے اٹھا اور جہدھر کے پاس کھڑا ہو گیا، کون سی ترکیب ہے؟

جہدھر نے جواب دیا، دو ایک دن بعد مجھ کو مغلوں کے لشکر میں جانا پڑے گا، میں مغلوں کو اعتماد میں لینے کی کوشش کروں گا اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا تو میں آسامی انہیں غلط راہوں پر ڈال سکوں گا۔ میں درغلز اگر انہیں ایسی جگہ پہنچا دوں گا، جہاں تو اپنے سپاہیوں کے ساتھ چھپا ہوا ہوگا اور انہیں دھوکے سے ہلاک کر سکے گا؟

بھوکن نے افسوس سے کہا، لیکن مغل فوج پر اعتماد کیوں کریں گے؟ جہدھر نے جواب دیا، میں اعتماد بحال کرنے کی کوشش کروں گا، اگر کام بن گیا تو میں انہوں میں اپنی قوم پر قربان ہو جاؤں گا؟

بھوکن نے لگا، وہ جانتا رہا اور سوچتا رہا اس نے برج کے کنارے کھڑے ہو کر مدتوں کی روشنی میں مغلوں کے لشکر میں حرکت اور بے چینی محسوس کی، اس نے دھڑکی سے جہدھر کو قہار دی، جہدھر اذرا دھڑکا، بتا تو سہی یہ نخل آخر کیا کر رہے ہیں۔ مجھے تو وہ دیکھنے سے نہ بڑے کنارے کی طرف جانے ہوئے نظر آ رہے ہیں!

جہدھر بھوکن کے پاس کھڑے ہو کر کٹھنوں اور فائدوں کو دوسرے کنارے

میں بھڑکن کو تلاش کرنے لگی۔ وہ بہت خوش تھی۔ گویا اپنے آپ سے بولی۔ "میں نے بدلہ لے لیا۔ اس کے بعد جمدھر سے کہا۔" جمدھر! تو میرے باپ کی بہن کا بیٹا ہے اور میں تجھ کو پسند کرتی ہوں، اس لئے میں نے تجھ کو معاف کر دیا۔ تو نے میرے مقابلے میں بھڑکن کی جاکر ساتھ کیوں دیا؟"

جمدھر نے کہا۔ "لیکن یہ تو نے کیا کر دیا بھائی؟ یہاں کی فوج تو بڑا اچھا نہ چھوڑے گی؟"

بھائی نے جواب دیا۔ "اب میں یہاں رہوں گی کیوں؟ تو میرے ساتھ چل۔ مغلوں سے لڑنے جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ آگے ہیں تو انہیں آجائے دے، وہ بھی ہمارے ساتھ رہیں۔"

جمدھر اس کی بے سرو پا باتوں سے بہت عاجز تھا، بولا۔ "بھائی، تو نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔ تیرے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا؟"

بھائی نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "جمدھر! یہ بھڑکن واپس تو نہیں آجائے گا؟ کہیں نظر نہیں آ رہا؟ یہ کیسے چھپ تو نہیں گیا؟"

جمدھر نے غصے میں جواب دیا۔ "اس کی ہڈیاں تک سرمہ بن گئی ہوں گی معلوم نہیں یہ تجھ کو ہو کیا گیا ہے جو وہی تباہی کے جا رہی ہے مجھ کو تو توڑ پاگل لگ رہی ہے!"

بھائی نے جمدھر کے سیدھے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کا چہرہ اپنے چہرے کے قریب کر لیا۔ "جمدھر! تو بھی کیسا بے حس انسان ہے۔ یہ بتا کیا تجھ کو بھڑکن نہیں لگتی؟ کیا تجھ پر اس نہیں لگتی؟"

جمدھر نے جواب دیا۔ "مجھے بھڑکن بھی لگتی ہے اور پیاس بھی۔ اور وہ کون جاندا ہے جس کو بھڑکن اور پیاس نہ لگتی ہو؟"

بھائی نے زور زور سے ہنسنے لگی۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ تو ہی وہ جاندا ہے جس کو نہ تو بھڑکن لگتی ہے اور نہ پیاس۔ لیکن تجھ کو تو بھڑکن بھی لگتی ہے اور پیاس بھی۔ کل رات میں بھڑکن تھی، میں سخت پیاسی تھی لیکن بھڑکن نے مجھ پر یہ ظلم کیا کہ مجھ کو کھانے پانی کے سامنے سے اٹھالے گیا۔ میں نے بھی اس کو معاف نہیں کیا اور ذلیل سے پائال میں پھینک دیا۔"

جمدھر کا سر بھاری ہو رہا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کسی نے بھی بھڑکن کو

ٹھہروں میں گمستہ دیکھ لیا ہوگا تو عنقریب کسی نہ کسی شکل میں قیامت نازل ہو کر رہے۔ اس نے مڑتی مڑتی آواز میں پوچھا۔ "اب کیا کیا جائے بھائی؟"

بھائی نے جواب دیا۔ "یہاں سے میرے ساتھ بھیم گڑھ واپس چل دوں۔ تو مجھ سے شادی کر کے لطف اور مزے کے دن گزار دوں گی، مجھ کو مغلوں سے کوئی پھینچ نہیں!"

جمدھر نے سر پکڑ دیا۔ "یہ تو نے کیا کر دیا بھائی؟ اب میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟"

بھائی نے غصے میں جمدھر کو بھی شانے سے پکڑ لیا اور کئی زوردار جھٹکے پھینچ ہوئی۔ بولی۔ "میں کہتی ہوں مجھے سمجھنے کی کوشش کر جمدھر۔ میں کوئی معمولی لڑکی نہیں ہوں، میں بھائی ہوں بھائی؟"

جمدھر گھبرا گیا اور اس کو اپنا حشر بھی بھوکن جیسا ہی نظر آنے لگا۔ بولا۔ "یہ کیا مردی ہے بھائی؟ تو یہ بات کیوں نہیں سمجھتی کہ ہمارے وطن کے دروازے پر دشمن قلع کھڑے دنگ دے رہے ہیں اور اگر ہم نے ان کو طاقت اور تدبیر سے نہیں روکا تو ہمارا وطن، اور اس کی ساری چیزیں دشمنوں کے قبضے میں چلی جائیں گی اور ہم مغلوں کا غلام بن جائیں گے۔"

بھائی نے جواب دیا۔ "یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ ہمارے دشمن غل آجائیں گے۔ وطن اور وطن کی ہر چیز پر قبضہ کر لیں گے ہمیں غلام بنائیں گے، لیکن میں یہ کہتی ہوں کہ جب میں خود غلام بننا پسند نہ کروں تو یہ مغل یا کوئی اور نہیں غلام بنائے گا تو زیادہ باتیں نہ بنا، میرے ساتھ بھیم گڑھ واپس چل اور میرے ساتھ رہنے کی زندگی گزار۔"

جمدھر کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ فی الحال بھائی کی باتیں مان لے کر اس کے جنون کو رفع کرے۔ اس نے کہا۔ "اچھا بھائی! اگر تیری یہی مرضی ہے ہم دونوں بھیم گڑھ واپس چلیں تو یہی تیار ہوں۔"

بھائی کا چہرہ خوشی سے دنگن لگا۔ بولی۔ "مان لی نہ میری بات یہ میری عادت ہے کہ میں اپنی بات ہر ایک سے منوالیتی ہوں اور جو میری بات نہیں مانتا وہ بھڑکن کی طرح مجھ سے پروک چلا جاتا ہے۔"

جمدھر بھائی کے ساتھ اپنی قیام گاہ پر پہنچا اور بظاہر بھیم گڑھ جانے کی

تیار کر کے لگا۔

کچھ دیر بعد بھونک کی تلاش شروع ہو گئی، اس کو ہر طرف تلاش کیا جانے لگا۔ بھونک کی تلاش میں چند فوجی جہڑے پاس بھی پہنچے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ بھونک کہاں مل سکتا ہے؟

جہڑے اندر سے تو بہت خوفزدہ تھا۔ مگر چہرے سے کچھ بھی نہیں ظاہر ہونے دیا۔ جواب دیا: "افسوس کہ آپ لوگ ایک ایسے شخص کو تلاش کرنے پھر رہے ہیں جو کل تک مجھ سے یہ کہہ رہا تھا کہ مغلوں سے جنگ کے بجائے صلح کی بات کرنا چاہیے، وہ مغلوں کے سردار سے ملاقات کی تدبیریں سوچ رہا تھا، چنانچہ، اگر اس نے ہم میں سے کسی کو اپنے اعتماد میں لیے بغیر مغلوں کے سردار سے ملاقات کر لیا ہے تو اب وہ ان کی قید میں ہو گا۔"

قلعہ دار آسامی مغلوں سے بہت زیادہ ڈرا ہوا تھا۔ اس نے بڑے بڑے دیوار نکال دیے اور جیت سے پوچھا: "کیا سچ ہے بھونک مغلوں کے سردار سے ملنا چاہتا تھا؟ جہڑے نے جواب دیا: "میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

قلعہ دار نے کہا: "میں نیری بات سے اس لئے اتفاق کروں گا کہ اس وقت میں نے مغل فوج میں بڑا حوصلہ دیکھا ہے اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے خیالوں اور منصوبوں میں ہمارے دلیوں قلعوں کو سر کر لیا ہے ان کی فوج کا دو تہائی حصہ دریائے برہمپتر کو عبور کر چکا ہے اور دوسرے کنارے کے ان جنگلات کا صفایا کر رہا ہے جن میں ہمارے مفرد روپوش ہو سکتے تھے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مغلوں نے ہمارے فرازی ساری راہیں بند کر دی ہیں۔ اسی طرح مغلوں نے دریائے مناس پر بھی قبضہ جما رکھا ہے۔"

بھاگیرتی نے جہڑے کو پھر ڈانٹا: "جہڑے! میں نے ایک بار جو کہہ دیا کہ اب یہاں نہیں رہیں کیونکہ یہیں کچھ کم گھوڑے ہیں۔"

جہڑے نے جواب دیا: "بھاگیرتی! بچوں جیسی باتیں نہ کر، مغل بہت جلد یہاں آجاتے گے۔ اگر ہم نے اس وقت فرار کی کوشش کی تو مغل فوج ہمیں ہلاک کر دے گی۔"

بھونک کی گمشدگی اور مغلوں کی قید میں چلے جانے کی افواہ پورے قلعے میں پھیل گئی، اس افواہ نے آسامیوں کے حوصلے پست کر دیے۔

جہڑے نے اپنا مختصر سامان سمیٹا۔ بھاگیرتی والیسی کے لئے تملانی تملانی پتھر لے گئی۔

کچھ دیر بعد قلعہ دار چند سپاہیوں کے ساتھ دوبارہ آیا اور جہڑے سے مشورہ کیا: "جہڑے! اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

جہڑے نے جواب دیا: "مغلوں کا مقابلہ، کیونکہ ایک بہادر قدم ان حالات میں اہم ہو سکتا ہے۔"

قلعہ دار نے ایسی سے کہا: "افسوس کہ مغلوں کے پاس گھوڑے ہیں اور ہمارے ہاتھوں میں تو صرف بھونک ہے۔"

جہڑے نے جواب دیا: "لیکن اس ڈر کا ہمارے پاس کوئی علاج بھی تو نہیں ہے، آسامی بھائی مغلوں کے گھوڑوں سے ڈرتے ہیں تو پھر بغیر لڑے بھڑے ہی دونوں ان کے حوالے کر دیں۔"

بھاگیرتی ان کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔ قلعہ دار نے درخواست کی: "جہڑے تو مغلوں کے ساتھ آدھی عمر گزار آیا ہے لہذا مزاح اور طریقہ جنگ سے اچھی طرح واقف ہو گا کیا تو اپنے والوں کا سپہ سالار بن کر اچھڑے گا؟"

بھاگیرتی ایک دم اکھڑ گئی، بولی: "اب یہ میری مرضی کے خلاف کوئی کام بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تمہارا ذکر بھی نہیں ہے۔ نہیں تنخواہ ملتی ہے یہی لوگ مغلوں سے جنگ بھی کر دے۔"

جہڑے کو اپنے ساتھ واپس لے جا رہی تھیں، اس سے شادی کر کے عیش کروں پہلے شادی بعد میں جنگ۔"

جہڑے نے قلعہ دار کو آنکھ ماری اور جواب دیا: "افسوس کہ میں سپہ سالار نہیں بن سکتا۔ میں نہیں چند مفید مشورے البتہ دے سکتا ہوں۔"

بھاگیرتی نے بڑے وحشیانہ انداز میں جہڑے کو دھکا دیا: "میں، مشورہ بھی دے گا۔ اب گھوڑے چل، میں کچھ نہیں جانتی۔"

جہڑے گرنے گرنے سے بچ گیا، ذرا بگڑ کر بولا: "بھاگیرتی! اگر تو مجھ سے شادی کر لیتی ہے تو خدا معقولیت اختیار کرے اور اپنا جنگلی پن دور کر۔ نیری سمجھ میں ہے دلی سی بات نہیں آتی کہ مغل ہمیں یہاں سے نکلنے ہی کب دیں گے؟ انہوں نے ہمارے کی ساری راہیں بند کر دی ہیں۔ اگر ہم نے انہیں دھوکہ دینا چاہا تو وہ

بھاگیرتی نے جواب دیا: "بھاگیرتی! بچوں جیسی باتیں نہ کر، مغل بہت جلد یہاں آجاتے گے۔ اگر ہم نے اس وقت فرار کی کوشش کی تو مغل فوج ہمیں ہلاک کر دے گی۔"

بھونک کی گمشدگی اور مغلوں کی قید میں چلے جانے کی افواہ پورے قلعے میں پھیل گئی، اس افواہ نے آسامیوں کے حوصلے پست کر دیے۔

جہڑے نے اپنا مختصر سامان سمیٹا۔ بھاگیرتی والیسی کے لئے تملانی تملانی پتھر لے گئی۔

یا تو جبر قتل کر دیں گے یا پھر گرفتار کریں گے“

قلعدار نے بڑے دکھ سے کہا: ”یہ لڑکی تو بلا کی خود غرض معلوم ہوئی ہے
جہدھر اس کو سمجھا دے ورنہ یہ راجے عتاب کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔“
بھاگپتی نے جڑا سامنے بنایا۔ اس بھینٹ آسانی سے نہیں چڑھوں گی۔
یاد رہے۔ میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ میں یہاں تک آ کیوں گئی اور جہدھر
شادی سے پہلے آنے ہی کیوں دیا؟“

جہدھر نے بھاگپتی کی خوشامدی کی بھائیگئی کی طرح اس کا واسطہ جسے اس
سے زیادہ عزیز رکھتی ہے، اپنی زبان بند رکھ، مغلوں نے سارے راستے بند کر دیے
ہیں، حملہ تو یہ ہے کہ دروں کے دھانوں پر بھی اپنی فز جس بٹھا دی ہیں، کچھ ہم دونوں
بچھیم گڑھ کیونکر پہنچیں گے؟“

بھاگپتی کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی، بولی: ”اچھا چند دنوں کے لئے اور
رک جاؤں گی میں۔ بس جلدی نکلنے کی کوشش کرو۔“

قلعدار واپس گیا۔ اس نے دہلی سے براہ راست دو شاخہ ہو جانے والی
جیسی زمین پر تین چار ہزار فوج اتار دی اور اس کو حکم دیا کہ مغل جیسے ہی اس سے
نزدیک کسی ساحل پر نمودار ہوں ان پر بغیر ہل گولیوں اور توپوں کے ٹکڑوں کی بجائے
کر دی جائے۔ اس کے علاوہ ان کی کئی سو کشتیاں اور ناولے دریائے مناس کا رخ
بڑھتے تاکہ دریا کی سطح پر سے ساحلی جنگلوں کا صفایا کرنے والے مغلوں کو تباہ ہو
کر دیا جائے۔ جہدھر کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ آفرخان ہراؤں دے رہے ہیں
آگے ہوا کا اس لئے تار کی جنگ آفرخان کے دے سے ہوگی کیونکہ مغل فوجیں توڑ کر
طرح اپنے کا تو میں لینے کے لئے بھیجیں نظر آ رہی تھیں۔

جہدھر بھاگپتی کو ساتھ لے کر اس ڈاڑھ پر چڑھ گیا، آسامیوں نے ڈاڑھ پر
والے مغلوں پر حملہ کر دیا۔ مغلوں نے بھی ہمارے ڈاڑھ کی طرف شروع کر دی، آسامی
دریائے اور تیزی سے تیروں کی باتیں کر رہے تھے ان تیروں کے پھل نہ ہر میں
تھے اور میں کسی کے بھی نکلنے دیتی تھی تو متوہم کر دیئے تھے۔ ان کا ذہن ہلکا
ہیں پھیل جاتا تھا اور زخمی چند گھنٹوں میں مرجان تھا۔

جہدھر نے سورج کی روشنی میں دو درہی سے آفرخان کو پہچان لیا، وہ کشتی
پر سوار ہر طرف بھاگ بھاگ چھ رہا تھا۔ اس نے اپنے گھر و سواروں کو بھیج کر حکم دیا

اور آسامیوں کے تیروں کی پرداہ کے بغیر اپنے گھوڑوں سے انہیں کچل کر رکھ
دیں کہ یہ بڑوں ہمارے گھوڑوں سے ڈرتے ہیں؟“

آسامیوں نے بڑی بہادری دکھائی اور کچھ دیر کے لئے یوں محسوس ہو گیا وہ
ڈوں سے ذرا بھی نہیں ڈرتے، مغلوں کے گھوڑے آسامیوں کی طرف سر پٹ دوڑے
آسامیوں نے کسی خوف یا جھجک کا اظہار کیے بغیر ان پر تیروں کی بوجھا کر دی، ان
آفرخان سب سے آگے تھا۔ جہدھر بھاگپتی کو ساتھ لے کر ایک جھوٹی سی چٹان کے
چلا گیا اور وہاں سے جھانک جھانک کر لڑائی کا نظارہ کرنے لگا۔ بھاگپتی مغلوں
کے گھوڑوں سے سہمی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا: ”جہدھر کیا مغل آکر چاہیں تو اپنے گھوڑوں
میں ہماری فوج کو کچل سکتے ہیں؟“

جہدھر نے جواب دیا: ”ہاں بھاگپتی وہ ہمیں کچل بھی سکتے ہیں اور اپنے گھوڑوں
میں قتل بھی کر سکتے ہیں۔“

بھاگپتی نے حیرت سے سوال دوسرا کیا: ”یہ مغل میدان جنگ میں اپنے گھوڑوں
میں کتنے کیوں نہیں؟“

جہدھر نے جواب دیا: ”بھاگپتی یہ بڑے باکمال اور بہادر ہوتے ہیں اور انہیں
ہیں ہی سے گھر سوار کی عادت ڈال رکھا جاتی ہے۔“

اس وقت دریا کی جنگ کا آغاز ہو گیا اور دونوں طرف سے تیریں سر ہونے
پیں، بالوں کی بادش ہونے لگی، دریا کی سطح ان کے دھڑکتے چھٹکتے آسانی بھی
بے ڈاڑوں اور کشتیوں سے مغلوں پر بالوں کی بوجھا کر رہے تھے اور مغلوں نے بھی
ذاتی کارروائی میں بھی آتشیں آلات استعمال کیے تھے۔

دریا کی جنگ نے بھاگپتی کو اور زیادہ سہادیا وہ جہدھر کی آغوش میں
سکھنے لگی، بولی: ”جہدھر اب کیا ہوگا؟ کیا ہم دونوں شادی کے لئے زندہ رہیں
پائیں گے؟“

جہدھر نے ہنس کر جواب دیا: ”جیسا کہ تو خود بھی جانتی ہے کہ زندگی اور موت
انسان کے ہاتھ ہے، لیکن میں یہاں سے نکلنے کی کوشش ضرور کروں گا تاکہ تجھ سے
شادی کر سکوں۔“

بھاگپتی خوش ہو گئی۔ اتنے میں ایک گھر سوار گھوڑے کو سر پٹ دوڑا ہوا
ان دونوں کی طرف آگیا اور انہیں سرسری نظر سے دیکھتے ہی ان پر حملہ کر دینا چاہا

لیکن جمدھر نے آغرخان کو پہچان لیا، بے اختیار بولا: "سردار آغرخان! یہ میں ہوں غوث الاسلام، کیا بات ہے؟ جنگ کا پلڑا اس کی طرف جھک رہا ہے؟" آغرخان نے پہلے تو غوث الاسلام کو دیکھا، اس کے بعد بھاگپرتی کی طرف نظر ڈالی، پوچھا: "غوث! تو یہاں کیا کر رہا ہے؟"

غوث نے جواب دیا: "سردار آغرخان! اس سوال کا جواب بعد میں دیا جا سکتا ہے، یہ میرے ماما کی بیٹی بھاگپرتی ہے!" آغرخان نے جلدی سے کہا: "غوث الاسلام! تیری اطلاعات کا شکریہ۔ میرا

ہر اول دستہ آسامیوں میں گھر گیا ہے۔ اس لئے میں کسی پناہ گاہ یا سہارے کی تلاش میں ہوں، یہ چٹان بڑی اچھی پناہ گاہ ثابت ہو سکتی ہے اس لئے میں اپنے دستے کو یہیں لے آتا ہوں۔ تم دونوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا!"

آغرخان جس تیزی سے آیا تھا، اسی تیزی سے واپس چلا گیا۔ ان دونوں کی بات چیت فارسی میں ہوئی تھی، اس لئے بھاگپرتی کچھ بھی نہ سمجھ سکی، وہ حیرت سے کبھی جمدھر کا منہ دیکھتی تھی، کبھی آغرخان کو دیکھتی تھی۔ جب آغرخان چلا گیا تو اس نے جمدھر سے پوچھا: "یہ کون تھا جمدھر اور تجھے کیا کہہ رہا تھا؟"

جمدھر نے جواب دیا: "بھاگپرتی! انیسویں میں جس بات سے ڈر رہا تھا، وہ تو کر رہی آریہ مغلوں کے اس دستے کا سردار تھا جو ہمیشہ سب سے آگے چلتا ہے اس سردار کا نام آغرخان ہے اور مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے!"

بھاگپرتی بہت بے چین تھی، پوچھا: "پھر یہ کہتا کیا تھا؟" جمدھر نے جواب دیا: "اس نے مجھ کو پہچانتے ہی حکم دیا کہ میں یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کروں ورنہ قتل کر دیا جاؤں گا۔ وہ سردار اپنی فوج کو بلانے چلا گیا ہے!"

بھاگپرتی اور نہ یادہ سمجھ گئی، پوچھا: "پھر اب کیا ہوگا؟" جمدھر نے جواب دیا: "اب کیا ہوگا! ہم دونوں ان کے قیدی بن چکے ہیں اور یہ نہیں کہ اب کیا ہوگا؟"

بھاگپرتی کی وحشت عود کر آئی، بولی: "جمدھر! تو نے بڑی غلطی کی۔ وہ یہاں اکیلا آیا تھا اور ہم دونے، اگر تو ہمت کر جانا اور اس پر حملہ کر دیتا تو میں بھی تیرا ساتھ دیتی اور مغل سردار بڑی آسانی سے قتل کر دیا جاتا!"

جمدھر ہنس دیا: "بھاگپرتی! تو اس سردار کو کوئی معمولی آدمی سمجھ رہی ہے! نام آغرخان ہے اور یہ تنہا سوچا پاس پر بھاگ رہا ہے!" بھاگپرتی نے منہ نہ کر کہا: "ہوا کمرے سوچا پاس پر بھاگ رہا، لیکن میں اس کی فیر بن جانا پسند نہیں کروں گی!"

جمدھر نے اس کو سمجھایا: "بھاگپرتی! ہر جگہ غصے اور جوش سے کام نہیں چلتا۔ یہ پریشان نہ ہو، میں کوشش کروں گا کہ یہ لوگ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں، آگے اپنی بہتر جاننا ہے!"

تھوڑی دیر بعد آغرخان اپنے دستے کے ساتھ پہاڑی چٹان کے پیچھے آکر بیٹھا۔ وہ کہتے ہی اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور سامنے موجود گھاس پر لیٹ گیا، پھر جمدھر کو آواز دی: "غوث الاسلام! ادھر میرے پاس آ اور میرے سپرد پاؤں سے پیر نکال!"

غوث الاسلام دھڑک کر آغرخان کے پاس پہنچ گیا اور نیر کھینچ کر نکال لیا، تھوڑا سا فاصلہ چھوڑا تو اس سے غوث کے کپڑے بھی رنگیں ہو گئے۔

غوث الاسلام نے آغرخان سے کہا: "سردار! یہ تیرا زہر بلا تھا، آپ کا زخمی پاؤں صحت مند ہے، اس کا فورا علاج ہونا چاہیے ورنہ زندگی خطرے میں بیٹھ جاتے گی!"

آغرخان نے جواب دیا: "اس کا علاج! اس کا کیا علاج کیا جاتے؟ اور ظاہر ہے کہ جب تک ہمیں فتح حاصل نہ ہو جاتے، میں اس کا علاج نہیں کر سکتا!"

بھاگپرتی نے پوچھا: "جمدھر! مغل سردار کیا کہہ رہا ہے؟" اس نے جواب دیا: "بھاگپرتی! میں نے سردار کے پاؤں سے تیرا خون کا لہجہ یہ اس کا شکریہ ادا کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس احسان کے صلے میں تم دونوں کی جان بخشی کا وعدہ کرتا ہوں!"

بھاگپرتی کی جان میں جان آئی، بولی: "اگر مغل سردار ہم دونوں پر مہربان ہے تو میں اس کے زخمی پاؤں کا علاج کر سکتی ہوں!"

جمدھر نے مضطربانہ جواب دیا: "اگر اس کا علاج ممکن ہے تو خود بنا اور جلد از جلد علاج کر دے، کیونکہ یہ شریف مغل سردار اس احسان کے عوض ہمیں گھر چلے جانے کی اجازت بھی دے سکتا ہے!"

بھاگی ہے اپنا سامان ڈھولنا شروع کر دیا۔

آغرخان نے پوچھا: ”یہ وہی لڑکی ہے نا، جس کا تو نے اپنے خط میں ذکر کیا تھا؟“

غوث الاسلام نے جواب دیا: ”ہاں سردار یہ وہی لڑکی ہے۔ کہتی ہے کہ میں سردار کے زخم کا علاج جانتی ہوں اور اس کو اچھا کر دوں گی اور اس علاج کے عوض میں یہ مجھے گھر لے جا کر شادی کرنا چاہتی ہے۔“

آغرخان مسکراتا نہیں جانتا تھا لیکن اس وقت وہ بھی مسکرا دیا غوث الاسلام سے نظریں ملاتے بغیر پوچھا: ”کیا تو خود بھی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے؟“
غوث الاسلام نے جواب دیا: ”سردار! آپ کو معلوم ہے کہ میری بیوی جہانگیرؓ میں موجود ہے اور اس سے ایک بچہ بھی ہے۔ پھر میں اس سے کس طرح شادی کر سکتا ہوں؟“

آغرخان نے کہا: ”کیوں؟ کیا اسلام دوسری شادی کی اجازت نہیں دیتا؟“
غوث الاسلام نے جواب دیا: ”اسلام دوسری شادی کی اجازت تو دیتا ہے لیکن کسی مشرک سے شادی کی اجازت نہیں دیتا۔“
آغرخان نے کہا: ”مستثنیٰ یہ اسلام کر لینا؟“
غوث نے مایوسی سے کہا: ”مغل سردار!“

آغرخان نے فوراً بات کاٹ دی: ”غوث الاسلام! میں مغلوں کی فوج کا سردار تو ہوں لیکن میں خود مغل نہیں ہوں، میں پٹھان ہوں، میرا نام پیر محمد ہے اور آغ میرؓ جہاں علی کا نام تھا، میراجہاں علی آغ آدم ثانی حضرت نوحؑ کے بیٹے یا فت کی نسل سے تھا، اس لیے مجھ کو مغل سردار کہہ کر میری اہانت نہ کر۔“

غوث الاسلام نے معذرت کی: ”آپ نے میں آپ کو مغل سردار نہیں کہوں گا۔“
آغرخان نے کہا: ”ہاں تو اس لڑکی کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا؟“

غوث الاسلام نے جواب دیا: ”میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ یہ سرکش اور ضدی لڑکی مسلمان ہونا پسند نہیں کرے گی اور اگر کسی طرح اس کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور ایک بیوی اور بچہ بھی رکھتا ہوں تو یہ جنون اور دیوانگی میں مجھے قتل بھی کر سکتی ہے۔ میں تو اس کی وحشت اور عاجلانہ اقدام سے ڈرنے لگا ہوں۔“

لتنے میں بھاگی تھی مرہم کی طرح کوئی دوا لے کر آگئی اور جہدھر سے کہا: ”جہاد!“
اس سردار سے کہہ کہ یہ اس دوا کو زخم پر اچھی طرح لے یہاں تک کہ اس کا اثر زخم پر اندر سرایت کر جائے، دو دن میں یہ زخم بالکل بھر جائے گا۔“

غوث الاسلام نے اس دوا کی مالش شروع کر دی، اب جنگ میں جہت زیادہ شدت پیدا ہو چکی تھی اور آسامی آغرخان اور اس کے دستے کو تلاش کرتے ہوتے یہاں تک آگئے اور ان پر تیروں کی پوری رش کر دی۔ آغرخان نے نہایت جوش میں اعلان کیا: ”جہاد! ساتھ ساتھ ہم سب اپنے اپنے گھوڑوں کو ان آسامیوں پر چھوڑ دے۔ یہ اسی وقت بھاگ کھڑے ہوں گے۔“

بھاگی تھی نے پوچھا: ”جہدھر اب ہم دو دنوں کب تک واپس جائیں گے؟“
جہدھر نے جواب دیا: ”بھاگی تھی! ذرا صبر سے کام لے، ورنہ سارے بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔“

اب آغرخان دوبارہ زرم گاہ میں اتر چکا تھا اور اس کی مہماری سے اپنے پہلے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ چند گھنٹوں کے اندر ہی آسامیوں نے یہ محسوس کر لیا کہ مغل فوجاتے مہم کی طرح ان کی قوم کے خلاف صف آراء ہیں، انہوں نے جنگ کو جاری رکھنے کے لئے کئی ترکیبیں کیں، لیکن ہر ترکیب الٹ کئی اور انہوں نے اپنی اپنی جان بچانے ہی میں عافیت محسوس کی آسامی فوج بڑی تعداد میں ہتھیار ڈال رہی تھی، یا قتل ہو رہی تھی۔

خشکی اور حدیاتی محاذوں پر جنگ بند کرنے میں کئی گھنٹے لگ گئے اس جنگ میں دونوں طرف کے آدمیوں کی خاصی بڑی تعداد قتل یا زخمی کر دی گئی۔ جہت سے آسامی گرفتار بھی ہوئے۔ اس جنگ میں ایک سو اڑتالیس کشتیاں، چھوٹی بڑی چوٹھ توپیں اور بے شمار ہندو قبیلے مع باقاعدہ اور دیگر سامان مغلوں کے ہاتھ آیا۔ دونوں فوجوں پر مغلوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

میرجلہ خاں نا غوث کا شکر گزار تھا کہ اگر اس کی رہنمائی شامل حال نہ ہوتی تو یہ معرکہ اتنی آسانی سے سر نہ ہو سکتا۔
بھاگی تھی چیراں تھی کہ دونوں فوجوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور آسامیوں

کہ قید کیا جا چکا تھا، لیکن وہ خود اودھ جہڑہ آئے تھے انہیں گرفتار نہیں کیا گیا تھا
 سچا گیتی کو ایک خیمے میں چھوڑ کر غوث آغرخان کے پاس چلا گیا تھا اور اگلی مہم کے
 بارے میں باتیں کرنے لگا۔ یہاں میر جملہ بھی موجود تھا۔ میر جملہ نے پوچھا: ”اب ہمیں
 اپنا سفر کس طرف جاری رکھنا ہے اور بحیم کڑھ پہنچتے پہنچتے ہمیں کتنے قلعوں کو سر
 کرنا ہوگا۔“

اسے خان نے عزت الاسلام کی طرف اشارہ کیا۔ "اور یہی سلوک اس نو مسلم کلمتانی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ شخص کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ سچیم گڑھ تک ہمیں یہی پہنچانے کا۔ لیکن ہم نے اس کے ساتھ وہ رویہ اختیار کر رکھا ہے گویا اس نے جو کچھ کیا وہ تو کمر ناپی چیز ہے۔"

غوث نے جواب دیا: "میں نے کہا کہ دبا کہ ان کی پیش کش کا سرچ سمجھ کر جواب دوں گا۔"

بھاگیرتی نے منورہ دبا: "میرا خیال ہے کہ سمجھ کر ان کی پیش کش سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

غوث نے جواب دیا: "میرا خیال ہے کہ سمجھ کر ان کی پیش کش سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

آغرخان نے غوث سے پوچھا: "تو یہ لڑکی کیا کہہ رہی ہے؟"

غوث نے ساری باتیں بتا دیں۔ آغرخان نے کہا: "غوث! میں تیری زبان نہیں جانتا لیکن اس لڑکی کے چہرے پر اس وقت جو تاثرات پاتے جا رہے ہیں وہ غیر معمولی ہیں اور تجھ کو اس کی باتوں پر غور کرنا چاہیے۔ مگر تو نے لڑکی کو بتا دیا کہ تو مغلوں کی رہنمائی کرے گا اور انہیں جہیم ٹھکانے پہنچانے کا تو یہ لڑکی تیری دشمن ہو جائے گی کیونکہ یہ تجھے غدار سمجھنے لگی گی۔"

بھاگیرتی نے آغرخان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "جمدھر! مغلوں کا یہ سردار بہادر لگتا ہے۔ مجھ کو یہ چھان لگتا ہے۔"

غوث نے مسکراتے ہوئے آغرخان سے کہا: "سردار! ایک خوشخبری! اس لڑکی نے آپ کو پسند کر لیا ہے۔ یہ بھی ہے کہ سردار مجھ کو اچھا آدمی بہادر لگتا ہے۔"

میر جملہ نے ہنسی سے کہا: "مجلس، برخاست، ہمیں فضول باتوں میں وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔"

وہ یہ کہہ کر جمعہ سے نکل گیا۔ آغرخان نے غوث سے کہا: "میر جملہ زاہر خشک ہے اس کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں لیکن میں اس لڑکی سے کچھ باتیں کروں گا۔ اس کو میرے خیمے میں لے چل۔"

سمجھ دیر بعد آغرخان غوث اور بھاگیرتی کے ساتھ اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اس خیمے میں آلات حربہ ضرب بڑے قریب سے سجے ہوئے تھے۔ ایک گوشے میں کپڑے کی دیوار کے سہارے سپر رکھی ہوئی تھی۔

آغرخان بھاگیرتی کو بڑی آزاد و درویشانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بھاگیرتی بھی اس کو بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی۔

آغرخان نے کہا: "غوث! سنا اگر تیری جگہ میں ہوتا تو اس سے شادی ضرور کر لیتا۔"

غوث شرمایا اور غرت کو بھی چوٹ لگی۔ بولا: "سردار! یہ میرے ماما لکھن پال جی کی بیٹی بھاگیرتی ہے۔ ہم سب کی عزت و آبرو۔"

آغرخان نے کہا: "میں تیری عزت و آبرو پر کوئی حملہ تو نہیں کر رہا۔" بھاگیرتی نے پوچھا: "جمدھر! یہ مغل سردار کیا کہہ رہا ہے؟"

غوث نے جواب دیا: "یہ کہہ رہا ہے کہ بھاگیرتی کی خاطر مراعت میں کوئی کمی نہیں ہونا چاہیے۔"

بھاگیرتی مامے خوشی کے پاگل ہوتے جا رہی تھی۔ جمدھر! اس نوجوان سے کہہ دے کہ میں بھی اس کو بھی نہ بھلاؤں گی۔"

آغرخان نے غوث سے کہا: "غوث! میری بات مان لے اور وہی کر جس کا یہ لڑکی حکم دے۔"

غوث نے جواب دیا: "سردار! بھاگیرتی تو شادی کی بات کر رہی ہے لیکن میں اس کمرہ نا اندیش سے کسی طرح شادی کر سکتا ہوں۔"

آغرخان نے غوث کو حکم دیا: "غوث! مجھے بھوک لگ رہی ہے تو باہر جا اور میرے ذاتی خدمت گار سے کہہ کہ وہ تین آدمیوں کا کھانا لے آئے، پھر ہم تینوں ایک ساتھ کھا لیں گے۔"

غوث باہر چلا گیا، اس کے پیچھے بھاگیرتی بھی چلی لیکن آغرخان نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو روک دیا۔ آغرخان مسکراتے ہوئے بولا: "وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بھاگیرتی کے پاس جا کر کہہ دیا۔"

بھاگیرتی بھی اس کو بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔ آغرخان نے بھاگیرتی کے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے لباس کو دوڑوں ہاتھوں سے پتھر دیا اور اشارے سے مطلب ادا کیا کہ یہ اپنا لباس اتار کر ہمارا لباس پہن۔

بھاگیرتی نے پلکیں چمکاتے بغیر آغرخان کا اشارہ سمجھنے کی کوشش کی اور پھر دونوں ہاتھوں کو نفی میں حرکت دی اور انکار کر دیا کہ میں اپنا لباس نہیں چھوڑ سکتی۔ یہی ٹھیک ہے۔

آغرخان نے اشاروں میں پوچھا: "تو ہمارے ساتھ رہے گی؟"

بھاگیرتی نے نفی میں سر ہلائی: "نہیں۔"

دونوں کو سوال و جواب میں بڑی ذہانت پیش آمدہی تھی، اچانک بھاگیرتی نے

۲۴۵

سامنے دلے پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوتے دونوں ہاتھوں اور سر کو بھیجی میں حرکت دی اور زوراً ہی پیچھے کی طرف دھکا دینے کے انداز میں دونوں ہاتھ ہلاتے۔ آغرخان اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا سوالیہ نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔ بھاگپرتی نے جب یہ سمجھ لیا کہ مغل سردار اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا ہے تو وہ اشاروں کنایوں میں بندوبست چلانے لگی اور ہتھیاروں سے جنگ کرنے کی نفل کی، اس کے بعد مدد بھی ہونے اور مرنے والوں کی نقلیں کمرے میں لگی۔

اتنے میں غوث بھی واپس آ گیا اس نے بھاگپرتی کو اشارے کرتے دیکھا تو ہنسی آگئی۔ آغرخان نے کہا: ”غوث! بھاگپرتی سے پوچھو تو سہی کہ یہ کیا کہہ رہی ہے یہ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔“

غوث نے پوچھا: ”بھاگپرتی! تو مغل سردار سے کیا کہہ رہی تھی؟“
بھاگپرتی نے سامنے کے پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا: ”جبر صحر! میں اس سے کہہ رہی تھی کہ تیرا پہاڑوں کے اس پار مت جا، بلکہ جس طرف سے آ رہا ہے اس طرف واپس چلا جا۔ بندہ دوزخ اور ہتھیاروں سے لوگوں کو زخمی کرنے یا مارنے سے بچے کہاں جاتے گا، بلکہ دونوں طرف روئے والوں کی ہمت بڑی تعداد چھوڑ جاتے گا۔“
جب غوث نے بھاگپرتی کا جواب آغرخان کے گوش گزار کیا تو وہ متاثر ہوا اور غوث سے کہا: ”اس لڑکی سے کہہ دے کہ ہم جوتی اور سر فرزندنی ہمارا آبائی کام ہے جس اس سے کس طرح دستبردار ہو سکتا ہیں۔“
کچھ دیر بعد کھانا آ گیا۔ آغرخان نے غوث سے کہا: ”لڑکی سے کہہ، کہ ہاتھ دھو کر کھانے میں شریک ہو جائے۔“

غوث کے کہنے پر بھاگپرتی نے ہاتھ دھوئے اور کھانے میں شریک ہو گئی۔ لیکن ابھی اس نے پہلا لقمہ ہی منہ میں رکھا تھا کہ کھوک دیا اور امتلائی کیفیت میں منہ بناتی اور تھو تھو کرتی ہوتی نیچے سے نکل گئی۔

آغرخان نے غوث سے کہا: ”ذرا دیکھنا تو اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے؟“
غوث بھاگپرتی کے پیچھے نیچے سے باہر نکل گیا۔

آغرخان کو کھانے میں اپنے شہ پر ہو گیا تھا۔ اس نے ایک ذالہ کھا یا اور اس کو در بیک چہا تا رہا اور اس کے مرنے میں اپنے شہ کے پتے اور جھبڑ کا پتہ چلانے کی کوشش کرتا رہا لیکن مرنے میں کوئی خاص بات محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

غوث بھاگپرتی کو لے کر سدو بارہ عیجے میں آیا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ آغرخان نے پوچھا: ”لڑکی کو ہتھ کیا گیا تھا؟“

غوث نے جواب دیا: ”سردار! یہ لڑکی یعنی آسمائی اور کلتانی گھٹی بالکل نہیں کھلتے، لڑکی گھٹی سے پرہیز ہی نہیں کرتے بلکہ نفرت کرتے ہیں۔ گھٹن کی حد تک نفرت کرتے ہیں تیران کے کھانے میں گھٹی شامل ہو جاتے تو انہیں متلی ہونے لگتی ہے۔“

آغرخان نے معذرت کی اور بھاگپرتی کے لئے بغیر گھٹی کا کھانا منگوایا۔
اس دن آغرخان نے غوث کے ذریعے بھاگپرتی سے ہمت باتیں کیں اور آخر میں غوث سے کہا: ”اگر میرا بس چلے تو میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ دلی لے جاؤں۔ لیکن انوس کو یہ تیرے ماموں کی بیٹی ہے۔“

غوث کو آغرخان کی بات اچھی نہ لگی۔ بولا: ”سردار! یہ پہاڑی پھول ہے، شمالی ہند کے میدانوں کی آب و ہوا میں یہ مرجھا جائے گا۔ یہ وہاں اپنی مٹی سے نہیں جاتے گا۔“

آغرخان نے جواب دیا: ”غوث! تو خواہ مخواہ اس لڑکی کی وکالت نہ کر۔ کیونکہ یہ لڑکی تجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اگر تو اس سے شادی کرے گا تو سچ بتا دیا تو اس کو آسمان سے دور نہیں لے جائے گا۔“

غوث لا جواب ہو کر چپ ہو رہا۔ بھاگپرتی کی سمجھ میں جب ان دونوں کی باتیں نہ آتیں تو ہمت زیادہ مضطرب اور بے چین ہو جاتی اور غصے میں ہاتھ پاؤں چلنے لگتی۔

* * *

میر جملہ اور آغرخان غوث الاسلام کی رہنمائی میں آگے بڑھنے لگے۔ جنگلات کی صفائی کرنے والا دستہ فروغ کے آگے درختوں کو کاٹتا اور دلدلیوں اور ندی نالوں پر پتھر بے بڑے تیل کو رکھتا ہوا تھا۔ اور ان کے پیچھے مغل فروغ چل رہی تھی جنگلی درختوں سے انسانوں کے هجوم کو روکھ کر ادھر ادھر خود فرزدہ ہو کر بھاگ رہے تھے۔ میر مرتضیٰ نوپ کاٹے کا امیر مغل فروغ کے ساتھ ساتھ کشتیوں اور نالوں کا بیڑہ لیتے دریا میں سفر کر رہا تھا۔ اس بیڑے میں فروغ بھی تھے اور جنگی ساز و سامان بھی۔ مغلوں کا اکل سفر کو باقی تھا جو جوتی گھپا سے اسی میل دور تھا۔ آغرخان خشکی پر، دریا کے کنارے کنارے ہر اول دستہ لیتے نہایت احتیاط سے سفر کر رہا تھا۔

ابھی انہوں نے نصف راستے طے کیا تھا اور فوج آرام کی خاطر خیمہ اندرون ہو گئی تھی۔ میرجلد اگلی ہمت کے بابے میں بہت فکر مند تھا۔ کیونکہ مغل افواج جہانگیر کے بہت دور آچکی تھیں اور ان کو ہستانی سلسلوں میں بہ کوفی غیر تھا۔ ان کی زبان، رسمیں، انداز، مذہب، عرق، رنگ ہر چیز غیر تھی۔ اور ان پر کسی قسم کا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ آغرخان کے ساتھ میں غوث الاسلام اور بھاگپتی تھے۔ آغرخان ہر وقت چڑا اور ہوشیار رہتا۔ وہ شب بخون مارنے والوں سے بہت زیادہ ہوشیار رہتا۔ اندھیری راتوں کو مشعلوں اور مہتابوں سے علاقہ دن کی طرح روشن کر دیا جاتا تھا ملامت کو باری بار بہرہ دیا جاتا لیکن آغرخان نے اپنے آدمیوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ سب دشمنوں کے متنبخون سے ہوشیار رہیں۔ نین خود آغرخان اپنے آدمیوں سے کہیں زیادہ ہوشیار اور چوکنا رہتا۔ وہ نصف شب کے بعد زیادہ مستعد ہو جاتا۔ جنگل کے کنارے آگ جلا دی گئی تھی تاکہ درندے خیموں کی طرف آنے کی ہمت نہ کریں۔

رات کے کچھلے پہر آغرخان نے مغربی حصے میں کچھ آتشیں محسوس کیں۔ دشمنوں کو ادھر ادھر بٹلانے سے جوا نہیں اور سر آتشیں سنا فی تہی ہیں وہ سنا فی دے رہی تھیں۔ لیکن یہ آواز میں نہیں دوسرے آگ ہی تھیں۔ آغرخان چڑکھتا ہو گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ہوشیار کیا اور انہیں شب بخون کے خطرے کا احساس دلایا۔ آغرخان نے خیموں کو خالی کر دیا اور اپنے آدمیوں کو دو حصوں میں بانٹ کر شمالی اور جنوب کے جنگلوں میں چھپا دیا۔ اور آغرخان خود بھی اس آدمیوں کے ساتھ دریائے کنارے کنارے خیموں کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ آگ کی روشنی میں آہٹوں والا جنگل کا حصہ صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔ غوث، بھاگپتی آغرخان کے ساتھ تھے۔ بھاگپتی نے غوث سے پوچھا ”جہاد ہر! میں ایک بات، بلکہ محسوس کر رہی ہوں۔ ہم دونوں مغلوں کے قیدی ہیں لیکن میں اب یہ محسوس کر رہی ہوں کہ تو ان کو مشورے بھی دے رہا ہے اور ان کی علمی مدد بھی کر رہا ہے آخر یہ کیوں ہے؟“

غوث نے جواب دیا ”بھاگپتی! یہ وقت دقت کی بات ہے۔ میں مغلوں کی ہمت اور تاثر پر مجبور ہوں۔ ہم دونوں کو جیمہ کڑھ پہنچ کر شادی کرنا ہے۔ اگر میں مغلوں کا ہاں میں ہاں نہ ملاؤں اور خوشامد نہ کروں تو یہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں گے اور تمھارے اپنی کینز بنا کر مدخلے جائیں گے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس پر مجبور ہوں۔“

بھاگپتی نے کہا۔ ”ہم دونوں چاہیں تو چوری سے فرار ہو سکتے ہیں۔“ غوث نے جواب دیا ”بیشک ہم دونوں بھاگ سکتے ہیں لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ ابھی بھاگنے کے تو بڑے ہی جائیں گے۔“

بھاگپتی نے پوچھا ”یہ اس دقت مغل ادھر ادھر بھاگے کیوں پھر رہے ہیں؟“ غوث نے جواب دیا ”انہیں شبہ ہے کہ آسامی سوتے میں حملہ آور ہونے والے ہیں اس لئے مغل ان کو دھوکے سے مارنا چاہتے ہیں۔“

بھاگپتی نے بڑا ساند بنایا ”یہ ایسا دقت ہے کہ ہم دونوں مغلوں سے اپنے بھائیوں کو بچائیں۔“

آغرخان ان دونوں کے پاس سے گزرا اور انہیں باتیں کرنا دیکھ کر کچھ کھٹک گیا۔ غوث سے کہا ”غوث! مجھ کو تمھارا اعتبار ہے۔ لیکن لڑکی کے تصور اچھے نظر نہیں آتے۔ اس وحشی لڑکی سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے؟“

غوث نے جواب دیا ”سرور کا خیال درست ہے؟“

کھٹک اسی وقت مغربی جنگل سے آدمیوں کا ایک غول نمودار ہوا۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ چوروں کی طرح خیموں کی طرف بڑھے اور آتش قضا سے جلتی ہوئی نیکر والے اٹھا اٹھا کر خیموں کی طرف پھینکیں۔ آغرخان نے اپنے ساتھیوں کو ادھر ادھر بھاگنے کا حکم دیا کچھ نے دیا میں چھلانگیں لگا دیں۔ آسامی یہ سمجھے کہ مغل ان سے خوفزدہ ہو کر بھاگ رہے ہیں آسامیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ بھاگنے مغلوں کا پیچھا کرنے لگے۔ جن خیموں پر جلتی ہوئی لکڑیاں پھینکی گئی تھیں۔ وہ جلنے لگے۔

آسامیوں کی تعداد بمشکل پانچ چھ سو رہی ہوگی۔ بھاگنے بھاگنے آغرخان اپنے پیچیس تیس ساتھیوں کو لے کر پھرتے آسامیوں کی طرف مڑا آسامیوں کو یہ توقع نہ تھی وہ سیرت زدہ رہ گئے۔ آغرخان نے آسامیوں میں گھسی کر ان کا قتل عام شروع کر دیا ایسی یہ معرکہ جاری ہی تھا کہ شمال اور جنوب میں روپوش مغل فوج اندر ہی اندر چل کر آسامیوں کے عقب میں پہنچ گئی اور ان پر حملہ کر دیا۔ آسامی اس حملہ کے لئے تیار نہ تھے وہ گھبرا کر بھاگنے لگے۔ آغرخان چیخا ”خبردار جوان کو بھاگنے دیا گیا۔“

آسامی ہری طرح گھیر چکے تھے۔ آغرخان نے ڈرامی دیر میں ان کا صفایا کر دیا اور پچاس ساتھ کر گرفتار بھی کر لیا اس کے ساتھ ہی آغرخان نے آگ بجھانے کا حکم دیا۔

جس پر فوراً عمل ہوا اور آگ پر قابو پا لیا گیا۔

ابھی آغرخان اور اس کے آدمیوں نے اطمینان کی سانس بھی نہیں لی تھی کہ معلوم نہیں کس طرف سے دہ پہرے ہوتے ہاتھی نمودار ہوئے اور خمیوں کو روندنا اور لٹا شروع کر دیا۔ فوری طور پر مغلوں کی مسجد میں کچھ بھی نہ آیا اور وہ اس غلط فہمی میں رہے کہ یہ دوسرا شتب خون مارا گیا ہے لیکن آغرخان نے دونوں ہاتھیں کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو خبردار کیا۔ ”ساتھ بھاگنا مت۔ یہ دہ ہاتھی ہیں جو کسی سائنس کے تحت ہماری طرف بھیج دیئے گئے ہیں۔ گرفتار آسامیوں کو بھاگنے نہ دینا۔ اور کچھ سپاہی آگے بڑھیں اور دونوں ہاتھیں کو کام کام کر دیں“ بھاگرتی نے غوث سے کہا۔ وہ آسامیوں کے قتل اور گرفتاری کا مجھے بڑا دکھ ہے۔ اب یہی کچھ بڑکیسی؟“

غوث نے بتلایا۔ ”دو جنگلی ہاتھی معلوم نہیں کیسے آگئے ہیں اور اب تباہ کاری مچا رہے ہیں“
بھاگرتی نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”نالہ منی جان ہاتھیں سے مغلوں کو ہر بار کرا دیتا کہ میرا وطن ان کی ہر بار بڑوں سے بچا رہے“
غوث نے کہا۔ ”بھاگرتی! ایسی باتیں نہ کہہ ہمارے آس پاس کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں جو تیری بولی سمجھتے ہیں“

ایک ہاتھی بھاگتا ہوا ان دونوں کی طرف آیا۔ غوث بھاگرتی کا ہاتھ پکڑ کر بھاگا۔ ہاتھی کے پیچھے پیچھے آغرخان تھا۔ اس نے پھرتی سے ہاتھی کی دم پر حملہ کر دیا۔ جس سے اس کی آدھی دم کٹ کر زمین پر گر گئی۔ ہاتھی غصے میں آغرخان کی طرف پلٹا، آغرخان نے ہاتھی کی سونڈ کی زد سے دوڑ رہنے کی کوشش کی لیکن ہاتھی نے اس کو سونڈ میں لپیٹ لیا جا ہا۔ آغرخان نے سونڈ پر وار کیا، نلوار جھپٹتی ہوئی گر رہی تھی۔ ہاتھی چنگھاڑا اور پیچھے ہٹا۔ آغرخان نے بھاگ کر مارنے پڑا، لہذا نیزہ اٹھایا۔ ہاتھی پھر اس کی طرف دوڑا، آغرخان نے نہایت ہوش مندی سے نیزہ ہاتھی کی آنکھ کی طرف پھینکا۔ جو اس کی سبھی آنکھ میں گھس گیا۔ ہاتھی ایک بار پھر چنگھاڑا اور دریا کی طرف بھاگا۔ آغرخان اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ چند سپاہی نیزے لٹے ہوئے آغرخان کی طرف بڑھے اور پکار کر مطلع کیا۔ ”سر درلہ نیزے حاضر ہیں“

آغرخان نے ایک نیزہ لے لیا اور دوڑتے ہوئے ہاتھی کے پیٹ کا نشانہ لگا لیا

میں گھس گیا، ہاتھی ایک بار پھر چنگھاڑا لیکن اب وہ دریا میں اتر چکا تھا۔ دریا بہرے کشتیوں پر سے بندرہ کی جلی اور ہاتھی پانی میں گر گیا۔

آغرخان نے جس جہاز مردی کے ساتھ ہاتھی کا مقابلہ کیا تھا اس کا مشاہدہ سے لوگ کر رہے تھے۔ بھاگرتی اور غوث نے بھی یہ منظر دیکھا۔ دوسرے ہاتھی کو دو جہازوں نے گھیر کر مار دیا تھا۔

آغرخان واپس آیا تو اس کے آس پاس ملاحوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی وہ آغرخان کو داد دے رہے تھے۔

آغرخان نے حکم دیا۔ ”گرے ہوتے خمیوں کو دوبارہ تعمیر کیا جائے“
جب وہ اپنے خیمے میں پہنچا تو اس کے پیچھے چند ملاح بھی داخل ہو گئے اور آغرخان کی تعریفیں کرنے لگے۔ لیکن آغرخان نے ان کو حکم دیا کہ ”یہ وقت تعریفوں میں ہے، طلا یہ گروہی ہوشیار می سے کی جائے تو نہ کہ یہ رات پر خطر ہے“

آغرخان کچھ دیر خیمے میں رکا اس کے بعد پھر طلا یہ گروہوں میں شامل ہو گیا۔ صبح فجر کی ساداد کی اور کچھ دیر کے لئے بستر پر دراز ہو گیا۔

آغرخان کا یہ کارنامہ پوری فوج میں مشہور ہو گیا اور میر جملہ خان ناں دیوان میر نصی نے اندر آ کر آغرخان کو مبارک باد دی۔ بھاگرتی کے دل پر اس کا خاص ہوا تھا۔ اس نے غوث سے کہا۔ ”جمدھر! یہ سر در آدمی ہے یا کچھ اور! میری مسجد میں چھ آیا نہیں“

غوث نے جواب دیا۔ ”یہ مغل فوج کا بڑا مہادہ سر در ہے، لہذا اور خوف تو اس دل میں ذرا بھی نہیں“

بھاگرتی نے جواب دیا۔ ”انہوں نے کہ مجھے مغلوں کی زبان نہیں آتی ورنہ میں یہ مہادہ کا دھڑ دھڑائی“

غوث نے جواب دیا۔ ”تو یہ مہادہ میرے ذریعے دے سکتی ہے“
میر جملہ نے اسی دن فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔

چند دنوں بعد یہ لوگ گوہاٹی پہنچ گئے۔ مغلوں نے اپنے سامنے سری گھاٹ کی پہاڑ کے دامن میں ایک قلعہ کو راہ روکے کھڑا دیکھا۔ یہاں بھی دیاتے، میر میرا جود تھا۔ اور یہ قلعہ دریا کے مغربی کنارے پر تھا۔ اس کنارے پر مغل افواج تھیں۔ دریا کے مشرقی کنارے پر بھی ایک قلعہ موجود تھا۔ یہ دوسرا قلعہ نام نہاد نامی

پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ دریا تے برہمپتر اسانے موجود قلعے کے شمال سے بہہ کر لہرا کر مشرق میں قلعے کے پیچھے سے بہہ کر ایک دم ننہدار ہو گیا تھا۔ میر جملہ نے دونوں قلعوں کے محل وقوع سے اچھی طرح اندازہ لگا لیا کہ اگر سری گھاٹ کے قلعے کو جنوب سے حملہ کر دیا جائے تو نسیمی قلعے والوں کو یہ موقع حاصل رہتا ہے کہ وہ کشتیوں اور لڑاؤں کے ذریعہ ناندو پہاڑ کی چوٹی پر موجود قلعہ میں چلے جائیں۔ میر جملہ کو ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ ان دونوں قلعوں میں ایک لاکھ آسامی موجود ہے۔

میر جملہ خان خانان نے اپنے امراء کو ایک جا کیا اور ان سے مشورے طلب کیے اور اس مجلس سبوری میں غوث کو بھی مدد دیکر گیا۔

میر جملہ نے پوچھا: ”دوستو! میرا خیال ہے کہ اگر ہم اس قلعہ کو کسی طرح ہم بھی کر لیں گے تو ناندو پہاڑ کی چوٹی کا قلعہ ہماری راہ کا مشکل ترین قلعہ ثابت ہوگا۔ ایک ایسا سنگ گڑھ جس کو ہڑتے پاس کیے بغیر ہم لوگ بھیتم کو ٹھونک نہیں سکتے۔ اب آپ لوگ مشورہ دیں کہ ان دونوں قلعوں کی تسخیر میں کون سی تدابیر مددگار بن سکیں گی؟“

میر مرتضیٰ نے عرض کیا: ”میں غرضی اور مدد یابی راہوں سے بے تحاشہ گولہ باری چاہیے۔ ہماری تدبیریں قلعوں میں شکاف ڈال سکتی ہیں۔“

آغزخان نے کہا: ”میر تو پختہ شاید یہ بھیجوں گے کہ قلعہ میں موجود آسامیوں ہم پر بھی سنگ باری، توپ اندازی اور حملہ راجتی طریقے استعمال کر سکتی ہیں۔“

میر جملہ نے تائید کی: ”بیشک، بیشک! ہم اتنی آسانی سے حملہ نہیں کر سکیں گے۔ آسامیوں کے پاس بھی سامان جنگ ہے اور یہ ان کی موت اور زبردستی کا مسئلہ ہے۔“

دیر خان نے عرض کی: ”خان خانان! ہمیں قلعے کے گرد اگر دو گھنٹہ پھر کر اس کا کمزور اور قابل داخلہ حصہ تلاش کرنا چاہیے۔ اگر ہم کسی طرح قلعے میں داخل ہو سکیں تو اس کی تسخیر بہت آسان ہو جائے گی۔“

میر جملہ نے غوث الاسلام سے کہا: ”تو بیکوں خاموش بیٹھا ہے تو بھی اس وقت کا ایک فرد ہے۔ اس لئے تو جو بھی مشورہ دے گا وہ بڑا معنی خیز، مفید اور نتیجہ خیز ہوگا۔“

غوث نے عرض کیا: ”جناب والا! میں اپنی قوم کے مزاج سے اچھی طرح واقف

ہیں اب تک اپنی ہمت سے جو نتائج حاصل ہوئے ہیں ان کے پیچھے آسامیوں کا ن کار فرما ہے۔ آسامی مغل افواج سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں چنانچہ وہ مقابلے میں مت توڑ جاتے ہیں۔ ہم یہ ہمت برقرار نہیں رکھ پاتے اور ہماری افواج کی بامداری سے حوصلے پست کر دیتی ہے جس سے وہ ذرا سے مقابلے کے بعد ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔“

میر جملہ غوث کی باتوں پر کچھ دیر کے لئے غور کرنا رہا۔ اس کے بعد مسکرا دیا۔

”اے اسلام! تو نے آسامیوں کی نفسی کیفیت کو بتادی لیکن مشورہ کوئی نہیں دیا۔“ آغزخان نے کہا: ”خان خانان! غوث الاسلام کی باتوں میں مشورہ بھی موجود

ہیں کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے قلعہ بند آسامیوں کو یہ محسوس ہو کہ ہم آسامیوں طرح معاف کرنے کو تیار نہیں ہیں اور یہ کہ ہماری نظر میں آسامیوں کے قلعوں اور لاکھوں لاکھ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر ہم اپنا یہ اشرافیت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ دونوں سر جو جلیں گے اور آخر وہ کی ہمت میں تسخیر آسان ہو جائے گی۔“ میر جملہ نے مجلس بغاوت اور تجلیہ میں سر چنا شروع کر دیا۔

بھاگپتی آغزخان سے باتیں کرنا چاہتی تھی مگر درمیان میں زبان حائل تھی۔ وہ

لوڈر بچہ نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اس کام کے لئے اس کو ایک دوسرا ذمہ آسامی مل بھی کٹانی تھا اور جب سے بھاگپتی مغلوں میں آئی، سبھی، وہ اس کے قریب ہونے

کوشش کر رہا تھا۔ لیکن غوث سے خوفزدہ بھی تھا کیونکہ غوث میر جملہ اور آغزخان کا

دشمن تھا۔

میر جملہ نے اپنی فوج کا ایک حصہ دریا تے برہمپتر کے اس پار، قلعے کے شمالی حصہ

میں دیا اور اس کو حکم دیا کہ وہاں پہنچ کر وہ اس طرح کارروائی کا آغاز کریں کہ قلعہ

میں موجود آسامی فوجوں کو یہ احساس ہو جائے کہ گویا ان کے فرار ہونے کی راہیں بند کی جا

ہیں۔ اس پہر اول فوج کا امیر آغزخان تھا۔ وہ تیزی سے دریائی دو سرے طرف انگریزوں کی کشتیوں اور لڑاؤں کا بیڑہ لئے ہوئے اس کے ساتھ بھگت سری گھاٹ کے قلعہ بند

میں داخل ہوئے۔ مغلوں کی نقل و حرکت کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ان پر سنگ باری

ناچا ہی لیکن آغزخان، میر مرتضیٰ اور ان کے فوجی نصیحوں سے بہت دیر تھے۔ اس

لئے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔
ادھر میر جملہ نے آسامیوں کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کی کوشش کی اور لوہوں کا قلعہ کی طرف نہ دیا۔

بھاگپتی یہ ساری حرکات دیکھ رہی تھی اور نہ کہ منہ تھی کہ معلوم نہیں آسامیوں کا کیا حشر ہو۔ اس نے آغز خان کی بہادری دیکھی تھی اور اس نتیجہ پر پہنچی تھی کہ مغلوں کی شکست نہیں دی جاسکتی۔ وہ بہرہ پینڈا کے ساحل سے مغلوں اور آسامیوں کی کشمکش کی حرکات کا مشاہدہ کر رہی تھی۔ نو مسلم آسامی اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور آسامی زبان میں پوچھا: ”کیا تیرا نام ہی بھاگپتی ہے؟“

بھاگپتی نے چہرے سے چہرے سے تو اس کو شناسا محسوس کیا مگر اس کے جسم پر نہ لباس دیکھ کر ذرا استغشائی، جواب دیا: ”ہاں میرا نام بھاگپتی ہے مگر تو کون ہے؟“
نو مسلم نے جواب دیا: ”تیری طرح میں بھی آسامی ہوں لیکن آسام کی کلتا تو سے تعلق رکھتا ہوں۔“

بھاگپتی بہت خوش ہوئی: ”لیکن لباس سے تو تو مغل معلوم ہوتا ہے۔“
نو مسلم نے جواب دیا: ”ہاں۔ میں نے مغل لباس اس لئے پہن رکھا ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میرا اسلامی نام عبداللہ ہے۔ میں پریشان تھا۔ پریشانی یہ وطن چھوڑا اور جہانگیر نگر کی مغل فوج میں ملازمت کر لی اور پھر اس خیال سے مغلوں سے زیادہ قریب ہو جاؤں اور میرا شمار بھی حکمران قہر میں ہونے لگا۔ مسلمان ہو گیا۔“

بھاگپتی کے چہرے کی خوشی کا فہرہ ہو گئی: ”لیکن تو نے مسلمان ہو کر کوئی کام تو نہیں کیا۔“

نو مسلم عبداللہ نے جواب دیا: ”میری کے لئے آدمی کیا کچھ نہیں کرتا۔ تیرا سا غوث الاسلام بھی تو مسلمان ہو چکا ہے۔“

بھاگپتی نے حیرت سے پوچھا: ”غوث الاسلام؟ کون غوث الاسلام؟“
نو مسلم عبداللہ نے جواب دیا: ”وہی غوث الاسلام جس کو تیرے جہر

سمجھتی ہے۔“
بھاگپتی کا سر جھکے لگا: ”غوث الاسلام، جہرہر، یہ کیسی باتیں کر رہا ہے ذرا صاف صاف بتا یہ معاملہ کیا ہے؟“

نو مسلم عبداللہ نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا: ”بھاگپتی! اگر تو مجھ سے یہ وعدہ کرے کہ میں جو کچھ کہوں گا اس کو تو بلا تردد سمجھ گئی تو میں کچھ اور بتانے کی کوشش کروں گا۔“

بھاگپتی نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا: ”جل خیمے میں چل کر باتیں کریں یہاں کوئی باتیں کرتے دیکھنے کا تو نہ جانے کیا سوچنے لگے۔“

وہ دونوں غوث کے خیمے میں چلے گئے۔ نو مسلم عبداللہ نے کہا: ”بھاگپتی! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے میں تجھ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ غوث یا جہرہر میری ہی طرح نو مسلم ہے۔ اس نے ملہاؤں میں شادی بھی کر رکھی ہے اور اس کی بیوی جہانگیر نگر میں موجود ہے۔ اس کی ایک بچی بھی ہے۔“

بھاگپتی کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آیا، ڈانٹ کر کہا: ”تو جھوٹا ہے اور مجھ کو درغلانے کی کوشش کر رہا ہے۔“

عبداللہ نے کہا: ”آہستہ بول بھاگپتی کیونکہ یہ باتیں کسی اور نے سن لیں تو ہم دونوں کی جانیں خطرے میں پڑ جاتی گی۔“

بھاگپتی نے ناگواری سے کہا: ”پھر تو مجھے درغلانہ کیوں رہا ہے؟“
عبداللہ نے کہا: ”میری بات سمجھنے کی کوشش کر بھاگپتی! میں تجھے درغلانہ نہیں رہا۔ سچی بات بتا رہا ہوں۔“

بھاگپتی نے کہا: ”اچھا تو پہلے وہ ساری باتیں کر ڈال، جو تو کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد ہی میں کوئی فیصلہ کروں گی۔“

عبداللہ نے پوچھا: ”بھاگپتی! پہلے مجھ کو یہ بتا کہ جہرہر باغوث نے اپنی بابت تجھ کو کیا بتایا ہے؟“

بھاگپتی نے جواب دیا: ”جہرہر پندرہ سال پہلے مغلوں کی قید میں چلا گیا تھا۔ اب جب مغل ادھر آئے تو وہ بھاگ نکلا اور میرے گھر پہنچا۔ ملا جانے اس کی خدمات لیں اور یہ جوگی گھاس کے قلعے میں مغل فوجوں کے ساتھ جنگ آزما ہوا، اور شکست اٹھا کر ہم دونوں مغلوں کی قید میں چلے گئے، جہرہر میرے باپ کی بہن کا بیٹا ہے اس لئے میں اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ اب ہم دونوں مغلوں کی قید سے نکل بھاگنے کی فکر میں ہیں۔ جس دن بھی موقع ملا، بھیم گڑھ چلے جائیں گے اور شادی کر کے ہنسی خوشی زندگی بسر کریں گے۔“

عبداللہ ہنس دیا۔ ”بھائی گیتی! اب جمدھر، جمدھر نہیں غوث الاسلام ہے۔ اس کو مغلوں نے جاسوس بنا کر بھیجا ہے، یہ جیم گڑھ کی خبریں مغلوں تک پہنچا چکا ہے اور اب یہ مغلوں کا رہنما بننا ہوا ہے۔ مغل اس کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائے۔ چنانچہ مغلوں کی کامیابیوں میں غوث الاسلام کے مشورے اور رہنمائی کا بڑا ہاتھ ہے۔“
 بھائی گیتی کو اس کی باتوں پر یقین تو نہیں آ رہا تھا لیکن چند دنوں سے وہ خود بھی جمدھر پر شک کرنے لگی تھی۔ ”آہستہ سے بولی۔“ ”خود جمدھر سے جھوٹا نام لیا ہے اور یہ اپنی قوم سے غدار اور کمدہا ہے۔“

عبداللہ نے کہا۔ ”میں نے جو کچھ بتایا، اس کا حرف حرف سچ ہے۔“
 بھائی گیتی کے دل کو سخت چوٹ لگی تھی۔ ”آہستہ سے بولی۔“ ”تو یہ مسلمان بھی ہو چکا ہے اور شادی بھی کر چکا ہے۔!“

عبداللہ نے جواب دیا۔ ”ہاں بھائی گیتی یہ باتیں شک و شبہ سے بالا ہیں۔“
 بھائی گیتی نے کہا۔ ”سنو کہ اب تک میں نے مغل سردار سے اس کے ذریعے جو باتیں کی ہیں، معلوم نہیں ان میں جمدھر نے اپنی طرف سے کیا کچھ کہہ دیا ہو، اس کا تو اعتبار ہی جانا رہا۔“
 عبداللہ نے کہا۔ ”اچھا اب میں جادو کا کیڑا نکال کر تیرے پاس زیادہ دیر تک رکنا خطرے سے خالی نہیں۔“

بھائی گیتی نے کہا۔ ”جب مغل سردار واپس آجائے تو تو ایک بار مجھ سے ملنے فرد آئے گا۔“
 بقیہ باتیں بعد میں ہوں گی۔“

عبداللہ نے جانتے جانتے کہا۔ ”بھائی گیتی! جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا علم کسی اور کو نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ جانوں کے لالے پڑ جائیں گے۔“
 بھائی گیتی نے کہا۔ ”تو مطمئن رہ۔ تیرا بائیں میں کسی سے بھی نہیں کمر لگے گی۔“
 عبداللہ چوروں کی طرح نیچے سے نکل کر دریا کے کنارے تعینات فوج میں جا کھڑا ہوا۔

آسامیوں نے برہمنوں کے دوسرے کنارے پر جب مغلوں کو ایسی کارروائیاں کرتے دیکھا جس سے یہ شبہ پیدا ہونا تھا کہ مغل آسامیوں کی دلی مدد کر رہے ہیں تو انہوں نے جنگ کے بغیر چوروں کی طرح فرار ہونا شروع کر دیا۔ مغلوں نے رعب ڈالنے کے لئے گورباری بھی کی۔ اس گورباری نے آسامیوں کے سب سے سبے ہوش بھی خطا کر

دیتے اور انہوں نے کشتیوں اور قواروں کے ذریعے راہ فرار اختیار کی۔ کچھ نے بیل بھاگ نکلنے کی کوشش کی مگر آغرخان اور اس کی فوج نے جھگڑے آسامیوں کو تلواریں مار کر دھاروں پر رکھ لیا۔

سری گھاٹ کے قلعے میں آغرخان سب سے پہلے داخل ہوا، فوج فرار ہو چکی تھی عام آبادی موجود تھی مگر یہ حد خوفزدہ مغل ان پر بیل پڑے اور لوٹ مار، قتل و غارت گری شروع کر دی۔ آغرخان نے اعلان کر دیا کہ سپاہی لوٹ مار نہ کریں کیونکہ میر جلال خان نے اس کی ممانعت کر رکھی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس طرح مہنوز قزم پر مغلوں کا بڑا اثر پڑے گا۔ لیکن مغل سپاہ نے آغرخان کا حکم نہیں مانا اور لوٹ مار قتل و غارت گری میں مشغول رہی۔ یہ لوٹ مار کے مشاغل غوث بھی دیکھنا رہا۔ اور اس کو کھد پہنچا مگر خاموش رہا۔

چند مغلوں نے مقامی لوگوں کے گھروں کو لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے بعد نذر آتش کر دیا۔ غوث ان مناظر کو نہیں دیکھ سکا، اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آغرخان سے شکایت کیا۔ ”سردار! یہ کیا ہوا ہے؟“
 آغرخان نے جواب دیا۔ ”سنو کہ مشورہ پشت مغل میرا حکم نہیں مان رہے۔“

آسامی بھٹوں تک کو ہلاک کر دیا گیا۔ جانداروں کو ہلاک ادا مال و اسباب کی لوٹ مار کے بعد کالوں کا نذر آتش کر دیا ایسا رفت انگیز منظر تھا کہ غوث الاسلام کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے آغرخان سے کہا۔ ”سردار! آسامیوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ مجھ سے یہ مناظر دیکھے نہیں جا رہے۔“

آغرخان نے جواب دیا۔ ”غوث الاسلام! میں نے کہہ جو دیا کہ مغل میرا حکم نہیں مان رہے ہیں۔“ پھر ایک دہشت منشی سے سوال کیا۔ ”اور ہاں یہ تو کیا کہہ گیا ہے کہ آسامیوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے مجھ سے یہ مناظر دیکھے نہیں جا رہے۔“
 غوث نے کہا۔ ”سردار! اس کا ایک ہی مطلب ہے وہ یہ کہ میں اپنی قوم کے ساتھ مغلوں کے جو دہشت گرد کو برداشت نہیں کر سکتا۔“

آغرخان نے کہا۔ ”تو اس کا مطلب ہے کہ تیرے دل میں اب بھی اسلام سے زیادہ اپنی قوم سے محبت ہے اور تو مغلوں کا حق رنگ اور اسلام کا حق مذہب ادا کرنے کے لائق نہیں رہ گیا۔“

عنوث نے جلدی جلدی کہا "منہیں یہ بات نہیں ہے سردار! میں نے جو دظلم کے خلاف ایک آواز بلند کی ہے"

آغرخان نے کہا "افسوس کہ میں اپنے دشمنوں سے توجہ جنگ کر سکتا ہوں لیکن دوستوں پر تلوار نہیں کھینچ سکتا"

عنوث خاموش ہو گیا اور قلعے میں ادھر ادھر گھومنے لگا۔ ایک گلی میں اس نے ننگ دھڑنگ بچے کو روکنے ہوئے دیکھا۔ یہ گندی رنگ کا بچہ صرف تہمد باندھے تھا۔ اس کی عمر آٹھ نو سال کی ہو گی۔ عنوث نے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور دریافت کیا "بیرے بچے! تھجہ کو کیا ہو گیا؟ تو کیوں رو رہا ہے؟"

بچے نے اپنی زبان میں ہمدردانہ کلمات سن کر عنوث کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

عنوث نے بڑی نرمی سے کہا "بیرے بچے! تو مت ڈر! میں تیرا ہمدرد ہوں۔" سنے سامنے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس مکان میں میرے ماں باپ قتل کر دیئے گئے ہیں، گھر لٹ گیا۔ اب میں کس کے پاس نہ ہوں گا؟ اب مجھے کون رکھے گا؟"

عنوث اس مکان میں گیا۔ وہاں دو لاشیں پڑی تھیں، ایک عورت کی دوسری مرد کی۔ عورت کی آنکھیں کھلی تھیں گویا وہ حسرت سے دیکھ رہی تھی ان دونوں کے پیٹ چاک کر دیئے گئے تھے۔ بچہ اپنے والدین کی لاشوں پر کھڑا ہو کر بلب بلب کر دینے لگا۔ عنوث نے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور رقت انگیز لہجے میں کہا "میرے بچے مت رو۔ والدہ میرا کچھ پیٹت چلتے گا۔ تو میرے سامنے رہے گا اور میرے دشمن بہت جلد لپٹے کیفر کردار کو پہنچیں گے"

اس نے بچے کو وہیں کھڑا رہنے دیا اور خود تباہ شدہ مکان کے ایک گوشے میں جا کر رونے لگا "عنوث! تجھ پر لعنت ہے کہ تو اپنی قوم کے نوہانوں پر مغلوں کو چڑھا لایا۔ تو اسلام اور مغلوں کا حق رنگ اور حق مذہب ادا کر رہا ہے یا اپنی مادر وطن سے غدار ہی کر رہا ہے؟"

اس نے کافی دیر رو کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی اور آنکھیں بند کر کے آنے والے کل کی بابت سوچنے لگا۔ اس نے مغلوں کے گھوڑوں کو بھیج کر کھڑکی کی طرف دوڑنے دیکھا۔ امدان گھوڑوں کی ٹاپوں تلے آسامیوں اور کلتا نیوں کو کرہاتے مسکیاں بھرتے اور

دم توڑتے دیکھا۔ ان کراہوں اور مسکیروں میں ماں مار کھن بال جی اور اس کی اپنی ماں کی مسکیاں اور کراہیں شامل تھیں۔ اس نے اپنی بہن کو مغلوں کی کینز نیتے دیکھا، اس نے اپنی ماں کو دھکا دھکا کر کے طلب کرتے محسوس کیا اور بہن کی آنکھوں میں ہمنیرگی کی بے بسی اور شکوہ محسوس کیا۔

وہ بے چین ہو کر اٹھا اور آسامی بیٹی بچے کے سر پر ایک بار پھر ہاتھ پھیرا اور بھڑائی ہوئی آواز میں کہا "بیرے بچے! تیری بربادی کا میں گنہگار ہوں۔ تھجہ کو میں نے یتیم کیا ہے۔ تیرا بچر میں ہوں۔ میرے بچے! مجھ کو معاف کر دے۔ میں کوشش کروں گا کہ اب تک جو کچھ میں نے کیا ہے اس کی تلافی ہو جائے، اس کا ازالہ ہو جائے"

لیکن بچے کی سمجھ میں اس کی باتیں نہیں آ رہی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس عجیب و غریب شخص کو دیکھ رہا تھا جو بظاہر تو سفل فزح کا آدمی تھا لیکن ہمدردی اس سے کر رہا تھا۔

عنوث نے بچے کی انگلی پکڑی اور اپنے لشکر کی طرف چل پڑا۔ مغل فوجیں قلعے میں پھیل چکی تھیں۔ عنوث نے دور تک بچے کو پیدل چلا یا اس کے بعد گود میں اٹھالیا اور سیدھا میر جملہ خانخانان کے پاس پہنچا۔ میر جملہ نے بچے کو عنود سے دیکھ کر عنوث کی طرف دیکھا۔ پوچھا "کیا بات ہے عنوث! اسلام؟ یہ بچہ کس کا ہے؟"

عنوث الاسلام رقت زدہ آواز میں بولا "خانخانان! یہ ایک آسامی بچہ ہے۔ آغرخان کے مغلوں نے اس کے والدین کو قتل کر کے گھر کو لوٹ لیا۔ اب یہ یتیم ہے۔ اور یہ میرا بچہ تھا واقعہ منہیں ہے خانخانان! آغرخان کے مغلوں نے بڑے ظلم کیے ہیں"

خانخانان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا "اے آغرخان! نے اپنے مغلوں کو سمجھایا منہیں؟ انہیں سزا نہیں ہے"

عنوث الاسلام نے جواب دیا "جب میں نے یہی شکایت آغرخان سے کی تو اس نے جواب دیا کہ وہ شومہ پشت مغلوں کے آگے بے بس ہے۔ اور آغرخان ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتا"

خانخانان نے برہمی سے کہا "اپنے سخت مغلوں تو قابو میں رکھنا آغرخان کی ذمہ داری ہے۔ میں اس سے اس کا جواب طلب کروں گا"

عنوث نے کہا "خانخانان! سردار آغرخان مجھ سے ناراض ہو جائے گا"

خانخانان نے جواب دیا "تو مت ڈر عنوث! آغرخان تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا"

غوث نے کہا: ”خانخاناں! میں اس بچے کو پالوں گا۔“

خانخاناں نے جواب دیا: ”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تو اس کو پال سکتا ہے۔“
غوث الاسلام نے بچے کو گود میں اٹھالیا اور اپنے خیمے میں چلا گیا۔ وہاں بھاگپرتی
بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ بھاگپرتی نے غوث الاسلام کی گود میں آسای بچہ
دیکھ کر حیرت سے پوچھا: ”جگرھڑ! یہ بچہ کس کا ہے؟“
غوث نے بڑے دکھ سے جواب دیا: ”آسامی یتیم بچہ! یہ اب ہمارے ساتھ
رہے گا۔“

بھاگپرتی غوث الاسلام سے باتیں کرنے کے لئے بے چین تھی لیکن کچھ سوچ کر
خاموش رہی۔ وہ بہادر سردار آغرخان سے چند باتیں پہلے کر لینا چاہتی تھی۔ غوث
نے بھاگپرتی میں ناقابل فہم تہذیبی محسوس کی شاید غوث سے بات کرنے میں وہ پہل
نہیں کرنا چاہتی تھی۔

★ ★ ★

آغرخان اپنے مغل فوجیوں کے جوہر دستم سے بہت پریشان تھا اسے معلوم تھا کہ
میر جملہ خانخاناں اس کے سانچیدوں کے جوہر دستم کا آغرخان کو ہی ذمہ دار ہی قرار دے گا
اور اس سلسلہ میں خانخاناں کسی بھی غدر یا صفائی کو قبول نہیں کرے گا۔ وہ اداس اور
دل شکستہ اپنے خیمے میں داخل ہوا، اختیار جسم سے الگ کئے اور منہ ہاتھ دھو کر ہلکا سا
ناشتہ کیا اور اکرام کی غرض سے لیٹ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور میر جملہ خانخاناں
سے خیالوں میں گفتگو شروع کر دی۔ خانخاناں سخت برہم تھا اور وہ غصے میں ظلم و
نیادگی کا جواب طلب کر رہا تھا اور آغرخان اپنی صفائی میں معلوم نہیں کیا کیا کہہ
سن رہا تھا۔

اچانک خیمے میں کسی کی آہٹ محسوس ہوئی۔ آغرخان نے آنکھیں کھول دیں۔
سامنے خیمے کا دربان کھڑا تھا آغرخان نے پوچھا: ”کیا بات ہے؟“
دربان نے جواب دیا: ”سردار! آسامی لڑکی بھاگپرتی آپ سے ملنا
چاہتی ہے۔“

آغرخان نے پوچھا: ”وہ کہاں ہے؟“
”باہر خیمے کے در پر۔“

آغرخان نے پوچھا: ”کیا اس کے ساتھ غوث الاسلام بھی آیا ہے؟“
”نہیں۔“ دربان نے جواب دیا: ”اس کے ساتھ تو کوئی اور نو مسلم آسامی
آیا ہوا ہے۔“

آغرخان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بولا: ”ان دونوں کو اندر بھیج دے۔“
دربان واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد بھاگپرتی تو مسلم عبداللہ کے ساتھ
اندہ داخل ہوئی۔

آغرخان بھاگپرتی کو دیکھ کر مشکل یا بھگپرتی بھی مسکرائی اور نو مسلم عبداللہ سے
کچھ کہا۔ عبداللہ نے آغرخان سے کہا: ”سردار! یہ لڑکی کہہ رہی ہے کہ میں نے بے وقت حاضر
ہو کر شاید تجھ کو تنگ کیا ہے۔“

آغرخان نے جواب دیا: ”نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔“
بھاگپرتی نے عبداللہ کے ذریعے عرض کیا: ”سردار! میں اس سے پہلے ہی حاضر
ہونے والی تھی۔ لیکن فوج کے شب و روز کوچ کی وجہ سے میں حاضر نہ ہو سکی۔ اس کا
مجھے انوس ہے۔“

آغرخان نے دل میں اتر جانے والی نظروں سے بھاگپرتی کو گھبراہٹ کوئی بات
کرنا تھی تبھ کر وہ۔“

”اے“ بھاگپرتی نے عبداللہ کے ذریعے جواب دیا: ”جگرھڑ میرے باپ کی
مہین کا بیٹا ہے۔ اور میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سے شادی کر لوں گی لیکن اب میرا فیصلہ
بدل گیا ہے۔“

آغرخان نے پوچھا: ”یعنی کیا مطلب؟ میں تیرا مطلب نہیں سمجھا۔“
بھاگپرتی نے جواب دیا: ”بہادر سردار! اگر میں نے تجھ کو اور تیری بہادری کو نہ
دیکھا ہوتا تو میں جگرھڑ کے علاوہ کسی اور کا خیال تک دل میں نہ لاتی لیکن سردار آغرخان
تو نے میرا دل جیت لیا ہے میں تجھ سے محبت کرنے لگی ہوں۔ اور یہ چاہتی ہوں کہ مجھ
سے تو بھی محبت کرنے لگے۔“

آغرخان اس سوال و جواب سے چکر اٹھا۔ بولا: ”بھاگپرتی! محبت کوئی اختیاری یا
ادائی جذبہ تو نہیں ہے کہ اپنے آپ کو دوسرے سے اختیار کر لیا جائے۔“

بھاگپرتی نے کہا: ”کچھ بھی ہے سردار! لیکن جب سے میں نے تجھ کو تنہا ہاتھ
کا مقابلہ کرتے دیکھا ہے، اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں تیرے سوا کسی اور کو پسند

نہیں کر سکتی۔“

آغزخان نے ہنس کر جواب دیا: ”لیکن بھاگیری! میں شادی شدہ ہوں، دلچایا میں میری بیوی موجود ہے۔“

بھاگیری نے جواب دیا: ”بیوی سے کیا ہوتا ہے۔ ہم کلتا نبوں میں ہر مرد کو کئی بہنیاں رکھتا ہے۔ کیا تو دو بیویاں نہیں رکھ سکتا؟“

آغزخان بھاگیری کی بے باکانہ پیش کش سے متاثر ہوا۔ لولا: ”بھاگیری! تو کسی اور معاشرے کی بڑی ہے جس کسی اور معاشرے کا انسان ہوں۔ تو مجھ سے شادی کر کے پریشان ہو جاتے گی۔“

بھاگیری نے جواب دیا: ”مہار آغزخان! محبت پریشان نہیں ہوتی۔ تیری مہار کی نے میرے دل و دماغ کو جیت لیا ہے اس لئے مجھ کو یوں نہ کہ۔“

آغزخان نے کہا: ”لیکن میں تجھے بھی مشورہ دوں گا کہ تیرے گھر سے شادی کر کے کیونکہ میرا خیال ہے وہ تجھ کو پسند بھی کرے گا۔“

بھاگیری نے جواب دیا: ”اس کے پسند کرنے سے کیا ہوتا ہے اس کو میں تو پسند نہیں کرتی۔“

آغزخان نے عبداللہ سے کہا: ”تو اپنے طور پر بھاگیری کو سمجھا کہ یہ اپنے دل سے میرا خیال نکال دے کیونکہ میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔“

عبداللہ نے جواب دیا: ”سردار! میں اس کو سمجھاؤں گا لیکن یہ مجھے بہت جذباتی نظر آتی ہے۔ شاید یہ میری بات مانے۔“

بھاگیری نے عبداللہ سے کہا: ”یہ تم دونوں کس قسم کی باتیں کرنے لگے۔“

عبداللہ نے جواب دیا: ”مہار سردار! مجھے یہ لڑکی انتہائی جنونی محسوس ہوتی ہے اس لئے ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہم اس کو اپنے آپ سے دور رکھیں۔“

آغزخان نے کہا: ”مجھے سب کچھ معلوم ہے عبداللہ! مجھے اس لڑکی پر رحم بھی آتا ہے۔ لیکن میں کیا کروں۔“

بھاگیری نے کہا: ”مجھ پر رحم کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے تجھ سے محبت کی ہے تو جواب میں صرف محبت ہی چاہوں گی۔ یہ رحم اور ہمدردی کیلئے۔ میں نہیں جانتی۔“

آغزخان خاموش ہو گیا اور سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

بھاگیری نے مزید کہا: ”اس وقت میں تجھ سے زیادہ باتیں نہیں کر دوں گی۔“

لیکن اپنی اور تیری محبت کے نام پر تجھ سے یہ درخواست کر دیا گی کہ تو میری قوم پر ظلم نہ ڈھا، اور وہیں سے واپس چلا جا۔ میں تیرے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔“

آغزخان نے جواب دیا: ”بھاگیری! مجھ کو سوچنے کی مہلت دے تیری باتوں کا جواب دو چار دن میں دوں گا۔“

بھاگیری نے اصرار کیا: ”سردار! اس میں سوچنے کی بات ہی کون سی ہے۔ کیا میں تجھ کو اچھی نہیں لگتی حالانکہ میں نے جب بھی پانی میں اپنا چہرہ دیکھا ہے۔ اپنے آپ کو بہت اچھی لگتی ہوں۔“

آغزخان نے جواب دیا: ”اچھی تو تو مجھ کو بھی لگتی ہے۔ لیکن۔۔۔“

لیکن میر جملہ خاندان کے قاصد نے دونوں کی باتوں کا مزہ اکر لیا کہ دیارِ بان نے اندر داخل ہو کر آغزخان کو مطلع کیا کہ ”میر جملہ خاندان نے سردار آغزخان کو اسی وقت یاد فرمایا ہے۔“

آغزخان نے بھاگیری سے کہا: ”لڑکی! بغیر باتیں پھر ہوں گی۔ مجھ کو میرے امیر اختلاج نے یاد فرمایا ہے۔ پہلے میں اس کی بات سن لوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔“

بھاگیری نے کہا: ”مہار سردار! اپنے امیر سے بھی یہی بات کہہ کہ وہ میری قوم کو اب زیادہ نہ ستائے۔ اور ہمیں سے واپس چلا جائے کیونکہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ اگر تم لوگوں نے پوری فتنے بھی حاصل کر لی تو اس سے تم کو ملے گا کیا۔ حاصل کیا ہو گا یا اور جس کام سے کچھ حاصل نہ ہو اس میں وقت اور جانیں ضائع کرنے کا فائدہ؟“

آغزخان نے چلتے چلتے جواب دیا: ”فتوحات اور تسخیر سے کیا حاصل ہوتا ہے یہ بات تو فتنے بہتر جانتے ہیں۔ میں اس سوال کا کیا جواب دوں، واپسی میں شاید کوئی جواب دے سکوں۔“

بھاگیری نے کہا: ”مہار سردار! ہم کلتا کی لڑکیاں معاملات محبت میں آزاد ہوتی ہیں، میں نے تجھ سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ میں تجھ محبت کرنے لگی ہوں اور اب صرف دو باتیں چاہتی ہوں، پہلی بات یہ کہ اب مغل فوجوں کو آگے نہیں بڑھنا چاہیے، ہمیں سے واپس چلا جانا چاہیے دوسری بات یہ ہے کہ تو بے جمل و حجت مجھ سے شادی کر لے۔“

آغزخان تو بھاگیری پر بڑا رحم آ یا اس کلتا کی لڑکی کی سادہ لوحی اور معصومیت کسی بھی مہار کے دل کو متاثر کر سکتی تھی۔

آغزخان میر جملہ خاندان کے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے میر جملہ کو اکھڑا اکھڑا کر دیکھا۔

۲۶۳

اور دل برداشتہ پایا۔ میر جملہ اس کو دیکھتے ہی مڑا اور بڑے معنی خیز طنز یہ لہجے میں بوجھا۔
”تو آغرخان تو آگیا؟“

آغرخان نے بھی پُر وقار لہجے میں جواب دیا: ”ہاں میں آگیا اور اس لیے آگیا کہ مجھ کو لایا گیا تھا۔“

میر جملہ نے کہا: ”تو بہادر سردار ہے آغرخان! میں تیری عزت کرتا ہوں لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ تو خود تو اوصاف حمیدہ سے متصف ہے لیکن تو اچھا امیر نہیں ہے کیونکہ اچھا امیر وہی ہوتا ہے جو اپنے ماتحتوں کو قابو میں رکھ سکے۔ اور اس کے ماتحت اس کے حکم پر اپنی گردنیں کٹا دیں اور امیر کے حکم کے بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھایا۔“

آغرخان نے اسی شان سے جواب دیا: ”خاناناں! میں مغل نہیں ہوں، اس لیے مغل مجھے اپنا حاکم نہیں، نگ خوار سمجھتے ہیں، ہم سب مغلیہ سلطنت کے خدو مت گزار ہیں، مغلوں میں موجود بڑے پن کا احساس انہیں شرہ پوشت بنا چکا ہے۔ اس لیے انہوں نے جو کچھ بھی کہا ہے میرے حکم اور میری مرضی کے خلاف کیا ہے، افسوس کہ مجھ کو میرے مغل شہسوار ذیل کر رہے ہیں۔“

میر جملہ نے سختی سے کہا: ”آغرخان! مفتوحہ قوم پر ظلم قائم نہیں ذلیل و خوار کر دے گا اور معاملات پیچیدگی اختیار کر لیں گے، اس لیے میں تیرا کوئی عذر قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ تو اپنے مغل شہسواروں کے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہے۔“

آغرخان نے سختی سے جواب دیا: ”خاناناں! یہ سراسر زیادتی ہے، میں صرف اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہوں، دوسروں کے اعمال و افعال کا محاسبہ مجھ سے تعلق نہیں رکھتا۔ امیر مجھ کو دوسروں کے اعمال کا ذمہ دار قرار دے کر مجھ پر ظلم کر رہے ہیں!“

میر جملہ نے انتہائی درشت لہجے میں کہا: ”آغرخان! میں آسام کی مہمات کا امیر عسا کہ مغلیہ ہوں اور یہاں کوئی بھی غلطی کرے، اس کی باز پرس مجھ سے ہوگی، اور نگ زبیر براہ راست مجھ سے جواب طلب کرے گا۔ میں تیری طرح بادشاہ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ آسام کی مہمات کی کوتاہیاں مجھ سے تعلق نہیں رکھتی اور مجھ کو بری الذمہ رکھا جائے اگر میں بادشاہ سے اس قسم کی باتیں کروں گا تو وہ ناقابلِ سموع ہوں گی اور بادشاہ میرے تمام عہدہ بردار کر دے گا۔“

آغرخان نے بھی درشتی سے جواب دیا: ”میں جو باتیں خاناناں سے کہہ رہا ہوں بادشاہ سے بھی کہہ سکتا ہوں، میں بادشاہ کی فرمائش کے آگے بے بس ہو گیا ہوں، اگر خاناناں

آسام کی مہمات میں مدد نہ کرنے والی خامیوں اور شکایتوں کا خود کو جواب دہ سمجھتا تو میں اس سے درخواست کروں گا کہ وہ میرے ماتحت مغلوں کے خلاف کارروائی سے رکھائے۔“

میر جملہ ایک دم برسم ہو گیا: ”آغرخان! میں تیری مہادری کا مداح ہوں، لیکن اس ساتھ ہی میں تیری بے جا جسارت سے قطعی ناخوش ہوں اس طرح تو میری ہمدردیوں پر قوتوں سے محروم ہو جاتے گا۔“

آغرخان نے جواب دیا: ”خاناناں! میں ایسی ہمدردیوں اور قوتوں کو ٹھکرا کر ہوں جو میری کارکردگی اور خدمات کے عوض نہ ملیں۔ میں جا رہا ہوں اور خاناناں کو ہتھیار دیے جا رہا ہوں، ہم دونوں کو چند دنوں کے اندر اندر یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ ہومیرے ماتحت سرکش مغلوں کی تادیب خود کرنی ہے یا بدستور مجھی کو موثر الزام ٹھہرانا اور مجھ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آپ کی عدم توجہی میں مجھ کو یہاں مہینا چاہیے یا بادشاہ پاس جلا جانا چاہیے، اور میرا جو بھی فیصلہ ہو گا۔ آپ کے فیصلے کی روشنی میں ہو گا۔“

آغرخان، خاناناں کے خیمے سے نکل کر اپنے خیمے کی بجائے نیمہ اور تیرے کے چھوٹے باغ میں چلا گیا، یہاں کی فضا ترش خوشبو میں بسی ہوئی تھی، وہ ایک پتھر پر بیٹھ اور بے خیالی میں نیمہ کی ایک شاخ کو پکڑ کر فکروں میں ڈوب گیا، وہ ہاتھ سے لیوں شاخ کو سہلانا رہا اور کچھ سوچتا رہا، اچانک نیمہ کی شاخ کا ایک کانٹا انگلی میں چبھ اس نے سسی، کمرے کا تھک بچھنے لیا۔ اور زخمی انگلی کو دیکھنے لگا، درمیانی انگلی کے پہلے سے خون نقطہ کی شکل میں نکلا اور یہ نقطہ لمحہ بہ لمحہ بڑا ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ کچھ بعد یہ نقطہ چمکنے لگے۔

آسامی سرگھٹا اور ناندو مہاڑ کے قلعے خالی کر کے فرار ہو چکے تھے، میر جملہ خاناناں نے یہاں تیارہ دیر قیام نہیں کیا، وہ دونوں قلعوں میں اپنی تھوڑی سی فوج لے کر آگے روانہ ہو گیا۔ آغرخان آگے آگے تھا۔ میر جملہ اور آغرخان میں بات چیت بند ہو گئی، برسمیرا کے کنارے کنارے مغل لشکر بڑھے چلے جا رہے تھے۔ درمیان میں حائل لوگوں کو صاف کیا جا رہا تھا۔ سات کوس کے بعد کبھی گاؤں کا قلعہ نظر آیا۔ لیکن اس کی مان فضیلیں اور خالی دریاؤں سطح سے مغلوں کو بہت جلد یہ بات معلوم ہو گئی کہ

آسامی مارے دمہشت کے لئے بھی خالی کمرگے ہیں۔ میر جملہ نے اس قلعہ پر بھی قبضہ کر
اب بھی گڑھ کا راستہ بالکل صاف تھا۔
کھجلی گاؤں کے بعد بھی گڑھ تھا، اور بھی گڑھ ہیں ان دونوں کا فیصلہ کر
معرکہ ہونے والا تھا۔

غوث الاسلام آسامی بچے کو بڑی محبت سے پال رہا تھا، آخر خان غوث نے
خوش نہیں تھا لیکن غوث کو میر جملہ کی حمایت اور ہمدردی حاصل تھی، میر جملہ نے غوث کو
کو حکم دیا کہ وہ کسی طرح بھی بھی گڑھ واپس جاتے اور وہاں لوگوں میں افواہ پھیلا دے
پھیلائے تاکہ آسامیوں کے دلوں میں مغلوں کا خوف بیجھ جائے۔
لیکن آخر خان غوث کو بھی گڑھ بھیجنے کے حق میں نہیں تھا۔

غوث کو بھی گڑھ جانے کی اجازت جو ملی تو اس نے بھاگرتی کو بھی اپنے ساتھ
جانا چاہا لیکن بھاگرتی نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا: ”جہد صرا“ میرے بقول ہم دونوں
کے قیدی ہی پھر تو اس قید سے فرار کی طرح ہو گا؟“
غوث نے جواب دیا: ”بھاگرتی! زیادہ باتیں نہ بنا، اگر تو بھی گڑھ جانا چاہتے
تو جہل میرے ساتھ۔ ہم دونوں وہاں شادی کر لیں گے۔“

بھاگرتی نے طرز پر کہا: ”غوث! تو اپنی اس بیوی کو بھی بلا لے، جو جہانگیر نگر میں
بچی کے ساتھ تیرا انتظار کر رہی ہے۔“
غوث بھاگرتی کے طرز مخالف میر جو کہ گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ بھاگرتی کو
کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ پھر بھی اس نے سب اہل عارفانہ سے کام لیا
آج تو یہ کس قسم کی باتیں کر رہی ہے؟“

بھاگرتی نے بڑے غور سے کہا: ”اب میں سمجھ کر جہد صرا کی بجائے غوث کہوں گا کہ
مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تو جہد صرا نہیں رہا، غوث الاسلام ہے اور تو اب دستور مغلوں
ملک خولہ اور اپنی قوم کا غدار ہے۔“
غوث کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ حیران تھا کہ بھاگرتی کو یہ باتیں
کس نے بتا دیں؟ بھاگرتی! میں غدار نہیں ہوں۔ میں مغلوں کا ٹک خوار ضرور ہوں۔“
بھاگرتی نے غصے سے کہا: ”تو مجھ سے جھوٹ بولتا رہا، اور اب جبکہ ساری باتیں
مجھ کو معلوم ہو چکی ہیں تو مجھے یہ قوت نہیں بنا سکتا۔“
غوث نے بوجھلے بھاگرتی! جلد ہی میں ساری باتیں تجھ کو خود ہی بتا دیتا ہوں۔“

بھاگرتی نے غصے سے کہا: ”تو مجھ سے جھوٹ بولتا رہا، اور اب جبکہ ساری باتیں
مجھ کو معلوم ہو چکی ہیں تو مجھے یہ قوت نہیں بنا سکتا۔“
غوث نے بوجھلے بھاگرتی! جلد ہی میں ساری باتیں تجھ کو خود ہی بتا دیتا ہوں۔“

خطا نہیں ہوا۔“

آغرخان ایک سفیرہ شخص تھا، بولا، ”لیکن بھاگرتی میں مذاق پسند نہیں کرتی۔ چونکہ میں خود ایک سردار ہوں، اس لیے میں خاصا لیے دیتے بھی رہتا ہوں، اس لیے میرے سرداروں کو کتنا ہنس کرنا ہوں کہ آئندہ مجھ سے اس قسم کا مذاق نہ کیا جائے۔“

بھاگرتی اس لب و لہجے کی عادی نہیں تھی۔ آغرخان کے کاندھے پر سے لنگڑا ہاتھ لکھ دیا۔ اور زمین پر بیٹھ کر لڑائی لڑنے کی کوشش کی، ”بہادر سردار! تو نالایق کیوں ہے؟“

بھاگرتی نے جواب دیا، ”اصل بات کیا ہے؟ وہ بتا۔“

آغرخان لنگڑا ہاتھ لکھ کر لڑائی لڑنے سے مروتی سے بولا، ”لڑائی میں نے کہہ چھوڑا کہ ایک سردار ہوں اور کسی سے بھی زیادہ بے تکلف نہیں ہوں، میں نہیں چاہتا کہ مغل لوگ مجھے عامیہ روش میں دیکھیں۔“

بھاگرتی پر لب بھی کوئی اثر نہ ہوا، آغرخان سے پھر کر بیٹھ گئی۔ آغرخان کی طرف کھسک گیا۔

بھاگرتی نے بڑی محنت سے آغرخان کا ہاتھ لینے ہاتھوں میں لے لیا، ”سردار! میں نے جہدھر کو خوب خوب ڈانٹا۔ اب تک مجھ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ مغلیہ سلطنت کا ہے اور قوم کا عہدہ۔“

آغرخان نے حیرت سے پوچھا، ”یہ باتیں تجھ کو کس نے بتائیں؟“

عبداللہ کا چہرہ ہنس گیا۔ بھاگرتی نے عبداللہ کی طرف دیکھا، ”اور اشاروں میں سمجھ کر کہا جس کا مطلب آغرخان بھی نہیں سمجھ سکا۔ بھاگرتی نے عبداللہ سے پوچھا۔“

”عبداللہ! بہادر سردار کیا پوچھ رہا ہے؟“

عبداللہ نے سوال دہرایا اور آغرخان نے عبداللہ سے کہا، ”عبداللہ! اس شخص پر ہندو لہجے میں کہہ دے کہ میں شاعر عام کا عاشق یا محبوب نہیں ہوں، اس لئے مجھے کہ یہ لڑکی کس اور کا انتخاب کر لے، میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔“

بھاگرتی نے عبداللہ سے کہا، ”تو اپنے سردار سے کہہ دے کہ میں اتنی آسانی سے آنے والی لڑکی نہیں ہوں۔ اور میں اس وقت اس لیے آئی ہوں کہ سردار کے ساتھ کچھ روز گزاروں۔ جہاں تک ہمت رہا ہے اور یہ دل سردار کو طلب کر رہا ہے۔“

عبداللہ نے سب کچھ رک رک کر اور چھپا کر کہہ دیا۔ آغرخان نے سختی سے ”لڑکی سے کہہ دے کہ ہم لوگ یہ باتیں پسند نہیں کرتے اور ہماری لڑکیاں اور عورتیں“

دع پر اتنی بے مروتی سے باتیں نہیں کرتیں۔“

اس جواب نے بھاگرتی کو بالکل کمر دیا۔ وہ نثر حال ہو گئی۔ اور درخت کی جڑ کا لکڑے پر بیٹھ گئی۔ آغرخان نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن چھڑا نہیں سکا کیونکہ بھاگرتی نے دنوں ہاتھوں سے اس کا ایک ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

اس وقت وہاں غوث بھی پہنچ گیا، اس نے یہ تماشا جو دیکھا تو آغرخان کی پردہ بغیر بھاگرتی کو ڈانٹا، ”بھاگرتی! تو یہاں کیا کر رہی ہے؟“

آغرخان نے ایک بار پھر ہاتھ چھڑنے کی کوشش کی اور کامیاب ہو گیا۔ بھاگرتی نے کہا، ”میں آگے سے جھنجھلا گئی تھی، سختی سے پوچھا، ”تو یہاں کیوں آ گیا؟“

غوث نے بھی سختی سے جواب دیا، ”میں یہاں کاماچول دیکھ کر سب کچھ سمجھ گیا، اسیوں اور کلناؤں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی اس درجہ تک تباہی نہیں ہو سکتا۔“

بھاگرتی نے پرجوش آواز میں کہا، ”تو غدار ہے اور ایک غدار کی زبان سے یہ باتیں نہیں نکلتیں۔“

آغرخان نے پوچھا، ”غوث! اسلام! تم دونوں کس بات پر جھگڑ رہے ہو؟“

”تو بتا۔“

غوث نے بے دلی سے کہا، ”سردار! میری قوم کے ساتھ نا انصافیاں ہوتی ہیں اب ان کی عزت و آبرو پر بھی ہاتھ صاف ہو رہا ہے، برداشت کی بھی کوئی حد بنتی ہے۔“

آغرخان غصے میں کھڑا ہو گیا، ”غوث! تو کتنا سختی کر رہا ہے، بھاگرتی مجھ سے جس کا تقاضا کر رہی ہے، میری جگہ کوئی اور سردار ہوتا تو بخوشی آمادہ ہو جاتا لیکن میں آغرخان، نوح کے بیٹے یافت کی اولاد سے ہوں، میں سفلہ خونی کا مرتکب کس طرح ہونا ہوں۔“

غوث نے بھاگرتی سے پوچھا، ”سردار! کہہ رہا ہے کہ تو نے اس سے کسی شے کا مطالبہ کیا۔ جس کو اس نے پورا نہیں کیا، کیا یہ درست ہے؟“

بھاگرتی نے جواب دیا، ”ہاں بہادر سردار نے درست کہا۔ میں اس بہادر کی گردیدہ ہوں اور میں نے جہاں یہ فیصلہ کیا ہے کہ تجھ سے شادی نہیں کروں گی، وہی یہ فیصلہ بھی لیا ہے کہ میں اس بہادر سے شادی کروں گی۔“

عنوث تڑپ گیا۔ بولا: ”یہ نہیں ہو سکتا۔ تو میرے ماما رکھن پال جی کی بیٹی ہے۔ ایک افغان سے شادی نہیں کر سکتی۔“

بھاگینی نے غصے میں حکم دیا: ”اب تو یہاں سے چلا جا۔ میں نے جو فیصلہ کر رکھا، کمرہ کیا۔“

عنوث نے آغرخان سے درخواست کی: ”سرور! یہ سر پھری لڑکی تجھ کو بھی ذرا لڑکھائی، اس لیے تو یہاں سے کسی بھی مہلے چلا جا، یہ ایک ایسی خواہش کا اظہار ہے جس کا پورا کرنا تیرے لیے دشوار ہی نہیں، ناممکن بھی ہو گا۔“

بھاگینی نے عنوث سے کہا: ”تو سرور! سے کیا کہہ رہا ہے؟“

عنوث نے جواب دیا: ”سرور! آغرخان ایک باعزت خاندان کا باعزت فرد ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ نتیجہ سے شادی نہیں کر سکتا۔“

بھاگینی نے کہا: ”یہ میرا مسئلہ ہے، تو یہاں سے چلا جا، ورنہ تیرا حشر بھی ویسا ہی ہو گا، جو بھانسن کا ہو چکا ہے۔“

عنوث نے ایک بار پھر آغرخان سے درخواست کی: ”سرور! آغرخان! بھاگینی کو اپنے ماقولے جانا چاہتا ہوں۔“

آغرخان نے جواب دیا: ”کیا تجھ کو یہ یقین ہے کہ یہ لڑکی تیرے ساتھ جاکر جاتے جی؟“

عنوث نے کہا: ”یہ میرا مسئلہ ہے، لیکن سرور! تیرا یہاں سے چلا جانا ضروری ہے!“

آغرخان نے جواب دیا: ”عنوث! السلام! میں جانتا ہوں لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ تو اس لڑکی کے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا۔“

بھاگینی ان دونوں کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن جب آغرخان کو جانے ہوتے دیکھا تو وہ اس کی طرف بڑھی اور یہ خیال کیے بغیر کہ آغرخان اس کی بات نہیں سمجھ سکے گا، بولی: ”مہاد! سرور! میں بھی تیرے ساتھ چلوں گی۔“

عنوث غصے سے بھاگینی کی طرف بڑھا اور اس کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن بھاگینی نے عنوث کو دھکادے کر گرا دیا۔ عنوث کو اور زیادہ غصہ آ گیا اور اس نے بھاگینی کو پیچھے سے بالوں سے پکڑ لیا اور جھٹکا دے کر نیچے گرا دیا۔ آغرخان اس تشکش کو دیکھ رہا تھا، وہ تیزی سے عنوث کی طرف بڑھا اور اس کے کولے پر ایک ٹھوکر دینے کی، عنوث لڑکھڑکی

رک گیا جس سے بھاگینی کے بال چھوٹ گئے اور وہ آزاد ہو گئی، اس نے جوش میں ایک ری پتھر اٹھا لیا اور گھرے ہوئے عنوث کو ہلاک کر دینا چاہا، لیکن آغرخان نے بھاگینی پتھر چھین کر پھینک دیا اور ہاتھ کے اشارے سے کہا: ”لڑکی! اس کو ہلاک نہ کر۔“

عنوث سہما سہما اٹھا اور کچھ کہے سننے بغیر چلا گیا۔ آغرخان نے اشاروں کنایوں میں بولا: ”ہیٹ نہ کر لڑکی۔“

بھاگینی نے اشاروں میں سمجھانے کی کوشش کی: ”اس نے مجھ کو بالوں سے کھینچا۔ اس لیے میں نے پتھر اٹھا لیا۔“

بھاگینی نے آغرخان کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن آغرخان نے اپنا ہاتھ کھینچ کر

عنوث کے جانے کے بعد عبداللہ دوبارہ سامنے آ گیا، اور اس نے آتے ہی

کہی کہ: ”بھاگینی! میں اس لیے چلا گیا تھا کہ اگر عنوث مجھ کو تیرے پاس دیکھتا یہ دشمن بدھاتا۔“

آغرخان نے عبداللہ سے کہا: ”عبداللہ! تو اس لڑکی کو سمجھا کہ اس سے شادی کرنا بے فائدہ مشکل ہے۔“

بی بات جب عبداللہ نے بھاگینی سے کہی تو اس نے جواب دیا: ”مہاد! سرور! سے مرے کہ میں جلدی نہیں کر رہی ہوں لیکن میرا قطعی فیصلہ ہے کہ میں شادی مہاد! سرور! سے ہی کروں گی ورنہ اپنی جان دے دوں گی۔“

آغرخان بھاگینی کے اس فیصلے سے پریشان ہو گیا۔ اس نے جواب دیا: ”اچھا! اگر بات ہے تو اس سے کہہ دے کہ جب تک آسمان فتح نہ ہو جائے خاموش ہو جائے، تیرے

اس کی تشخیر سے پہلے میں کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔“

لیکن بھاگینی نے کہا: ”میں نے تو مہاد! سرور! سے درخواست کی ہے کہ وہ جہاں آچکا ہے، یہیں سے واپس چلا جائے اور میرے ہم وطنوں پر رحم کرے۔“

آغرخان نے جواب دیا: ”اس مہم کا وہ دایہ سیر جلا خانخاناں ہے، میں تو اس پر فرمان معمولی امیر ہوں، آسمان کی مہم کے بارے میں فیصلے خانخاناں کی طرف سے

دے ہوتے ہیں۔“

بھاگینی نے کہا: ”خانخاناں کو مشورہ تو، تو دے سکتا ہے۔ وہ تیرے جیسے مہاد! بات ضرور مان لے گا۔“

ذمہ داری میر جملہ خاندانوں نے خود قبول کر لی۔ وہ راتوں کو فوج کا دستہ لیے جنگلات کی سمت گھومنا پھرتا رہتا۔ لہٰذا میں کئی بار شب خون کی معرکہ آرائی ہوئی اور ہر بار میر جملہ خاندانوں نے آسامیوں کو شکست دی۔

دوران سفر ہی آغرخان نے غوث الاسلام کی اہمیت کو محسوس کر لیا، میر جملہ خاندانوں اس پر ہمت زیادہ اعتقاد کر رہا تھا، یہاں تک کہ آغرخان کو نفرت پیدا ہو گئی۔ نظر انداز کر دیا تھا۔ خاندانوں کے اس طرز عمل نے آغرخان کے ساتھ اس کے مغل ساتھیوں کو بھی شافی کر دیا تھا۔

کئی بار آسامیوں نے ہاتھیوں کو مغلوں کی طرف دھکیل دیا لیکن مغلوں نے مل جل کر اس دباؤ کو بھی شکست دے دی۔

دو ہفتے بعد یہ لڑک بھیم گڑھ کے قلعے کے سامنے پہنچ گئے، غوث الاسلام کے مشورے اور خاندانوں کے حکم پر مغل افواج نے قلعے سے اتنی دور بڑھا کر کیا کہ جہاں سے توپوں کی مار کا گم ہو سکتی تھی۔ یہاں پہنچ کر حملہ آور فوج کی کمان غوث کے سپرد کر دی گئی اور میر تقی امیر توپ خانہ کو خاندانوں کی طرف سے خفیہ حکم مل گیا کہ وہ غوث الاسلام کے حکم کے مطابق گولہ باری کرے گا۔

غوث الاسلام نہایت ہوشیاری سے قلعے کے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ بھیم گڑھ کے قلعے پر کس طرف سے حملہ کیا جائے جو مفید اور کارگر ثابت ہو۔ آغرخان تمام شاہیوں کی طرح غوث الاسلام کی حرکات و سکنات پر گہری نظریں رکھے ہوئے تھا۔ غوث الاسلام کبھی کبھی آسامی بچے کو کاندھے پر بٹھائے بھیم گڑھ کے قلعے کے سامنے بے زینا رہتا۔ خاندانوں نے پوچھا: "اس آسامی بچے کو کاندھے پر لیے پھرنے کا مقصد کیا رہتا ہے اور معائنے میں حارث نہیں ہو رہا؟"

غوث الاسلام نے سکڑ کر جواب دیا: "خاندانوں! میں اس بچے کے ذریعے آسامیوں کو یہ تافہ دینے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اگر مغل فوج نے بھیم گڑھ کو فتح کر لیا تو وہاں کے بچوں اور کمزوروں پر رحم کیا جائے گا، اور اگر میرا غلطہ غلط ہے تو دو چار دن میں چند آسامیوں کو میرے پاس آنا چاہیے، جو مجھ سے میری اس حرکت کی وجہ معلوم کر دیں گے، اگر ایسا ہو گیا تو گویا میں اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا، میں ان آنے والے آسامیوں کے ذریعے بھیم گڑھ والوں کو درغلا سکوں گا۔ انہیں غدار ہی پر آمادہ کمزوروں کا انداز اس طرح یہ قلعہ بڑی آسانی سے سر کر لیا جائے گا۔"

آغرخان اس کے سوال، جواب سے تنگ آچکا تھا۔ بولا: "عبداللہ! تو اس لڑکی کو سمجھا دے کہ خاندانوں بادشاہ کے فرمان کا نابلہ ہے، یہ کسی کے کہنے سننے سے آسامیوں کو ہم ترک نہیں کر سکتا۔"

عبداللہ نے وعدہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کرے گا اور اسے نصیحت ہے کہ وہ اس میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔

غوث الاسلام سیدھا خاندانوں کے پاس پہنچا اور شکایت کیا: "خاندانوں! خدا کو حاضر و ناظر کہہ کر مجھ پر بتائیں کہ اب تک میں نے مغلوں کے ساتھ وفاداری کی ہے یا غدار کی؟"

خاندانوں نے جواب دیا: "تو ہم امانت و وفادار شخص ہے، کیوں؟" غوث نے کہا: "خاندانوں! اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ بھیم گڑھ فتح ہو جائے تو اس ہم میں آپ کو کچھ تبدیلیاں کرنا ہوں گی۔"

خاندانوں نے کہا: "تو مشورہ دے، میں غور کروں گا۔" غوث نے جواب دیا: "آسامی، کلثانی، آغرخان اور اس کے ساتھیوں سے ناراض ہیں کیونکہ ان لوگوں نے مفتوحہ قوم پر ظلم کیے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ بھیم گڑھ کی مہم میں قلعے کی تسخیر کی ذمہ داری میرے سپرد کر دی جائے۔"

خاندانوں نے کہا: "میں تیرا مطلب نہیں سمجھا، تو کہنا کیا چاہتا ہے؟" غوث نے جواب دیا: "میرا مطلب صاف ہے، میں بھیم گڑھ کے چپے چپے سے داخل ہوں اور یہاں کے آسامیوں اور کلثانیوں کے مزاج اور عادات سے واقف ہوں چنانچہ میں جس طرح اپنی فوج کو لڑاؤں گا کوئی دوسرا غیر آسامی سردار اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔"

خاندانوں نے کہا: "یہ بہت ناگزیر ہے، میں اس پر غور کروں گا۔" ایک ہفتہ بعد مغل افواج نے یہاں سے بھی کوچ کیا اور بھیم گڑھ کے لیے روانہ ہو گئیں۔ غوث الاسلام ان کی راہ نمائی کر رہا تھا، آسامی سپہ اس کے ساتھ تھا اور ہر ایک کاندھے کاندھے سے سفر جاری تھا۔ دوران سفر بالمش، آسم، کیلے، ترمش، لیمو، انتاس، آملہ، ناریل، اور چھالہ کے باغات ملے، فوج کا تیر بڑا دستہ آگے آگے راستہ صاف کرتا تھا۔ یہاں شب بخون کا سب سے زیادہ خطرہ تھا، چنانچہ شب بیداری اور طلبہ کر دی گئی۔

خاناناں نے کہا: "عنوث الاسلام! جو کام کہ نہایت احتیاط سے کرے" اچھی مغل افواج کو قیام کئے ہوئے ایک ہی دن گزرا تھا کہ مطلع ہوا کہ ہونگیا، ہوا ایک دم رک گئی۔ سردی بڑھ گئی۔ آٹا خانانہ تاریکی اتنی بڑھ گئی کہ مغلوں کو اپنے جیموں میں ہماہیاں اور شمعیں روشن کرنی پڑ گئیں۔

عبداللہ نے آغرخان کو مطلع کیا کہ یہ آٹا کسی بڑے طوفان کی آمد کا پہلے درے رہے ہیں۔

یہی بات عنوث الاسلام نے خانانانہ سے کہی۔ خانانانہ نے میر مرتضیٰ کو حکم دیا کہ توپ اور گولوں کا خاص خیال رکھا جائے۔ کہیں بادشہ انہیں بیکار نہ کر دے۔

سہ ماہی کو ہوا سنسلی اور تندہ تیز ہونے لگی۔ پھر موسلا دھار بادشہ شروع ہو گئی اور اس بادشہ میں اولے بھی کرنے لگے، اولوں کی وجہ سے سردی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ طوفان باد و باران میں انسانی آوازیں یوں سنائی دے رہی تھیں گویا کوئی میلوں دور سے آوازیں دے رہا ہے۔ گھوڑے مہنڈانے لگے اور ان کی آوازیں بھی بہت دُور سے آتی محسوس ہو رہی تھیں دریا کی موجوں میں خوفناک تلاطم اٹھا اور کشتیاں اور غوطے ننکوں کی طرح ہلنے لگنے لگے۔ میر مرتضیٰ اور دوسرے ذمہ دار فوجی اپنے ماتحتوں کو احتیاطی احکام جرح و رجح کر دے رہے تھے، سردی اتنی بڑھ گئی تھی کہ آدمی اور مویشی یکساں ٹھہرنے اور سکنے لگے۔ عنوث الاسلام نے آسامی بچے کو کبلوں میں چھپا دیا۔ آغرخان نے بھاگرتی کے لیے کئی کبل بھجوائے اور کہلوا لیا کہ "انہیں اندر کر دیکر چلے"۔ بھاگرتی اس نوازش سے بہت خوش ہوئی۔

خاناناں اس طوفان میں سرگرم خود امداد جسم کو نہ مکنز میں چھپا کر ہر طرف بھاگا بھاگا پھر رہا تھا۔ اس نے دریا کی سطح پر کئی مرتبہ بجلی کرتے دیکھی، تیز و تند ہواؤں نے کئی کشتیوں کو الٹ دیا۔ گھوڑے مرنے لگے۔ بعض گھوڑے اصطبل سے نکل بھاگے اور ادھر ادھر بھاگے ہوئے گھٹروں میں گر گئے یا دریا کی آلوں کی چوٹ سے ڈھیر ہو گئے۔

خاناناں نے اس طوفان میں چند آسامیوں سے عنوث الاسلام کو باتیں کرنے دیکھ لیا وہ شاید یہ منظر نہ دیکھ سکتا لیکن بجلی کی چمک میں اس نے عنوث کو ایک چٹان کی آمد میں چند آسامیوں سے باتیں کرتے دیکھا۔ خاناناں حیران تھا کہ اس کے لشکر میں تو تباہ کاری مچی ہوئی ہے اور ایسا لگتا ہے گویا غنیمت نہ دہلا کر کے چلا گیا ہو اور یہ آسامی نہایت اطمینان سے بیٹھ باتیں کر رہے ہیں۔ وہ خود بھی ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔ کچھ دیر بعد جب کوئی شخص اس کے پاس سے گزرا تو خاناناں نے حکم دیا: "اسے شخص رک جا، تو کون ہے؟"

وہ شخص رک گیا اور جواب دیا: "خاناناں! میں ہوں عنوث الاسلام، کالم ہو گیا؟" خاناناں نے جواب دیا: "خدا ہم سب پر رحم کرے۔ معلوم نہیں اچھی کتنی دیر اور یہ طوفان رہے گا کیوں سا کام ہو گیا؟"

عنوث الاسلام نے جواب دیا: "میں نے چند ذمہ دار آسامیوں کو یہ یاد کر دیا ہے کہ ہم اس قلعے کو فتح کیے بغیر واپس نہیں جاتیں گے اور ہم سے جنگ کرنے کا مطلب ہے موت سے جنگ کرنا۔ اس لیے اگر قلعے کو معمولی مقابلے کے بعد ہمارے حوالے کر دیا جائے تو ہم بھی گلوں والوں سے رجحلا نہ اور ہمارے ساتھ سنو کہ کریں گے اور اگر ہم نے اس قلعے کو بندہ قوت فتح کر لیا تو یہاں کی آبادی کو غم و وحشت کا مستحق نہیں سمجھیں گے۔"

خاناناں نے پوچھا: "پھر ان لوگوں نے کیا جواب دیا؟" عنوث نے جواب دیا: "انہوں نے مجھے یقین دلادیا ہے کہ قلعے پر آسامی قبضہ کر دیں گے۔"

خاناناں نے دعا کی: "خدا ہمیں کامیاب کرے۔" عنوث نے جواب میں آمین کہی۔

طوفان نے کئی گھنٹے تباہ کاریاں چاہی تھیں اور آخر جب حالات بڑھ سکن ہوئے تو میر جملہ خاناناں اور آغرخان وغیرہ اپنے نقصان کا اندازہ لگانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے گھوڑوں اور دوسرے مویشیوں کی لاشیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ جیموں کے اندر ادھر باہر انسانی لاشیں بھی ٹھٹھری پڑی تھیں۔ خاناناں اور آغرخان کو بڑا دکھ ہوا لیکن عنوث اللہ نے میر جملہ کو یقین دلایا کہ عنقریب ایک بہت بڑی خوشی ملنے والی ہے اس لیے اس نقصان پر آنسو نہ بہاتے جاتیں۔

بھاگرتی بھی گڑھ میر جملہ کے خلاف تھی، اس نے آغرخان سے ایک بار پھر درخواست کی کہ بھیج گڑھ میں جنگ نہ لڑی جاتے لیکن آغرخان نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس جنگ کی کمان عنوث کے ہاتھ میں ہے، اس سے نہ کوئی جانتے۔

بھاگرتی عنوث الاسلام کے پان اگلے محاذ پر پہنچ گئی اور اسے ملامت کرتے ہوئے کہا: "اوبے غیرت انسان! اب اپنے ہی وطن کو ہر بار کرتے پر تلا ہول ہے۔"

عنوث نے گھوم کر بھاگرتی کی طرف دیکھا۔ بولا: "بھاگرتی! میں تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا، اس لیے مجھ سے نہ لڑ، ورنہ نقصان اٹھنے لگی۔"

بھاگرتی نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا: "ادھنت دل ظالم انسان! خدا سوچ تو رہی

ہم دونوں کا خیر اس مٹی سے تیار ہوا تھا، ہم نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں، ہوش بھال
اور جوان ہو گئے، ہم نے اسی کے پھل کھائے اس کی فضا میں سانس لیں اور ہمیں کے
چشموں کا پانی بیا۔ جھڑھنا تو اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بیچ بچ بڑا کیا یہ ہمارا وطن نہیں
ہے، کیا یہاں کی مٹی میں کوئی کشش، کوئی مقناطیس نہیں ہے، کیا تو اپنی ماں پر حملہ آور
ہو سکتا ہے جیسے گڑھ پیری مادر وطن ہے۔ کچھ تو اس کا خیال کر۔

غزٹ نے اس کی باتوں میں بہو کی تشریح عیسویں کی، آسام کی فصلوں کی خوشبو، مٹی
کا سونہ رھا پن اور چشموں کے پانی کی مٹھا اس اپنے من میں اور پھر ہوسے جسم میں عیسویں کی۔
وہ ہل گیا، لڑ گیا۔ بولا۔ بھاگ رہی تھی، جس مادر وطن کی تو تعریفیں کر رہی ہے، اس نے مجھ کو دیا
کیا وہ دلیں نکالا۔ میں غلوں میں چلا گیا، میں مسلمان ہو گیا اب مجھ پر اسلام کا حق ہے، مغلوں کی
نک خوداری کا حق ہے اور میں ان حقوق کی ادائیگی پر مجبور ہوں۔

بھاگ رہی تھی اتنی کی۔ خوب اچھی طرح سوچ لے چلا۔
غزٹ نے جواب دیا۔ ”میں نے خوب سوچ لیا ہے اور اب مزید سوچنے کی سکت نہیں“
بھاگ رہی تھی، یوں ہو کر چلی گئی اور غزٹ خیمے کے ایک گوشے میں جا کر نہ دے لگا۔

*

*

*

غزٹ الاسلام نے ذبح کو تیار کر کے اوصی رات کے بعد آگے بڑھنے کا حکم دیا، وہ
انہیں لے کر قلعے کے صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ غزٹ الاسلام نے کہا ”آسامی یہ شیعہ تک
نہیں کر سکتے کہ ہم لوگ صدر دروازے سے حملہ آور ہوں گے، اور یہی ان کا کمزور ترین محاذ
ہے۔“ پھر میر مرتضیٰ سے کہا ”میر مرتضیٰ گولہ باری کے لیے تیار ہو جاؤ، کیونکہ گولہ باری انہیں
پر حملہ اس انداز میں کر دے گا۔“

میر مرتضیٰ بھی اپنے توپ خانے کے ساتھ آگے بڑھا۔

جب یہ لوگ جیتے چھپاتے، بچتے بچاتے قلعے کے صدر دروازے پر پہنچے تو وہاں
غضب کا سکوت پایا۔ قلعے اور مغل افواج کے درمیان ایک خندق حائل تھی اور اس میں
پانی بھرا ہوا تھا۔

غزٹ الاسلام نے میر مرتضیٰ کو حکم دیا کہ گولہ باری شروع کر دی جائے اور اس وقت
تک جانکا رہے جب تک میں دوسرا حکم نہ دوں۔
ایک دوسرے سردار دلیر خان نے پوچھا۔ ”اس کا فائدہ؟“

غزٹ الاسلام نے کہا ”قلعے والوں کی توجہ ادھر ہی رہے گی اور ہم ان پر دوسری
طرف سے حملہ کر کے قلعے کے اندر داخل ہو جائیں گے۔“

دلیر خان کو یہ ترکیب پسند آئی لیکن آغز خان نے دیے لفظوں میں کہا۔ ”میں اس سے
اتفاق نہیں کرتا۔“

غزٹ الاسلام نے پھر کمر جواب دیا ”سردار آغز خان! تو ہر جگہ مجھ سے اختلاف رکھتا
ہے، حالانکہ آج میں یہ ثابت کرنے پر تیار ہوا ہوں کہ میں دوسرے کئی سرداروں سے زیادہ اچھی
سوچ بوجھ رکھتا ہوں۔“

آغز خان نے کہا ”زیادہ باتیں نہ بنا، غزٹ الاسلام، میں بیتی ان باتوں کا عنقریب
بہت اچھا جواب دوں گا۔“

غزٹ الاسلام نے ترکیب ترکیب جواب دیا ”آغز خان! جواب تو نہیں میں دوں گا، تو وقت
کا انتقام کر کھر کھڑا ہم سب کے سامنے آجائے گا۔“

آغز خان نے کہا ”مت گھبرا، فی جوشے، تو کیا ہے اور کیا چاہتا ہے، میں سمجھ چکا
ہوں، اللہ نے چاہا تو میں تجھے بہت جلد بے نقاب کر دوں گا۔“

دلیر خان نے کہا ”ہمارا دوا آپس میں مت اچھو اور مل جل کر اس مہم کو سر کرنے
کی کوشش کر۔“

میر مرتضیٰ نے کہا ”نک گولہ باری، شروع کر دو اور قلعے میں کھینچی پڑ گئی۔ فسیلیوں
پر سرتے سے نظر آنے لگے اور ادھر سے بھی گولہ باری ہونے لگی، لیکن میر مرتضیٰ کی گولہ باری زیادہ
شہرہ پھیلی اور فسیل کا گولہ باری بہت معمولی۔ غزٹ الاسلام گولہ باری کا حکم دے کر دوسری
طرف چلا گیا اور قلعے کے کمزور حصوں کو نشانہ بن کر مارنے لگا۔

انہی دونوں طرف سے گولہ باری جاری تھی کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور دونوں
حریف ایک دوسرے کو دیکھنے سے قاصر ہو گئے۔

آغز خان، دلیر خان کو لے کر ایک طرف چلا گیا اور کہا ”دلیر خان! غزٹ الاسلام کے
سلسلے میں تو مجھ سے تعاون کر۔“

دلیر خان نے پوچھا ”کس قسم کا تعاون؟ غزٹ الاسلام تو حملہ آور ذبح کا کارندہ
ہے۔“

آغز خان نے کہا ”اس کے باوجود، میں جب اشارہ کر دوں، غزٹ الاسلام کو
گمراہ کر دیا جائے۔“

دلیر خان کی سمجھ میں آئے۔ خان کی باتیں نہیں آکر ہی تھیں۔

عزت الاسلام کھو اڑتا ہوا ایک طرف سے نمودار ہوا اور دوسری طرف ترقی کو حکم دیا۔
 ”بہر ترقی دشمن بہرحال سہجہ کا ہے اور میں نے قلعے میں داخلہ کا راستہ تلاش کر میاں سے نہ کولہ
 بادی جاری رکھ، اور میری آواز کا انتظام کریں، میں اندر داخل ہو کر لغوہ تکبیر بلند کروں گا۔ یہ
 اس کا اعلان ہو گا کہ مغل تو جین قلعے میں داخل ہو چکی ہیں۔“

میر نے تصوف نے جواب دیا: "لیکن اس دھواں دھابہ بارش میں گولہ باری سے حاصل کیا ہو گا؟"

عنوت الاسلام نے بیڑہ کر کہا ”میں قلعے والوں کو دھوکے میں رکھنا چاہتا ہوں۔“

میرے مرقی نے جواب دیا: بہتر ہے، میں گولہ بادی چامی رکھیں گا۔

عزت الاسلام نے پیشہ دہن کو ہمہ گیر کرنے کے لئے چھڑا دیا اور کہا: ”تم لوگ ہمیں نہ کہو گے، میں تمہارا قلعہ کی طرح ہوں، جہاں سے داخلہ آسان ہے پھر میں جیسے ہی کوئی جلا وطن تم لوگ کوئی کی سمت بھاگ کر آجائے“

عزت الاسلام نے اپنے دستے کو دریا کے کنارے کھرا کیا اور خود قلعے کی سمت چلا گیا وہاں درختوں کی آدھیں کھڑے بہکمراس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کچھ وہ چھپنا چھپانا بھاگتے ہیں یا نہیں۔ تو فعل اس کی بددیواری تو نہیں سکیں گے۔ جنگلات اور دھواں دھواں دھواں نے بڑی اچھی پردہ دانی قائم کر رکھی تھی۔ یہ جنگل کے اندر ہی اندر سفر کرتا ہوا میر جملہ اور عفوہ فرج کے چیموں تک پہنچ گیا، بارش کی وجہ سے محل اپنے چیموں میں دیکے ہوئے تھے۔ عفوہ نے لپٹ گھوڑے کو ایک درخت سے بانہ دیا اور پچھتا پچھتا، پچھتا پچھتا بھاگتے ہیں کے جیجے میں داخل ہو گیا۔ بھاگتے ہیں اس کو اپنے سامنے دیکھا تو وہ سہراں رہ گئی۔ پوچھا: ”جمہ صابہ“

عقبت نے جواب دیا: ”بھائی گفٹی! اس میں اپنے دامن سے ان دھبوں کو دھو دوں گا۔ جو اپنے مادرِ وطن، نتمز، اپنی قوم اور اپنے راجا کے خلاف محاذ آرائی اور درہمیانگی کی وجہ سے میرے دامن پر لگ گئے تھے۔ میں تجھے لینے آیا ہوں، میرے ساتھ چل بھائی گفٹی!“

بھائی گفٹی نے ہنسی بھرا لہجہ میں کہا: ”کیا تمہارے جملہ حرموں میں تیرا مطلب نہیں سمجھی؟“

عزت کے جواب دیا: بھلا گئی، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے میں سب کچھ
 تجھے بتا دوں گا۔ تو میرے ساتھ چلی جا۔“
 بھلا گئی نے پوچھا: ”لیکن تو مجھے کہاں لے جائے گا؟“

عمر شے نے جواب دیا ”بھیم گڑھ۔ جہاں بہری ماں اورو بہری بہن رہتی ہے۔ جہاں میرا
 ماما اور تیرا پاپا رکھن پالیا جا رہنا ہے، اس بھیم گڑھ دا ایس چل، جس کی مٹی ہے ہمارا خیمہ
 اچھا اور جس کی آب دھوا میں ہم نے جنم لیا تھا، جس کے کچھلوں کا دس ہمارے جسم میں خون
 بن کر دھڑ رہا ہے۔“

بھاگ کر نئے پڑھا۔ ”کیا بھیم گڑھ فتح ہو گیا؟ کیا مغل خزانہ جس قلعے کے اندر داخل ہوئیں؟“

غمت نے تہ تاب دیا۔ "نہیں اب مغل فوجیں بھیج کر ہمد میں داخل ہئیں ہر مسکین،
 ہجیم کر ہمد مغلوں، فرستان ہے، مغلوں کا عثمانیہ میں نے ہجیم کر ہمد والوں کو اپنے منصفیہ سے
 آکا ہمد دیا ہے مغلوں کا امیر تپ خانہ میر مرتضیٰ میرے حکم پر لگو لہاری ستر درعہ کمر چوکے اندر
 گولہ باری اس وقت تک جاری ہے کہ جب تک میں میر مرتضیٰ کو گولہ باری بند کرنے کا حکم نہیں
 دلاں گا اور میں یہ حکم بھی نہیں دلاں گا کیونکہ میں ہجیم کر ہمد میں داخل ہو کر مغلوں کو
 بھول جاؤں گا۔ میر مرتضیٰ قلعے کے بیکار حصے پر مسلسل گولہ باری کرے گا اپنے گولے خانہ کے
 چٹا ہو گا اور آخر میں ہجیم کر ہمد کی افواج قلعے سے نکل کر مغلوں پر گولہ باری کر کے تباہ و برباد
 کر دے گی اور ہرجلہ اور اس کی افواج یہاں سے واپس بھی نہیں جائیں گی۔"

کھا گیا کہ ”یہ تو خیر اسی ہے، مگر تو دونوں کا ساتھ نہ دیتا اور غیر متعلق ہو جاتا لیکن تو نے مغلوں کا نمک کھا لیا ہے اور اس بات کہ یہ کھا دینا ضروری غلطی ہے۔“

عزت بنس دیا۔ ”کیا اگر یہی“ اگر میں مغلوں کا ساتھ دوں تو اپنی قوم اور وطن کا فائدہ
 کھلاؤں اور اگر اپنی قوم اور وطن کا ساتھ دوں تو مغلوں کا فائدہ کرکھلاؤں۔ لیکن میرا عقیدہ یہ ہے
 ہے کہ میں مغلوں کے خلاف دستم سے اپنے وطن اور اپنی قوم کو بچا رہا ہوں۔ بلکہ کرم تو اس کا بچنے کو
 لے آ، تاکہ میں اس کو بھی ساتھ لیتا جاؤں۔“

بھائی گیتی نے "عشق سے جواب دیا" لیکن میں تیرے ساتھ نہیں چاؤں گی!"

عزیز نے کہا: "میں تجھ سے مشاوری کرنا چاہتا ہوں، اس لیے تجھ کو میرے ساتھ جیلنا پڑے گا۔"

یہاں پر قنبر کھڑی ہو گئی۔ لولہ نے ایک بار سچ کہہ دیا کہ میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی اور اگر تم جہاد کے لیے جاؤ تو مجھے زہر دہنی پینے سے ممانعت کرنا چاہیے گا، تو میں تمہارے لیے غمزدہ رہی کہ تم جہاد کے لیے جاؤ گے۔“

عنوت لہزہ گیا اور سر پر کوئی بات کہے بغیر وہ خمیے سے نکل گیا۔ وہ آسامی گئے

زیادہ بے کلام رکھا تھا۔ میر جملہ نے جنگ کا نقشہ دیکھا تو یاپوس ہو گیا، اور اس نے آفرخان کو مستورہ دیا۔ آفرخان! میر خیاں ہے کہ فی الحال جنگ کو بند کر دیا جائے اور اسے نہ تیار کر کے دوبارہ حملہ کیا جائے۔

آفرخان نے جواب دیا: "خاناناں! میں اسی جنگ کو فیصلہ کن بنا دوں گا۔" خاناناں نے اعلان کیا: "غوث الاسلام کی طرح آفرخان کو بھی معزول کیا جاتا ہے، اب دلیر خان، نملہ امیر ہے۔ آفرخان سرکش ہے، مستورہ نہیں مانتا۔" خاناناں کے اعلان نے آفرخان کو یاپوس کر دیا۔ اس نے کہا: "خاناناں! تم نے مجھ پر بہت ظلم کیے ہیں۔ اب میں یا تو اس جنگ اپنی جان دے دوں گا یا پھر فرستے حاصل کر لوں گا۔"

آفرخان نے چند مغلوں کو ساتھ لیا اور پانی سے بھری ہوئی تختہ رقی میں چھلانگ لگا دی۔ میر جملہ حیرت سے یہ منظر دیکھتا رہا، پھر دلیر خان سے کہا: "اس سر بھرے کے پیچھے جا اور اس کی مدد کر، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آفرخان کے بڑے سے بڑے قسم واپس نہیں آتے۔"

دلیر خان بھی اپنے چند ساتھیوں سمیت خندق میں کود گیا۔ قلعہ کی فصیل سے گولہ باری جاری تھی لیکن آفرخان اور دلیر خان کی خوش قسمتی تھی کہ دھواں دھار بادش کی دھج سے وہ خندق کو بچھا رہے ہوئے دیکھے نہیں جاسکے۔ آفرخان اور دلیر خان اپنے مغل ساتھیوں کو لے کر خندق کی دوسری طرف نکل گئے۔ یہاں ان لوگوں نے وہ جگہ تلاش کر لی، جہاں سے فصیل پر چڑھا جاسکتا تھا، آفرخان آگے آگے تھا، وہ فصیل پر چڑھتا چلا گیا، اس کے پیچھے دلیر خان اور دوسرے مغل تھے، ان لوگوں نے فصیل پر چڑھتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگا دیا۔ آسامیوں نے انہیں فصیل پر چڑھ دیکھا تو بہت حواس ہو گئے، ان کو شمشیر گزرا کہ مغل فوجیں شاید قلعے میں داخل ہو چکی ہیں، چنانچہ ان کے حوصلے اکھڑ گئے اور وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے، آفرخان اور دلیر خان انہیں دھڑا دھڑا کر مار رہے تھے۔ چند مغلوں نے پچھلے ٹکڑے کھول دیے، خندق کے پار مغلوں کو غیرت آئی اور وہ لوگ بھی خندق کو کود کود کر پار کرنے لگے۔ آسامی براہ فرار اختیار کرنے لگے۔

میر جملہ کا خوشی سے عجیب حال تھا۔ مغل فوجیں بڑی تیزی سے قلعے میں داخل ہو رہی تھیں، ان کے ساتھ میر جملہ خاناناں قلعے میں داخل ہو گیا اور فصیل پر کھڑے ہو کر اذان دے دی، یہ اذان گویا اعلان فتح مندی تھا، جس نے مغلوں کے حوصلے بڑھادیتے، مگر آسامیوں کے گھٹا دیتے؛

دلخافزہ ہو چکا تھا۔ میر جملہ کو اس کے نکل جانے کا بڑا املال تھا۔ وہ آفرخان اور دلیر خان

کو بھی اپنے ساتھ لے جاسکا۔ غوث دھواں دھار بادش میں قلعے کے پیچھے پہنچ گیا۔ گولہ باری کی آواز سے زمین لرز رہی تھی اور بھڑائی چٹائیں کانپ رہی تھیں۔ وہ قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس وقت آفرخان اس کے سر پر پہنچ گیا اور حکم دیا: "غوث! اسلام تو خود کو میرے لئے کر دے۔ میں تجھ کو گرفتار کرتا ہوں۔"

غوث نے سختی سے جواب دیا: "آفرخان! میں اس محاذ آفرخ کا کماندار ہوں اور تو میرا تحت ہے!" آفرخان نے کہا: "تو غدار ہے اور ایک غدار میرا امیر اور مغل فوج کا کماندار نہیں ہو سکتا۔"

غوث الاسلام نے دھوکے سے آفرخان پر وارہ کر دیا لیکن آفرخان نے وار بیکار کر دیا اور اپنے گھوڑے کو دوڑا کہ غوث الاسلام کو ٹکڑا کر دیں۔ وہ زمین پر گر گیا۔ اس کے گرنے ہی آفرخان نے چھلانگ لگا دی اور اس کو دو بوج لیا اور کٹوں کی بادش نذر دے کر دی غوث نے بھی جوابی کارروائی نہ کرنا چاہی لیکن آفرخان نے اس کی مہلت ہی نہیں دی۔

دلیر خان اور چند دوسرے مغل بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گئے۔ ایک آدمی میر جملہ کے پاس روانہ کر دیا گیا اور غوث کی سازش کو بے نقاب کر دیا گیا۔ میر جملہ بھاگا بھاگا آیا اور بندھے ہوئے غوث الاسلام سے پوچھا: "اودشمن خدا! یہ تو نے کیا کیا؟ غوث نے کہی؟" جواب نہیں دیا۔

میر جملہ نے اور زیادہ دہشتی سے کہا: "تو نے یہ غدار، کیوں کی؟ تو نے مغلوں کے نمک کا یہ صلہ دیا!"

غوث نے جواب دیا: "میں نے کوئی غدار ہی نہیں کی۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ میں نے اپنے وطن، اپنی قوم اور اپنے تہذیب کے حق میں مغلوں کے خلاف کام کیا، پھر میں غدار کی طرح ہو گیا۔ خاناناں! اگر کوئی طاقت مغلوں کے ملک پر حملہ آور ہو اور حملہ آور فوج میں میری طرح کوئی مغل بھی موجود ہو اور وہ مغلوں کے حق میں کوئی کام کرے تو کیا یہ مغل قوم اس کو غدار کہہ سکتی ہے؟"

میر جملہ نے کہا: "جنگ کے بعد تیرا فیصلہ کیا جائے گا اور اس وقت تک تو خیر امت میں رہے گا۔"

اس کے بعد فوج کی کمان آفرخان کے سپرد کر دی گئی۔ اس وقت تک مغلوں کا خاصا نقصان ہو چکا تھا اور سلا دھار بادش نے اور

کے پاس پہنچا، بولا "دلیر خان! تو نے قلعے میں داخل ہو جانے میں جس بہادری اور شجاعت کا اظہار کیا ہے۔ میں اس کی داد نہیں دے سکتا۔"

دلیر خان نے جواب دیا "خاناناں! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ خندق میں انہوں نے جس شخص نے پہل کی ہے وہ آغرخان ہے!"

خاناناں نے منہ پھیر لیا اور بے سنور کہا "مہر حال دلیر خان تو اس نام با مسمیٰ ہے" آغرخان کا دل ٹوٹ گیا اور وہ مایوس ہو گیا۔ *

بھیم گڑھ میں غلجیوں نے داخل ہو گئیں۔ آسمانی کھجوریں، شبنم، خون، مہر اور بوجھ لے گئے۔ لیکن آغرخان نے ان کی تلاش میں ادھر ادھر گھومنا متردّد نہ کر کے ایک جگہ میں خاناناں مہم ہو گیا اور وہیں غوث الاسلام کو طلب کر لیا۔ دلیر خان اور مہر گڑھ پہنچا، وہ خود تھے لیکن آغرخان غائب تھا۔

خاناناں نے غوث الاسلام سے جواب طلب کیا "اوہ بے رحمت کلتانی! اب بتاؤ نے یہ کیوں کیا؟"

غوث الاسلام نے جواب دیا "میرے پاس تیرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔"

خاناناں نے کہا "کیا تو جانتا ہے کہ غارتگری کی سزا کیا ہے؟"

غوث نے جواب دیا "موت! کیوں نہیں جانتا؟"

خاناناں نے آغرخان سے کہا "مجھے، تجھ، پیر رحم اگر ہا ہے لیکن جرم بہت سنگین ہے۔"

خاناناں نے پوچھا "تیری کوئی خواہش؟"

غوث نے جواب دیا "میرے ماما اکھن پال جی کی بیٹی بھاگیرتی کو تجھ سے ملا دیا جائے!"

خاناناں نے بھاگیرتی کو بلوایا۔ غوث نے کہا "بھاگیرتی! یہ میرا آخری وقت ہے اگر قسمت میرا ساتھ دے جاتی تو اس وقت میں اپنے وطن اور اپنی قوم کا ایک بڑا آدمی ہوتا لیکن اب یہی ہیں بڑا آدمی ہوں!"

بھاگیرتی اس کی باتیں بڑے غمزے سے سنتی رہی، آخر میں جواب دیا "جہدہ تو اپنی قوم اور وطن کا ہی خدا ہے جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ اگر تو اپنی قوم اور ملک کے خلاف مغلوں کی راہنمائی نہ کرتا تو انہیں کبھی اسی طرح جب تو نے مغلوں کا شک کھایا تھا تو انہیں دھوکا بھی نہیں دینا چاہیے تھا۔"

۲۸۲

غوث نے پوچھا "بھاگیرتی! تیرا کیا خیال ہے؟ کیا مجھے معاف کر دیا جائے گا؟"

بھاگیرتی نے جواب دیا "شاہد نہیں، دلیسے میں مغلوں کو تجھ سے زیادہ نہیں جانتی۔"

غوث کی آنکھیں بھر آئیں۔ بولا "بھاگیرتی! جہانگیر مگر میں میری ایک بیوی اور ایک بچہ ہے، میرے مرنے کے بعد ان دونوں کا معلوم نہیں کیا جھبھ ہو گا؟"

بھاگیرتی اس کی صورت دیکھتی رہی۔

غوث نے کہا "بھاگیرتی! میری تجھ سے ایک درخواست ہے!"

بھاگیرتی نے پوچھا "کون سی درخواست؟"

غوث نے جواب دیا "آغرخان میرا بدترین دشمن ہے، ہم دونوں ایک دوسرے سے خدیر نفرت کرتے ہیں، میری خواہش ہے کہ تو اس سے شادی نہ کرے۔"

بھاگیرتی نے کہا "تیری نفرت سے میرا کیا تعلق؟ میں نے تو اس بہادر کو اپنا دل دے لیا ہے اور افسوس ہے کہ میں میری خاطر اتنی بڑی قربانی نہیں دے سکتی۔"

غوث چند لمحوں تک بھاگیرتی کو گھورتا رہا، اس کے بعد آہستہ سے کہا "اب تو جانتی ہے، تیری مرضی!"

جب وہ چلی گئی تو غوث نے خاناناں سے کہا "خاناناں! میں آغرخان سے ملنا چاہتا ہوں!"

خاناناں نے ایک خدمت گار کو حکم دیا "آغرخان کو بلایا جائے۔"

ادھر آغرخان کے آنے سے پہلے ہی خود وہاں سے ہٹ گیا۔ آغرخان آیا تو غوث نے نرم جوشی سے سلام کیا۔ آغرخان نے بڑی سر دھری سے سلام کا جواب دیا۔

غوث نے کہا "آغرخان! تو ایک بہادر انسان ہے، میں نے تجھ کو اس لیے نجات دی ہے کہ مرنے سے پہلے تیرا ایک احسان لے لوں۔"

آغرخان نے بے مروتی سے کہا "جو کچھ کہنا چاہتا ہے، جلد کہہ دے، میرے پاس نرے لیے زیادہ وقت نہیں ہے۔"

غوث نے پچکاتے ہوئے کہا "سنا ہے بھاگیرتی تجھ سے محبت کرتی ہے؟"

آغرخان نے بے رحمی سے کہا "گرتی ہو گی، ہنہ نہیں۔"

غوث نے غور سے ملاحظہ کیا "وہ میرے ماما اکھن پال جی کی لڑکی ہے، میں چاہتا ہوں کہ تو اس سے شادی نہ کرے۔ اگر میرے مرنے کے بعد تو نے اس سے شادی کر لی تو میری روح ایک مستقل عذاب میں گرفتار رہے گی۔"

۲۸۳

خود کو تباہ کیے دے رہی ہے کیونکہ مجھ سے شادی کر کے وہ خوش نہیں رہ سکتی تھی۔ میں
پیشہ سیارہ گری کا انسان، ملکوں ملکوں، شہروں شہروں، تلوار بکف گھوڑے دوڑانے والا
انسان بھاگرتی کو وقت بھی تو نہیں دے سکتا تھا، میری عدم موجودگی میں اس کو ایک ایسے
ماحول میں رہنا پڑتا، جس کی زبان، مذہب، تمدن، ہر چیز اس سے مختلف ہوتی اور وہ ہماری
نواہتین کے صدر کا بھی شکار ہو جاتی۔“

عبداللہ نے دے لفظوں میں کہا: ”سردار! وہ بڑی جذباتی لڑکی ہے، آپ کی روانگی
اور آپ کی جہانی کا صدر اس کو برباد کر کے رکھ دے گا۔“
آغرخان نے سختی سے کہا: ”تو اس کو سمجھاتے گا۔“
عبداللہ نے وعدہ کر لیا کہ وہ اس کو سمجھانے کی کوشش کرے گا۔

آغرخان اپنے چند مغل دوستوں کے ساتھ خاناناں سے جہاں ہو گیا اور جہانگیر نگر
مردانہ ہو گیا، جہاں سے اس کو دہلی جانا تھا۔ آسام کو چھوڑنے ہوئے اس کا دل دکھ رہا تھا کہ
بھاگرتی کی معصومیت بار بار اس کے باؤں پیکر پر ہی تھی لیکن وہ دل پر جبر کر کے جا رہا تھا۔
بھاگرتی آغرخان کو تلاش کرتی رہی۔ مغل اس کی زبان نہیں جانتے تھے اس لیے وہ
کسی سے پوچھ بھی نہ سکتی تھی۔ وہ عبداللہ کو تلاش کرتی رہی وہ بھی نہیں ملا۔ مشکل جو تھتھ
دن ملا تو بھاگرتی نے بے چینی سے پوچھا۔ ”یہ آغرخان کہاں گم ہو گیا عبداللہ؟“

عبداللہ نے اپنے چہرے پر زبردستی منع و غم کا تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی، بولا۔
”بھاگرتی! اس پر بادشاہ کا عتاب نازل ہوا تھا، بادشاہ نے اس کو خونخیزی دہلی طلب کر لیا۔
لیکن وہ وعدہ کر گیا ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ واپس ضرور آئے گا۔“
عبداللہ یہ سمجھوٹ اس لیے بول رہا تھا کہ وہ بھاگرتی کے دل کو ایک دم نہیں
ٹوڑنا چاہتا تھا اور اس کو بھی اس پر مدح آ رہا تھا۔ بھاگرتی چمک گئی۔ ”وہ دہلی چلا گیا! وہ
واپس آئے گا۔“

عبداللہ نے جواب دیا۔ ”وہ ضرور واپس آئے گا۔ کیونکہ آغرخان ایک بہادر انسان
ہے اور بہادر لوگ اپنے وعدے کا بڑا پاس کرتے ہیں!“
بھاگرتی کی حالت غم سے بھری ہوئی تھی۔ ”اس کو مجھ سے مل کر جانا تھا۔“
عبداللہ نے جواب دیا۔ ”بھاگرتی! اس کو نہ بزدستی لے جایا گیا ہے، ورنہ وہ
بغیر ہرگز نہ جاتا۔“

بھاگرتی کا ب مغل زوج میں رہنا بیکار تھا۔ وہ مغلوں کے پرچ سے نکل کر اپنے باپ
کے پاس چلی گئی۔

جہاڑی کی سطح ہموار جگہ پر، جہاں تین راستے مختلف سمتوں میں چلے گئے تھے اور
جس کا ایک راستہ تنہا میں اترتا چلا گیا تھا، بھاگرتی کا بھڑکا مکان اس کا انتظار کر رہا تھا،
ناظرانہ دیکھ دیوں کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہو گئی، اس کا باپ اپنی بہن اور
بھانجی کے ساتھ بیٹھا بائیں کمرہ رہا تھا، اس نے بھاگرتی کو دیکھتے ہی خوشی کی آواز نکالی۔ بولا۔
”بھاگرتی! تو آگئی، اس وقت تیرا ہی ذکر ہوتا رہا تھا، جہڑ کر صر ہے۔“

بھاگرتی نے سوگوارہ آواز میں جواب دیا۔ ”ہاں باپ۔ جی میں آگئی، جہڑ غدار
تھا، مارا گیا،“
راکھن پال جی نے چونک کر پوچھا۔ ”جہڑ غدار تھا، کس کا غدار تھا؟“
بھاگرتی نے جواب دیا۔ ”اپنے ملک، اپنے وطن، اپنی قوم، اپنے تمدن اور خود اپنا
بھی۔ وہ مغلوں کا بھی غدار تھا اور اسلام کا بھی۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس نے ساتھ
کسی کا بھی نہیں دیا۔“

جہڑھری ماں بیچ بڑی ”لڑکی! اپنی زبان کو قباؤں میں رکھ، میرا بیٹا غدار
نہیں ہو سکتا۔“
جہڑھری بہن بھی مدد دی۔ ”بھاگرتی! ناراض تھے خوش نہ رکھیں، میرے بھائی
کو غدار نہ کہہ۔“

بھاگرتی نے پورا واقعہ بتا کر کہا۔ ”مغلوں نے اس کو قتل کر دیا۔ جہڑھری کو میں نے
غدار نہیں کہا، بلکہ وہ بھائی غدار۔“

جہڑھری ماں اور بہن اسی وقت اپنے گھر چلی گئیں۔ راکھن پال جی نے اپنی بیٹی
میں پہلی جیسی شوخی اور شرارت محسوس نہیں کی، بلکہ وہ بھاگرتی کو غم زدہ محسوس کر رہا تھا
اس نے سوچا، بھاگرتی کو جہڑھری کا غم پریشان کر رہا ہو گا۔ تسلی دینے کے لیے کہا۔ ”بھاگرتی!
جو کچھ ہوا، اس کا مستقل سوگ منانا فتنہ ہے! جہڑھری نہیں تو ادا کرتی تو نوجوان ہیں۔“

بھاگرتی نے نہ ہر ملی ہنسی میں جواب دیا۔ ”باپ جی! یہ تجھ سے کس نے کہہ دیا کہ
میں جہڑھری کے غم میں گھل رہی ہوں۔ میں اس غدار سے شادی کبھی بھی نہ کرتی رہی بات
کہ شادی کے لیے کئی اور نوجوان ہیں، تو میں اپنے دل کا مارا اب نہیں چھپاؤں گی۔“ پھر مشکل
رک رک کر کہا۔ ”باپ جی! میں نے ایک بہادر نوجوان سے شادی کر لی ہے۔“

باپ نے حیرت سے پوچھا۔ ”تو نے کس سے شادی کر لی ہے؟ وہ نوجوان
کون ہے اور کہاں ہے؟“

بھاگرتی نے جواب دیا۔ ”باپ جی! وہ نوجوان ترک (مسلمان) ہے، اس کا نام آغرخان
۲۸۷

خان ہے، دہلی اپنے بادشاہ کے پاس گیا ہوا ہے لیکن وہ وعدہ کر گیا ہے کہ میرے پاس واپس آجائے گا، وہ بہادر ہے اور بہادر غلط وعدے نہیں کرتے۔

راکھن پال جی کو ایسا لگا تو بھاگ گئی کا دماغی توازن دھست نہیں ہے، *
 آغرخان دہلی پہنچا، لیکن اس سے پہلے ہی خانانہاں کا قاصر پہنچ چکا تھا خانانہاں نے آغرخان کی بہادری کی تعریف اور سرکشی کی شکایت لکھ بھیجی تھی، اورنگ زیب نے چند دنوں تک اس کو معنوب رکھا، لیکن بعد میں اس کو صوبہ کابل روانہ کر دیا۔ کابل کے بعد اس کو دکن کی مہم پر روانہ کر دیا گیا۔ وہاں مرہٹوں سے بڑی خوفناک جنگیں لڑیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس کو دوبارہ شاہی میں طلب کر لیا اور چند ماہ روک کر دوبارہ کابل روانہ کر دیا۔ لیکن جب دکن میں پھر برابری پھیلی اور وہاں کسی لائق فوجی کی ضرورت محسوس ہوئی تو بادشاہ نے پھر ایک بار آغرخان کو دکن روانہ کر دیا۔ دکن میں اس نے غیر معمولی کام نامے انجام دیئے۔ ابھی وہ دکن میں مہر دھن پہنچا کہ اکبر آباد کے نواح میں جاؤں کی سرکشی نے امن وامان تہہ وبالا کر دیا۔ آغرخان کو دکن سے پھر بلوایا گیا اور شاہی حکم جاری ہوا کہ جاؤں کی گوشمالی کی جائے۔

آغرخان نے جو کچھ عبداللہ سے کہا تھا۔ وہ سچ اتر رہا تھا، وہ کسی ایک جگہ نہیں رہ سکتا تھا، وہ کبھی دکن میں تھا، کبھی کابل میں اور کبھی اکبر آباد کے نواح میں۔ اس کو مہر دھن میں بھولی بھالی، سیدھی سادی، معصوم بھاگ گئی یاد آتی رہی، وہ اس لڑکی کی محبت کو کسک کی شکل میں برابر محسوس کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اکبر آباد کے نواح کی ایک گڑھی میں جب اس کا سرکش جاؤں سے مقابلہ ہوا تو بہادر آغرخان گولیوں کی بوچھاڑ میں اپنی عادت کے مطابق کھٹکتا چلا گیا، کسی جاٹ کی ایک گولی اس کے سر کو پاش پاش کر گئی اور وہ فوراً ہی مر گیا۔ بعد میں شاہی فوج نے جاؤں کو شکست دے دی اور آغرخان کو اسی گڑھی میں اعزاز و احترام کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

لیکن اکبر آباد سے سینکڑوں میل دور بھیم گڑھ میں بھاگ گئی آغرخان کے انجام سے بے خبر اس کا انتظام کیے جا رہی تھی، بھاگ گئی کا ایمان تھا کہ آغرخان بہادر ہے اور بہادر لوگ جھوٹے وعدے نہیں کرتے، اس لیے آغرخان ایک نہ ایک دن اس کے پاس پہنچے گا ضرور کافی دلوں تک بھاگ گئی بھیم گڑھ میں گھر گھر جانی اور یہی کہتی کہ اگر آغرخان نائی ایک ترک میرا پتہ پوچھتا ہوا آئے تو اس کو میرے گھر پہنچا دینا وہ میرا شوہر ہے۔ لیکن جب وہ ساہا سال کے بعد بھی نہ آیا تو بھاگ گئی کی زبان بند ہو گئی اور وہ سراپا انتظام بن گئی۔